مذہب اہلسنت کا ترجمان یعنی مسلک اعلیٰحضرت کا نقیب و پاسبان

کتابی سلسلہ

پیغامِ رضا ممبئی

- بریلی شریف اہل سنت کا مرکز کل بھی تھا، آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا۔
  حضرت سید شاہ محمود اشرف کچھو چھہ شریف
- بریلی کی مرکزیت کسی بلند پایہ درسگاہ سے معنون نہیں ہے بلکہ اس کی مرکزیت امام احمد رضا سے منسوب ہے۔
  پاسبان ملت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ
- ساری دنیا بدعقیدہ ہو جائے، صرف ایک آدمی مسلک اعلیٰ حضرت پہ قائم ہو تو اسی کو جماعت اور اسی کو سوادِ اعظم کہا جائے گا۔
  جانشین مفتی اعظم حضرت ازہری میاں صاحب
- مسلک اعلیٰ حضرت کی تشہیر اور اس کی بڑے پیمانے پر اشاعت، یہی ہمارا مقصدِ حیات ہے۔
  محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری صاحب
- مسلک اعلیٰ حضرت ہمارا نشانِ امتیاز ہے جو اس کو مٹانے کی کوشش کرے گا وہ خود مٹ جائے گا۔
  حضرت مولانا ادریس رضا خاں صاحب بیلی بھیت شریف
- مسلک اعلیٰ حضرت حق کا بے غبار آئینہ ہے، اس میں چہرے کا صحیح عکس دیکھا جا سکتا ہے۔
  مفتی شمشاد احمد مصباحی
- جام نور خلق کی نگاہ سے گر چکا ہے، جو لوگ اس کی حمایت پہ اصرار کر رہے ہیں، وہ عوام میں مشکوک ہوتے جا رہے ہیں۔
  سید اولاد رسول قدسی مصباحی امریکہ
- جام نور نے جدید ذہنوں میں جو جراثیم بھرے ہیں مستقبل میں اس کے اثرات بڑے بھیانک ہوں گے۔
  مولانا غلام مصطفیٰ رضوی مصباحی
- جام نور کی خفیہ پلاننگ انتہائی خطرناک ہے اس پہ سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت ہے۔
  مولانا قمر الزماں مصباحی

مدیر اعلیٰ

محمد رحمت اللہ صدیقی

جب بھی کوئی پوچھتا ہے اہلِ سنت کی سند
پیش کر دیتے ہیں ہم تو اعلیٰ حضرت کی سند

سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمی مارہرہ شریف

آج رئیس القلم کی دینی، ملی اور مسلکی خدمات کا چہرہ ان کے بعض آزاد خیال، مسلک بیزار اور ناعاقبت اندیش جانشینوں سے مسخ ہو رہا ہے۔

مولانا انصار رضا نوری

پیغام رضا، ممبئ کی ایک تاریخی، تحقیقی اور معلوماتی پیش کش

امام اہلسنت نمبر

- مذہب اہلسنت کی اصطلاح کب؟ اور کیوں؟ ایک مکمل بحث۔
- اہلسنت و جماعت کا سیر حاصل تعارف۔
- مذہب اہلسنت و جماعت کے تحفظ و بقار کے لئے اکابرین اہلسنت کی خدمات کا بھرپور جائزہ۔
- اکابر علمار و مشائخ کی جھرمٹ میں اعلیٰ حضرت ہی امام اہلسنت کیوں؟ تحقیق و تجزیہ۔
- مذہب اہلسنت کا علامتی نشان، مسلک اعلیٰ حضرت، ضرورت۔ اہمیت اور افادیت۔
- آزاد خیالی کی کوکھ سے جنم لینے والے مزعومات کے گھروندے پر زوردار دھماکہ۔
- اور اس کے سوا وہ سب کچھ جس کی آپ شدت سے ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔

نوٹ اس حوالے سے آپ کے ذہن میں جو بھی مواد ہو، مشورہ ہو، خاکہ ہو۔ آپ فوراً بھیج دیں۔ ابواب اور ذیلی ابواب وغیرہ، ہم آپ کی قیمتی آرا کی روشنی میں ترتیب دیں گے۔ انشار اللہ جنوری ۲۰۰۹ء کا یہ شمارہ جو (۵۰۰) صفحات پر مشتمل ہوگا دسمبر ۲۰۰۸ء میں آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔

رابطے کا پتہ
پیغام رضا، پلاٹ نمبر ۵۰ / روم نمبر ۴ / ایچ سائی بابا نگر، بیگن واڑی، شیواجی نگر ۲،
گونڈی ممبئی ۴۳ فون: 022-20354077، موبائل: 9930585533

عناوین کی فہرست جلد ہی شائع کی جائیگی

الزہراء ہائی اسکول

پوکھریرا، رائے پور، سیتامڑھی (بہار)

سرپرست

حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں صاحب

سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف



مجوزہ عمارت

دینی ماحول میں عصری تعلیم وتربیت کی پیش رفت

مالک ونگراں

محمد رحمت اللہ صدیقی

022-20354077

محمد مصباح الحق صدیقی

برکاتِ رضا ایجوکیشنل سوسائیٹی مقام وپوسٹ پوکھریرا۔ وایا رائے پور ضلع سیتامڑھی (بہار)

انتساب

جہانِ رضویات کے امام اول

مسعودِ ملت ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ

کے نام

جنہوں نے رضویات کو مستقل ایک فن کی حیثیت سے متعارف کرایا

رب کائنات جہانِ رضویات کو ان کا سچا جانشین

اور جماعت اہل سنت کو ان کا بدل عظیم عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

محمد رحمت اللہ صدیقی

- میں، سیداولادرسول قدسی کے غزلیہ مجموعہ رفتہ رفتہ کو حفیظ جالندھری کے وتامہ اسلام کا تازہ بلکہ تروتازہ ایڈیشن سمجھتا ہوں۔ [یوسف ناظم]
- سیداولادرسول قدسی دورجدید کے ایسے شاعر ہیں جن کی شناخت شاعروں کی بھیڑ میں آسانی سے ہوسکتی ہے۔ [علقمہ شبلی]
- سیداولادرسول قدسی کا غزلیہ مجموعہ۔ رفتہ رفتہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی۔ [شمس الرحمن فاروقی]
- سیداولادرسول قدسی نعت اور غزل کے بہت بڑے شاعر ہیں۔ ان کے یہاں شریعت اور شعریت دونوں کا حسن پایا جاتا ہے۔ [سیدہ عابدہ رحمت]
- سیداولادرسول قدسی نے جدید احساسات وخیالات سے اپنی شعر گوئی کا کینوس تیار کیا ہے۔ [علامہ بدر القادری]
- سیداولادرسول قدسی کی نعت گوئی میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پاکیزہ اظہار ملتا ہے۔ [ڈاکٹر طلحہ رضوی برق]
- سیداولادرسول قدسی جدید تعلیم سے بہرہ ور ہیں، انگریزی زبان وادب کے فاضل ہیں اور بفضلہ تعالیٰ علم دین کے عالم ہیں۔ ان دونوں علوم کے امتزاج نے ان کی نعت گوئی کو دوآتشہ بنادیا ہے۔ [سید محمد اشرف]
- سیداولادرسول قدسی کو حمد، نعت کا الہام ہوتا رہتا ہے۔ ان کی شخصیت کی جو مقناطیسی قوت ہے وہ انھیں اپنے مداحین میں مرکز کیے رہتی ہے۔ [افتخار امام صدیقی]
- سیداولادرسول قدسی کی شاعری کی اگر صرف ایک بڑی خصوصیت کا ذکر کیا جائے تو ان کا تاریخی شعور ہے۔ [ڈاکٹر خواجہ اکرام]

علامہ سیداولادرسول قدسی

کی چار تازہ ترین کتابیں بہت جلد منظر عام پر آرہی ہیں

خدا، نہ خدا سے جدا (نعتیہ دیوان) (صفحات:۱۵۰)

تروتازہ (غزلیہ دیوان) (صفحات۱۵۰)

لمحہ لمحہ (نظموں کا مجموعہ) (صفحات:۳۵۰)

قلم آشنا (مقالات کا مجموعہ) صفحات(۴۰۰)

ترتیب

محمد رحمت اللہ صدیقی

فون نمبر: 022-20354077 موبائل: 09930585533

سرپرست : امین ملت ڈاکٹر سید محمد امین میاں سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف

نائب : مصباح ملت حضرت علامہ سید اولاد رسول قدسی مصباحی۔ ہوسٹن، امریکہ

کتابی سلسلہ
پیغام رضا
ممبئی

جلد ۱۱ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۸ء / شوال المکرم تا ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ شمارہ ۲

مدیر اعلیٰ
محمد رحمت اللہ صدیقی

مدیر مسئول
محمد ادریس رضوی ایم۔اے

مدیر معاون
محمد ریحان رضا انجم مصباحی

قیمت : فی شمارہ :	۲۵/- روپے
سالانہ ممبری فیس :	۱۰۰/- روپے
بیرونی ممالک سے	۲۰/ امریکی ڈالر

رابطے کا پتہ

دفتر: پیغام رضا، پلاٹ نمبر ۵۰۔ روم ۴ (ایچ)
سائی بابا نگر، بیگن واڑی، شیواجی نگر۔۲، گونڈی ممبئی ۴۳

Office: ***PAIGAM-E-RAZA***
Plot No-50, Room No.4-H, Sai Baba Nagar, Baigan wadi, Shivaji Nagar-2, Gowandi, Mumbai-43
فون نمبر: 022-20354077, 9930585533
E-mail: paigameraza@rediffmail.com

اس شمارے کا فرمان

ڈاکٹر پروفیسر مسعود احمد علیہ الرحمہ

بعض علمائے اہل سنت اس خیال کے حامی نظر آتے ہیں کہ امام احمد رضا کے افکار و خیالات کو ہدف تنقید بنانے میں حرج نہیں۔ فقیر سے ایک عالم نے فرمایا کہ امام احمد رضا کے فکر و خیال کو حرف آخر سمجھنا تشویشناک ہے۔ ایک طبقہ اس خیال کو عام کر رہا ہے۔ یہ انتشار کی ایک نئی تدبیر ہے غالباً اس کے بانی ڈاکٹر طاہر القادری ہیں۔ علم و فضل میں جو امام احمد رضا سے بڑا یا کم از کم برابر ہو، یہ حق اس کو پہنچتا ہے کہ وہ اختلاف کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انتشار فکر و نظر سے بچائے۔ (آمین)

اس شمارے میں

نعت پاک	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی	۴
اپنی بات	محمد ادریس رضوی	۶
پیغامات	پروفیسر محمد مسعود احمد ● مولانا حافظ حمید الرحمٰن ● مولانا محمود عالم رشیدی ● مولانا عبدالکریم رضوی	۱۳ تا ۱۸
نبویات		
اخلاق کی خوشبو	مولانا سید اولاد رسول قدسی	۱۹
شخصیات		
روحانی انقلاب کا داعی	مولانا کوثر امام قادری	۲۲
حیات مسعود ملت	ڈاکٹر سید محمد عارف	۳۵
اعترافات		
صحیح البہاری جدید وقدیم تقریظات وتبصرے	ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی	۳۷
رضویات		
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور مشائخ مارہرہ	سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمی	۴۶
اصطلاح مسلک اعلیٰ حضرت	حضرت مولانا محمد حسن علی قادری	۵۳
ہمارا مرکز بریلی ہے	پاسبان ملت علامہ مشتاق احمد نظامی	۶۰
امام احمد رضا متین یوں	مولانا غلام مصطفیٰ رضوی مصباحی	۶۱
مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ	ڈاکٹر سید محمد فاروق القادری	۶۹
مسلک اعلیٰ حضرت سے انحراف کیوں	مولانا محمد ادریس رضوی (ایم۔اے)	۷۳
مکتوباتی ادب اور امام احمد رضا	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری	۸۱
امام احمد رضا اور چھوٹوں پہ شفقت	مولانا قمر الزماں مصباحی (ایم۔اے)	۸۳
مکتوبات	ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی ● مفتی ولی محمد رضوی ● ڈاکٹر صابر سنبھلی ● غلام مصطفیٰ مصباحی ● محمد نصیر احمد رضوی ● محمد علی حیدر مشاہدی ● سید نوازش حسین ● محمد اسلم رضا قادری ● مولانا انیس عالم سیوانی ● مولانا کوثر امام قادری ● محمد ندیم الزماں مصباحی ● محمد قمر الزماں مصباحی ● عبدالقادر بربانی ● محمد شمیم اشرفی نعیمی ● کیف الحسن قادری	۸۶ تا ۹۷
تعاقبات		
فقہی اختلاف کا حق کس معیار کے لوگوں کو ہے	مولانا محمد انیس عالم سیوانی	۹۸
چل قلم اب ذکر حق مقصود ہے	محمد رحمت اللہ صدیقی	۱۰۴
ادبیات		
قدسی کی نعتیہ شاعری میں صنائع وبدائع کا استعمال	ڈاکٹر مظفر حسن عالی	۱۳۷
تنقیدات		
قدسی شخص اور شاعر	مولانا محمد توفیق برکاتی مصباحی	۱۴۱
سہیل بخشش	وصیل خان	۱۴۳
خانوادۂ رضویہ کی شعری وادبی خدمات	وصیل خان	۱۴۴
منظومات	مولانا کیف الحسن قادری ● سید اولاد رسول قدسی ● مولانا محمد توفیق برکاتی ● محمد شاہ زماں رضوی	۱۴۵ تا ۱۴۸

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی

نعت پاک

سونا جنگل رات اندھیری، چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو! جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر دم میں نہ آنا مت کیسی متوالی ہے

سونا پاس ہے، سونا بن ہے، سونا زہر ہے اٹھ پیارے
تو کہتا ہے نیند ہے میٹھی تیری مت ہی نرالی ہے

آنکھیں ملنا، جھنجھلا پڑنا، لاکھوں جمائی انگڑائی
نام پر اٹھنے کے لڑتا ہے اٹھنا بھی کچھ گالی ہے

جگنو چمکے پتا کھڑکے مجھ تنہا کا دل دھڑکے
ڈر سمجھائے کون پون ہے یا اگیا بیتالی ہے

بادل گرجے، بجلی تڑپے، دھک سے کلیجا ہو جائے
بن میں گھٹا کی بھیانک صورت کیسی کالی کالی ہے

پاؤں اٹھا اور ٹھوکر کھائی، کچھ سنبھلا پھر اوندھے منہ
مینہ نے پھسلن کر دی ہے اور ڈھر تک کھائی نالی ہے

ساتھی ساتھی کہہ کے پکاروں، ساتھی ہو تو جواب آئے
پھر جھنجھلا کر سر دے پٹکوں چل رے مولیٰ والی ہے

پھر پھر کر ہر جانب دیکھوں، کوئی آس نہ پاس کہیں
ہاں اک ٹوٹی آس نے ہارے جی سے رفاقت پالی ہے

تم تو چاند عرب کے ہو پیارے تم تو عجم کے سورج ہو
دیکھو مجھ بے کس پر شب نے، کیسی آفت ڈالی ہے

دنیا کو تو کیا جانے یہ بس کی گانٹھ ہے حرافہ
صورت دیکھو ظالم کی تو کیسی بھولی بھالی ہے

شہد دکھائے، زہر پلائے، قاتل ڈائن شوہر کش
اس مردار پہ کیا للچایا دنیا دیکھی بھالی ہے

وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا
ہم مفلس کیا مول چکائیں اپنا ہاتھ ہی خالی ہے

مولیٰ تیرے عفو و کرم ہوں میرے گواہ صفائی کے
ورنہ رضؔا سے چور پہ تیری ڈگری تو اقبالی ہے

پیرطریقت حضرت مولانا **لیاقت رضا نوری** مدظلہ کی سرپرستی میں

شموگہ کرناٹک کی سرزمین پر ۲۰۰۹ء میں

کل ہند کنز الایمان کانفرنس

ہونے جارہی ہے

جس میں جماعت اہل سنت کے ممتاز علما و مشائخ بڑی تعداد میں شریک ہوں گے

کانفرنس کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہوگی کہ اس میں دس ہزار کی تعداد میں

کنز الایمان شریف مفت تقسیم کیا جائے گا۔

کانفرنس کی تفصیل کے لیے پیغام رضا کے دوسرے شمارے کا انتظار کریں۔

مزید معلومات کے لیے ذیل کے موبائل پہ رابطہ کریں:

زیر اہتمام:

انجمن پیغام رضا ٹرسٹ

بھدراوتی، شموگہ، کرناٹک۔

موبائل: 09981379091

جہانِ رضویات کا ماہِ کامل
مسعود ملت

محمد ادریس رضوی

۱۰ ارشوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ ارجون ۱۸۵۶ء کو بریلی شریف کی زمین پر امام الاتقیا مولانا مفتی محمد نقی علی خاں کے گھر میں ایک پھول کھلا، اس پھول کا نام ''احمد رضا'' رکھا گیا۔ چار سال کی عمر (۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۶۰ء) میں احمد رضا نے قرآن پاک ختم فرمایا۔ ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۶۹ء میں احمد رضا کے سر پر دستارِ فضیلت باندھی گئی۔ طالب علمی کے زمانہ میں ہی آپ نے کئی کتابیں لکھیں۔ حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ کے بقول احمد رضا نے ۱۲۸۶ھ میں قلم ہاتھ میں پکڑا اور آخری دم تک یعنی متواتر چون سال قلمی جہاد میں شبانہ روز مصروف رہے۔

۱) علم قرآن میں ''كنز الايمان فى ترجمة القرآن'' قرآن پاک کا شاہکار ترجمہ قوم کو دیا۔

۲) علم عقائد میں ''تمهيد الايمان بآيات القرآن'' کے علاوہ اکتیس (۳۱) کتابیں تصنیف فرما کر قوم کے حوالے کیا۔

۳) علم کلام میں ''المعتقد المنتقد فى بناء نجات الابد'' کے علاوہ سولہ کتابوں کا ذخیرہ چھوڑا۔

۴) علم تجوید میں دو کتابیں لکھیں، ایک ''نعم الزاد لزوم الضاد'' دوسری ''الجام الصاد عن السنن الضاد''...... اور ایک عالم کے بقول چار کتابیں اس فن میں آپ نے لکھی۔

۵) علم تفسیر میں ''الصمصام على مشكك فى آية علوم الارحام'' کے علاوہ پانچ عدد سے زیادہ کتابیں لکھیں۔

۶) علم اصول حدیث میں ''مدارج طبقات الحديث'' کے علاوہ دو رسالے تصنیف کئے۔

۷) علم حدیث میں ''الامن و العلى'' کے علاوہ گیارہ کتابیں لکھ کر علما اور عوام کے حوالے کیا۔

۸) علم اصول فقہ میں ''اطائب الصيب على ارض الطيب'' کے علاوہ آٹھ کتابیں لکھیں۔

۹) علم فقہ میں ''انفس الفكر فى قربان البقر'' کے علاوہ ایک سو پچاس یا دو سو اسی کتابوں کا شاندار ریکارڈ قائم فرمایا۔

۱۰) علم فرائض میں ''المقصد النافع فى عصوبة الصنف الرابع'' کے علاوہ احمد رضا چار کتابوں کے مصنف ہیں۔

۱۱) علم رسم خط قرآن مجید میں ''جالب الجنان فى رسم احرف من القرآن'' جیسی تحریر کے ذریعہ رسم خط عثمانی کا طریقہ بتایا۔

۱۲) علم الادب العربی میں امام احمد رضا نے چھ کتابیں تصنیف فرمائیں ہیں، ان میں ایک کا نام ''صنائع بديعة'' ہے۔

۱۳) علم لغت میں ''فتح المعطی بتحقیق معنی الخاطی و المخطی'' کے علاوہ اس فن میں امام احمد رضا نے دو کتابیں لکھیں ہیں۔
۱۴) علم سیر میں ''جمان التاج فی بیان الصلوۃ قبل المعراج'' کے علاوہ دو اور کتابیں آپ کی ہیں۔
۱۵) علم الفضائل میں ''مالی الحبیب لعلوم الغیب'' کے علاوہ تیس (۳۰) کتابوں کے آپ مصنف ہیں۔
۱۶) علم المناقب میں (۱) ''فضائل فاروق'' (۲) ''چراغ انس'' (۳) ''نظم معطر'' کے علاوہ کل اٹھارہ کتابیں آپ نے تحریر فرمائیں۔
۱۷) علم سلوک میں ''الزلال الاتقی'' کے علاوہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی ایک اور تصنیف لاجواب بھی ہے۔
۱۸) علم الاخلاق میں دو کتابیں آپ کی مستقل تصانیف ہیں، ان میں سے ایک کا نام ''شرح الحقوق لطرح العقوق'' ہے۔
۱۹) علم تصوف میں ''کشف حقائق و اسرار و دقائق'' کے علاوہ دو کتابیں اور ہیں۔
۲۰) علم اذکار میں ''الوظیفۃ الکریمۃ'' کے علاوہ پانچ کتابیں ہیں۔
۲۱) علم ترغیب وترہیب میں ''اعز الاکتناف فی رد صدقۃ مانع الزکوٰۃ'' ہے۔
۲۲) علم تاریخ میں ''جمع القرآن ویم عزوۃ لعثمان'' کے علاوہ تین کتابیں اور بقول ایک عالم دین آٹھ کتابیں ہیں۔
۲۳) علم مناظرہ میں ''سیف ولایتی بروابہم ولایتی'' کے علاوہ اٹھارہ کتابیں لکھی ہیں۔
۲۴) علم تکسیر میں ''اطائب الاکسیر فی علم التکسیر'' تکسیر کے فن میں اعلیٰ کتاب ہے۔
۲۵) علم الوفق میں ''الفوز الآمال فی الاوفاق و الاعمال'' دیکھیے۔
۲۶) علم التوقیت میں ''سر الاوقات'' کے علاوہ چھ عدد آپ کی تصانیف ہیں۔
۲۷) علم ہیئت میں ''اقمار الانشراح لحقیقۃ الاصباح'' کے علاوہ حساب کی دس قسموں میں آپ کو دسترس حاصل تھا اور تمام قسموں میں آپ نے تحریر چھوڑی ہے۔
۲۸) علم الحساب میں ''کلام الفہیم فی سلاسل الجمع و التقسیم'' کے علاوہ حساب کی دس قسموں میں آپ کو دسترس حاصل تھا اور تمام قسموں میں آپ نے تحریر چھوڑی ہے۔
۲۹) علم ارثماطیقی ''کتاب الارثماطیقی'' کے علاوہ تین تصانیف ہیں۔ یہ بھی حساب کی ایک قسم ہے، اس میں عدد کے خواص سے متعلق بحث کی جاتی ہے۔
۳۰) علم ریاضی میں ''جدول الریاضی'' کے علاوہ تین مستقل تصانیف ہیں۔ علم ریاضی کے چار اصول ہیں۔ (۱) ہندسہ (۲) ہیئت (۳) حساب (۴) موسیقی۔
۳۱) علم ہندسہ میں ''الجمل الدائرہ فی خطوط الدائرہ'' کے علاوہ تین کتابیں ہیں۔
۳۲) علم جبر ومقابلہ یہ بھی علم حساب کی فرع ہے۔ اس فن میں ''حل المعادلات لقوی المکعبات'' تین کتابیں ہیں۔
۳۳) علم زیجات میں ''مسفر المطالع لتقویم و الطالع'' امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی سات کتابیں ہیں۔
۳۴) علم جفر میں ''الاجوبۃ الرضویہ للمسائل الجفریۃ'' کے علاوہ سات کتابیں ہیں۔
۳۵) علم النجوم میں ''زاکی البہا فی قوۃ الکواکب و ضعفہا'' کے علاوہ پانچ کتابیں ہیں۔

۳۶) علم طبعیات میں ''الدقة و التبیان لعلة الرقة و السیلان'' کے علاوہ دو کتابیں یا تین کتابیں ہیں۔
۳۷) علم زائچہ میں ''زاکی البها فی قوة الکواکب و ضعفها'' تصنیف فرمائی۔
۳۸) علم تکسیر میں ''مرتجی الاجابات لدعاء الاموات'' کے علاوہ پانچ کتابیں تصنیف فرمائی۔
۳۹) علم صرف میں ''حاشیه میزان الافکار'' کے علاوہ دو کتابیں ہیں۔
۴۰) علم نحو میں ''حاشیه هدایت النحو'' کے علاوہ دو کتابیں ہیں۔
۴۱) علم عروض میں ''صنائع بدیعه'' عمدہ کتاب ہے، لیکن ابھی تک شائع نہیں ہوسکی ہے۔
۴۲) علم ارضیات میں ''المعطر السعید علی بنت جنس الصعید'' ہے۔
۴۳) علم صوتیات میں ''الکشف شافیه فی حکم فونوغرافیا'' بہترین تحقیق ہے۔
۴۴) علم سیاسیات میں ''دوام العیش فی الائمة من قریش'' کے ساتھ چھ کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔
۴۵) علم معاشیات میں ''تدبیر فلاح و نجات'' لکھ قوم کو معیشت کے راستے بتلائے، اس عنوان پر آپ کی دو کتابیں ہیں۔
۴۶) علم ہیئت میں ''استخراج وصول قمر'' کے ساتھ سولہ کتابیں اہل علم کو دی ہیں۔
۴۷) علم تجارت و بنکاری میں ''المنی والدرر لمن عمد منی اردر'' لکھی ہیں۔
۴۸) علم زراعت میں ''افصح البیان فی حکم مزارع ہندوستان'' لکھ کر کسانوں کے نام کیا ہے۔
۴۹) علم کیمیا اطلاقی میں ''الاحلی من السکر بطلبة سکری و سر'' ہے۔
۵۰) علم بین الاقوامی امور میں ''اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام'' ہے۔
۵۱) علم رسم المفتی ''اجلی الاعلام ان الفتوی مطلقا علی قول الامام'' کے علاوہ تین کتابیں مفتی حضرات کی خدمت میں پیش کیں۔
۵۲) علم اسماء الرجال میں ''مجموعه رسائل'' کے علاوہ سات کتابیں ہیں۔
۵۳) علم لوگارثم میں ''رساله در علم لوگارثم'' چمبرز کی جدول مطبوعہ ۱۸۷۸ء کی تشریحات کا اردو ترجمہ کے علاوہ ایک اور کتاب بھی ہے۔
۵۴) علم ٹریگنومیٹری ''اعالی العطایا فی الاضلاع و الزوایا'' ہے۔
۵۵) علم فلکیات میں ''استخراج وصول قمر براس'' ہے۔
۵۶) نظم عربی میں ''امال الابرار و آلام الاشرار'' دیوان القصائد
۵۷) نظم فارسی میں ''اکسیر اعظم، نظم معطر، سلسلة الذہب، نافیة الادب''
۵۸) نظم ہندی میں ''حدائق بخشش'' میں کلام ملتا ہے۔
۵۹) نظم اردو میں ''حدائق بخشش'' اور ''الاستمداد'' کے علاوہ شعر و ادب میں اکیس کتابیں ہیں۔
۶۰) عربی ادب میں ''صنائع بدیعه''
۶۱) عربی نثر میں متعدد کتابیں ہیں۔
۶۲) فارسی ادب میں ''صنائع بدیعه''
۶۳) فارسی نثر میں متعدد کتابیں ہیں۔

۶۴) نثر ہندی میں ''مجموعہ فتاوی''میں ایک فتویٰ۔

۶۵) اردوادب میں ''صنائع بدیعہ''شرح مقاصد مذاقیہ، عذاب ادنی برد اونی۔

۶۶) کتب فقہ جملہ مذاہب ''فتاوی رضویہ''

۶۷) علم منطق میں ''فوز مبین در رد حرکت زمین'' کے علاوہ تین کتابیں ہیں۔

۶۸) اسانید حدیث میں ''الاجازۃ الرضویہ'' کے علاوہ تین کتابیں ہیں۔اس کے علاوہ (۶۹) ملفوظات میں دو (۷۰) خطبات میں ایک (۷۱) تخریج احادیث میں چار (۷۲) اصلاح ونصائح میں تین (۷۳) تعبیر میں ایک (۷۴) علم مثلث میں ایک (۷۵) فلسفہ میں پانچ (۷۶) علم الاکر (۷۷) مثلث کروی (۷۸) مثلث مسطح (۷۹) مربعات (۸۰) خط نسخ (۸۱) خط نستعلیق کے علاوہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں دیگر علوم کی جزوی بحث کی شماریات نے آپ کے علوم کی تعداد بعض محققین کے نزدیک دوسو سے زیادہ ہیں۔علوم وفنون کی ایسی بلند وبالا شخصیت کا شہرہ ان کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا۔ایشیا و یورپ اور افریقہ کے ملکوں سے آپ کی بارگاہ میں استفتا آتے۔آپ کی زندگی میں آپ کی شخصیت اور آپ کے علوم وفنون پر جو ہونا چاہئے کام نہیں ہوا۔بعد وصال ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء کے بعد بہت دنوں تک لوگ آپ کی فرقت کے غم سے آزاد نہ ہو سکے، جب غم سے قدرے آزادی ملی تو وسائل کی کمی آگے بڑھنے سے مانع رہی۔قلت وسائل کے باوجود لوگ اپنے اپنے طور پر کام کرتے رہے۔علما و مشائخ کے سامنے اور بھی بہت سارے ملی و جماعتی مسائل تھے،ان مسائل کا حل وقت کا اہم تقاضا تھا۔رضویات پہ کام ہو رہا تھا،لیکن رفتار بہت دھیمی تھی اور حلقے محدود تھے۔غیر آپ کی شخصیت کو مٹانے پر تل گئے، تہمتوں کی آندھی چلائی گئی، الزامات کے تیر برسائے گئے،تعصب کی دھول اڑائی گئی، آپ کو ایک نئے فرقہ کا بانی کہا گیا،لوگوں کو متنفر کیا گیا......آوازیں گونجتی رہیں،لیکن ان آوازوں پر کوئی توجہ نہیں دے رہا تھا۔کام ہو رہے تھے،لیکن کام کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی جارہی تھی......ایک عرصہ کے بعد ایک معتبر اور توانا آواز گونجی ،لوگو!اسلام کے ہیرا امام احمد رضا کو دیکھو، عاشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کو دیکھو، خاتم الفقہا کو دیکھو،علم حدیث کے امیر المومنین کو دیکھو،علم ارضیات کے ماہر کو دیکھو،علم فلکیات کے بادشاہ کو دیکھو،ان کی کتابوں کو پڑھو۔ہمالیہ کی چوٹی کو سر کرنے والے بہت ہیں،لیکن علوم وفنون کے اس ہمالہ کی چوٹی کو سر کرنے کی دعوت دی جانے لگی،لوگ آگے بڑھنے لگے، مطلع صاف ہونے لگا، کچھ لوگ کھل کر کچھ چپکے چپکے امام احمد رضا کی کتابوں کو پڑھنے لگے، کتابوں کی اشاعت ہونے لگی، مانگ بڑھنے لگی۔امام احمد رضا کی کتابیں درسگاہوں، لائبریریوں اور نجی محفلوں میں پہنچنے لگیں۔امام احمد رضا کا چرچا ہونے لگا۔ان کے علوم وفنون کی خوشبو پھیلنے لگی۔

وہ آواز تھی، محسن قوم وملت ماہر رضویات ڈاکٹر پروفیسر مسعود احمد مجددی کی ،جس نے امام احمد رضا کی کتابوں کو پڑھا اور پڑھ کر ان کا چرچا کیا۔امام احمد رضا پر کتابیں لکھیں، امام احمد رضا کے علوم وفنون کو گنانے لگے،لوگوں کو امام احمد رضا کے قریب کرنے لگے۔اسکولوں اور یونیورسٹیوں کے ٹیچروں اور لکچراروں کو خطوط لکھنے لگے۔امید افزا جواب پاکر ان کو کتابیں بھیجتے، پڑھنے کی ترغیب دیتے۔امام احمد رضا پر لکھنے کی تلقین و استدعا کرتے۔اپنی بساط بھر کوششیں کرتے۔دنیا کے تقریباً تین سو سے زیادہ شہروں میں لوگوں کو اپنا شیدائی اور امام احمد رضا کا عقیدت مند بنایا۔آپ اردو، فارسی اور انگریزی زبان وادب پر یکساں عبور رکھتے تھے۔اس بنا پر عالمی جامعات کے محققین سے بلا جھجک مراسلت کرتے تھے۔

۱۹۷۱ء میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی شخصیت پر''فاضل بریلوی اور ترک موالات'' کے نام سے مقالہ تحریر کیا۔۱۹۷۳ء میں آپ کی دوسری تصنیف ''فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں'' منظر عام پر آئی۔امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان پر پروفیسر صاحب اپنی کتابیں، مقالات و

رسائل سے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ ''مولانا بریلوی پر راقم کے مندرجہ ذیل مقالات ورسائل اور کتابیں شائع ہو چکی ہیں:

(۱) فاضل بریلوی اور ترک موالات مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء (۲) فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۳ء (۳) رضا بریلوی، مطبوعہ ۱۹۷۴ء (۴) عاشق رسول، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۶ء (۵) حیات فاضل بریلوی، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۸ء (۶) عبقری الشرق (انگریزی) مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۸ء (۷) کلام الامام، مولفہ ۱۹۷۹ء (۸) مولانا احمد رضا خان بحثیت سیاستدان، مولفہ ۱۹۷۹ء (۹) مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولفہ ۱۹۷۹ء (۱۰) امام احمد رضا خان بریلوی، مولفہ ۱۹۷۹ء۔ اس کے علاوہ آپ کی اور کئی کتابیں ہیں، مثلاً (۱۱) حیات مولانا احمد رضا خاں (۱۲) حیات امام اہل سنت (۱۳) گناہی بے گناہی وغیرہ۔ مزید تحریر فرماتے ہیں کہ ''مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے متعلق مندرجہ ذیل کتابوں پر مقدمے لکھے گئے۔

(۱) اختر الحامدی	امام نعت گویاں	مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء
(۲) محمد مرید احمد چشتی	خیابان رضا جلد اول	مولفہ ۱۹۷۷ء
(۳) محمد مرید احمد چشتی	خیابان رضا جلد دوم	مولفہ ۱۹۷۷ء
(۴) محمد صادق قصوری	خلفائے اعلیٰ حضرت	مولفہ ۱۹۷۷ء
(۵) احمد رضا خان	دوائم العیش فی الائمۃ من قریش	مولفہ ۱۹۷۹ء
(۶) احمد رضا خان	حاشیہ رسالہ در علم لوگارثم	مطبوعہ کراچی ۱۹۸۰ء

(تقدیم حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی، ص ۷)

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابوں پر بھی آپ نے مقدمے لکھے اور وہ مقدمے کافی مقبول ومشہور بھی ہوئے۔

(۷) حضرت مولانا مفتی الشاہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی، الملفوظ		مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی
(۸) محمد مقبول احمد قادری	پیغامات یوم رضا،	مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۷۱ء

مذکورہ کتاب کے مقدمے میں ایک جگہ پر پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب نے تحریر کیا ہے کہ ''اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ چودھویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم، عدیم النظیر فقیہ، ولی کامل اور فقید المثال شاعر تھے۔ آپ کی بے مثال شخصیت نے اپنے عہد کو متاثر کیا۔ آپ کی تحریک اصلاح و تجدید کے متوازی اور تحریکیں بھی نظر آتی ہیں، مگر ہر تحریک کا بانی اپنے رفیقوں کے سہارے آگے بڑھتا ہوا نظر آتا ہے، لیکن جس نے تن تنہا میدان سر کیا، وہ ایک ہستی تھی امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ، آپ کی شخصیت اپنے عہد پر چھائی ہوئی ہے۔ (آئینۂ رضویات، ۳۳)

(۹) مفتی برہان الحق	اکرام امام احمد رضا	مطبوعہ مجلس رضا لاہور ۱۹۸۱ء

''اکرام امام احمد رضا'' کے حرف آغاز کے تحت ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ''مطالعہ وتحقیق کے ساتھ ساتھ یہ احساس ابھرتا ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے نصف اول میں امام احمد رضا ہی ایسی واحد شخصیت کے مالک تھے جس کا ہر پہلو ایک بحر بیکراں معلوم ہوتا ہے، سچ تو یہ ہے کہ وہ معاصرین کو دئے جانے والے تمام القاب کے جامع ہیں۔ وہ ''امام ربانی'' بھی ہیں، وہ شیخ الہند بھی ہیں، وہ رئیس الاحرار بھی ہیں، وہ شاعر مشرق بھی ہیں، وہ شیخ الاسلام بھی ہیں۔ بیک وقت وہ بہت کچھ ہیں، یہ مبالغہ نہیں، شاید دس برس قبل راقم کو بھی یہ باتیں مبالغہ معلوم ہوتی تھیں، لیکن عین الیقین اور علم الیقین کے لیے مبالغہ نہ رہیں''۔

(۱۵) امام احمد رضا اور نظریہ حرکت زمین۔ مطبوعہ تاجدار حرم پبلکیشنگ کمپنی، کراچی ۱۹۸۳ء

پیغامات

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ

اخی العزیز زید مجدکم.............................السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے فون پر پیغام کے لیے ارشاد فرمایا، یہ آپ کے خلوص کی کرامت ہے کہ مصروفیات کے باوجود فون کے فوراً بعد واردات کا سلسلہ شروع ہوا اور پیغام مکمل ہوگیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف کی بات کیا کی جائے، جس کے بانی و مہتمم اول امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ ہوں اور جس کے مہتمم ثانی فرزند جلیل حجۃ الاسلام علامہ محمد حامد رضا خاں علیہ الرحمہ ہوں۔ ایسے دار العلوم سے نسبت ایک عظیم نسبت ہے...... امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے استاذ و شاگرد دونوں کو پڑھنے پڑھانے کا سلیقہ بتایا، استاذ و شاگرد کے حسین رشتہ کو اور حسین بنایا۔ وقت کی قدر کرنا سکھایا، کامیاب زندگی کا ایک عظیم راز بتایا۔ جس نے وقت کی قدر کی وقت نے اس کی قدر کی، جس نے وقت کو ضائع کیا وقت نے اس کو ضائع کیا...... امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے مہد سے لحد تک وقت کی قدر کی اور وہ کارنامے انجام دئے کہ دنیا دیکھ دیکھ کر حیران ہوتی ہے۔

استاذ و شاگرد دونوں کے لیے وقت بہت ہی قیمتی ہے، پھر وقت کی قدر کا دارومدار اس کی اثر انگیزی پر ہے، نصاب کی افادیت و انتفاعیت پر ہے۔ غیر ضروری نصاب میں وقت لگانا، وقت کو ضائع کرنا ہے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے استاذ و شاگرد اور نصاب تینوں کو اہمیت دی اور ہر ایک کو اس کے مقام پر رکھا اور سب کو عمارت کی نذر نہیں کیا، فرنیچر کے ڈھیر نہیں لگائے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عمل کرتے ہوئے، شاندار عمارت نہیں بنائی، شاندار انسان بنائے، انسان سازی دور جدید کا اہم مسئلہ ہے۔ المیہ یہ ہے کہ اس دور میں انسان کی قدر نہیں رہی، اہمیت نہیں رہی، عظمت نہیں رہی۔ ہر موقع پرست اس کو پامال کرتا ہے، انسان کی پامالی دور جدید کا نشان امتیاز بن کر رہ گیا ہے۔ ہر علمی ادارے کی ذمہ داری ہے کہ انسان کو انسان بنائے۔ ہمارے ہاں آرٹس اور سائنس کو الگ الگ کیا گیا ہے، آرٹس انسان بناتا ہے اور سائنس مشین بناتی ہے۔ ہمیں دونوں کی ضرورت ہے، امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے دونوں کو حیرت انگیز طور پر یک جا کر دیا۔ تمام مدارس عربیہ میں دار العلوم منظر اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ اس کے بانی میں آرٹس اور سائنس کے سارے علوم وفنون مجتمع تھے...... اردو یونیورسٹی، کراچی کے وائس چانسلر ڈاکٹر پیرزادہ سید محمد قاسم صاحب نے یہ اہم قدم اٹھایا اور جدید نظام تعلیم میں پہلی بار آرٹس اور سائنس کی تفریق کو ختم کر دیا اور امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی آواز پر لبیک کہا۔ انسان سازی کے لیے یہ انقلابی تبدیلی ضروری تھی...... انسان بن گیا، جہاں بن گیا، انسان بگڑ گیا، جہاں بگڑ گیا...... اگر ہم امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے دیے ہوئے نظام تعلیم کو اپنائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم ترقی نہ کر سکیں۔ ان کے نظام تعلیم میں کفایت ہی کفایت ہے اور ہمارے نظام تعلیم میں اسراف ہی اسراف ہے۔ ان کے نظام تعلیم میں افادیت ہی افادیت ہے، ہمارے نظام تعلیم میں ضیاع ہی ضیاع ہے، ان کے نظام تعلیم میں دردمندی و دل سوزی ہے، ہمارے نظام تعلیم میں بے دردی و بے پروا ہی ہے۔ دار العلوم منظر اسلام کا نظام تعلیم اور طریقۂ تعلیم ہم کو انقلاب کی دعوت دیتا ہے۔

(بشکریہ: انوار رضا کا تاجدار بریلی نمبر، ص ۱۷۔۱۸)

نبیرۂ محبیؒ حضرت مولانا حافظ محمد حمید الرحمن قادری

عزیزم مولانا رحمت اللہ صدیقی سلمہٗ　　　　　　　　　　سلام ورحمت

رب تعالیٰ آپ کے علم، عمل اور قلم میں مزید استحکام بخشے۔ آمین رضویات کے عنوان پر آپ کی خدمات کا گاہے بگاہے علم ہوتا رہتا ہے، عزیز طریقت نواسۂ حقیقت مولانا ریحان رضا انجم سلمہ کے توسط سے آپ کی کاوش کا مجموعہ ''پیغام رضا'' کی شکل میں سرمۂ نظر ہوا، مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ غیروں کے علاوہ اپنوں میں بھی ایک ایسا گروہ سر اٹھا رہا ہے، جو کبھی بریلویت اور کبھی مسلک اعلیٰ حضرت بولنے، لکھنے پر کچھ اس انداز سے تنقید کر رہا ہے کہ عوام یہ سمجھ لیں کہ یہ غیروں کی دی ہوئی اصطلاح ہے، جس پر علما و مشائخ کا کبھی اتفاق نہ رہا، نہ اس کے استعمال پر گروہ علما متفق ہوا، ایسا لکھنے اور بولنے والوں پر سخت افسوس ہوتا ہے، کاش! وہ اکابرین اہل سنت کی تعلیمات و ملفوظات کا مطالعہ کرتے تو ایسا لکھنے کی جرأت نہ کرتے۔

آج رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ بقید حیات ہوتے تو جام نور ایسی فکر کا حامل نہ ہوتا، کیوں کہ انہوں نے تا حیات جام نور، جام کوثر اور رفاقت جیسے موقر رسالوں سے اہل سنت کی تعمیر کا کام کیا ہے، مولیٰ تعالیٰ ان کی نبیرہ کو عقل سلیم دے کہ وہ اپنے دادا کی طرح امام احمد رضا قدس سرہ اور اکابر علمائے اہل سنت کے افکار و نظریات کے مطابق اہل سنت میں اتحاد و اتفاق کی گل افشانی کرتے رہیں۔

مسلک اعلیٰ حضرت کہنے سے تبلیغ و ارشاد کی راہیں مسدود ہو رہی ہیں، اگر اس طرح کی گفتگو پر خاموشی برتی گئی تو کچھ دنوں بعد یہ بھی آواز اٹھائی جا سکتی ہے کہ اعلیٰ حضرت اور امام احمد نہ کہا جائے، بلکہ صرف حضرت مولانا احمد رضا کہا جائے، اس سے ہمارے حلقے میں مزید وسعت آجائے گی۔ رب تعالیٰ ہمیں ایسی فکر سے محفوظ رکھے جو اکابرین اہل سنت کے نظریہ اور ان کے متفقہ فیصلوں سے متصادم ہو۔

عزیزم! مولیٰ تعالیٰ آپ کی غیب سے مدد فرمائے کہ آپ نے بزرگوں کے نقوش فکر کو یکجا کر کے مسلک اعلیٰ حضرت جو مسلک اہل سنت و جماعت ہی کا دوسرا نام ہے، اس پر اتحاد و اتفاق رکھنے کی دعوت دی ہے۔

اعلیٰ حضرت اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت کی بے غبار محبت ہمیں وراثت میں ملی ہے، میرے جد کریم محبّ اعلیٰ حضرت مبلغ اسلام ابوالولی حضرت مولانا محمد عبد الرحمٰن محبّی علیہ الرحمہ شمالی بہار میں فکر رضا کے سب سے بڑے حامی و داعی تھے، ان کی زندگی کا لمحہ لمحہ اعلیٰ حضرت کی محبت

سجادہ نشین خانقاہ رحمانیہ، پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار

سے مشکبار تھا، انہوں نے مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج میں جو داعیانہ کردار ادا کیا ہے، شمالی بہار میں اس کی مثال اب تک سامنے نہیں آسکی ہے۔ انہوں نے اپنی حیات ہی میں مبلغین مسلک اعلیٰ حضرت کی ایک مستحکم ٹیم تیار کردی تھی، فکر رضا کے نفاذ میں انہیں دنیا کی کوئی طاقت دبا نہ سکی، ان کے پاس ہر اٹھتے ہوئے سوال کا جواب تھا، مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت ہی ان کا مشن تھا، یہی وجہ ہے کہ محتاط علما و مشائخ نے اس عہد میں پوکھریرا شریف کو''ثانیِ بریلی'' سے یاد کیا۔

ان کے بعد ان کے مشن کو ان کے بچوں نے خوب فروغ دیا، انہوں نے اپنے تمام بچوں کو زیور علم سے بہتر طریقے سے آراستہ کیا تھا، جس مشن کی انہوں نے بنیاد رکھی تھی خانقاہ مجیبی آج اسی مشن کے فروغ میں کوشاں ہے۔ میں ذاتی طور پر اپنے بچوں اور اہل ارادت کو بھی انہیں خطوط پر کام کرنے کی تاکید کرتا ہوں جو خطوط جد کریم کے متعین کردہ ہیں اور الحمد للہ فکری اور نظریاتی اعتبار سے سب اسی پر کاربند ہیں۔ عزیزم! آپ کی پیدائش پوکھریرا شریف میں ہوئی ہے، آپ نے یہاں کی آب و ہوا کو بہتر طریقے سے قبول کیا ہے، رب کریم آپ کے بازوؤں کو قوت و توانائی بخشے تاکہ آپ مخالفین مسلک اعلیٰ حضرت کا منہ توڑ جواب دیتے رہیں، خانقاہ رحمانیہ پوکھریرا شریف اس مشن میں قدم بقدم آپ کے ساتھ ہے، میں بھی کہتا ہوں کہ

''جو مسلک رضا کا نہیں وہ میرا نہیں''

مسلک اعلیٰ حضرت یا بریلی شریف کی مرکزیت پہ کسی قسم کا کلام کرنا، جماعت کے حق میں مفید نہ ہوگا، باہوش علما کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ایسے افراد کی حوصلہ شکنی کریں، ہم ایسے لوگوں کی اصلاح حال کے لیے دعا کرتے ہیں۔

بہت ساری خانقاہیں اور ادارے اپنی ایک جداگانہ راہ متعین کرنے میں مصروف ہیں، حالاں کہ انہیں بہت جلد اپنی غلطی کا احساس ہوگا۔ مسلک اعلیٰ حضرت سے ہٹ کر نئی صف بندی کو اہل سنت کا کوئی بھی سلیم الطبع انسان درست قرار نہ دے گا، ہماری فلاح کے لیے وہی راہ اچھی ہے جو اعلیٰ حضرت اور ان کے ہم عصر علما و مشائخ نے منتخب کی ہے، اعلیٰ حضرت اپنے زمانے میں مرجع علما و مشائخ تھے، ان کی اس مرجعیت کو داغدار کرنے کی کوئی بھی کوشش جماعت کے حق میں سم قاتل ہوگی، اگر کہیں کوئی خامی راہ پا رہی ہے تو حسن تدبر کے ساتھ اس کی اصلاح کی جائے۔ اصاغر کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ جماعت کے تعلق سے کوئی بھی مشورہ اکابر کی نگاہ سے گزارے بغیر عوام تک نہ پہنچائیں، ورنہ خانہ جنگی جیسے حالات پیدا ہو جائیں گے۔ رب قدیر اپنے محبوبوں کے طفیل اہل سنت و جماعت کو اختلاف و انتشار سے محفوظ فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا محمود عالم رشیدی

عزیز گرامی مولانا رحمت اللہ صدیقی .... سلام مسنون دعائیں

خیریت دارم و خواہم

سب سے پہلے پیغام رضا ۲۰۰۸ء کی اشاعت پر مبارک باد قبول کریں، آپ کی جانب سے یہ ایک اچھی پیش رفت ہوئی ہے، ہر انصاف پسند شخص کو دل سے اس کو سراہنا چاہئے۔ آپ اپنا حوصلہ جوان رکھیں، حق کی راہ میں دشواریاں آتی ہیں، لیکن سرخ روئی حق پرستوں کا ہی مقدر ہوتی ہے۔ یقیناً آپ نے عہد حاضر کے اٹھتے ہوئے فتنوں کا سر کچل دیا ہے، پھر بھی سفر جاری رکھنے کی ضرورت ہے، تاکہ زخم خوردہ افراد میں مزید کچھ کرنے کی ہمت باقی نہ رہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اس وقت جماعتی انتشار کی جو ہوا چل رہی ہے، اس کی تلافی کے لیے دردمندوں کو سر جوڑ کر بیٹھنے کی ضرورت ہے، اختلاف پہلے بھی ہوا ہے، لیکن پہلے کا اختلاف اکثر ذاتی مفاد سے بالاتر ہوا کرتا تھا، اس لیے جلد ہی ختم ہو جایا کرتا تھا، ہم نے اپنے بزرگوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے، ان کی صحبت سے فیض اٹھایا ہے، ان کا دل قوم و ملت کے لیے دھڑکتا تھا، ان میں جماعتی مفادات کی خاطر قربانی کا بے لوث جذبہ تھا، مصلحت کوشی کو وہ جرم تصور کرتے تھے، ماضی قریب کی شخصیات میں پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ علیہ کا بہت ہی نمایاں نام ہے، انہوں نے جماعتی وقار کو ہر نہج سے اعتبار بخشا ہے، فکر رضا کی اشاعت ہی ان کی حیات کا سرمایہ تھا، خود ان کا فرمان ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت ہی اپنا اوڑھنا بچھونا ہے۔ انہوں نے ہی سب سے پہلے اعلیٰ حضرت کو امام کے لفظ سے یاد کیا تھا، اس پہ بعض حلقوں سے ان کی شدید مخالفت بھی ہوئی تھی، لیکن ان کے قلم سے نکلا ہوا لفظ آج اعلیٰ حضرت کے نام کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ساتھ اگر امام کا لفظ نہ

لکھا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کچھ کہنے سے رہ گیا ہو، جو لوگ نئی صف بندی میں مصروف ہیں، انہیں پاسبان ملت کی ذات سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ اعلیٰ حضرت جماعتی فیروز مندیوں کی علامت ہیں، اس روشن علامت سے الجھنا غیر دانشمندانہ عمل ہوگا، ذاتی مفاد کی خاطر جماعتی وقار سے الجھنے کی کسی کو اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس وقت دور دور تک کوئی ایسی ذات نظر نہیں آتی جس میں جماعتی شناخت کی اہلیت ہو۔ حضور مفتی اعظم ہند کے اٹھ جانے کے بعد جو خلا پیدا ہوا وہ آج بھی موجود ہے۔ ہمارے بڑوں پہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ حضور مفتی اعظم ہند کے طریقۂ حسنہ کو دل سے اپنائیں تا کہ اتحاد کی کوئی معقول راہ نکل آئے

آپ نے پیغام رضا میں جن احساسات کا اظہار کیا ہے، وہ مبنی بر حقیقت ہیں، آپ سچائی کا آئینہ دکھاتے رہیں، ممکن ہے اس میں لوگوں کو اپنے صحیح خد و خال نظر آجائیں اور وہ اپنی اصلاح پہ توجہ دیں۔ شدت سے بچنے کی کوشش کریں، پیار و محبت کا انداز ہر زمانے میں موثر رہا ہے، خانقاہیں اور درس گاہیں اپنے اپنے مفاد میں الجھتی رہی ہیں، لیکن عوامی رجحانات کی بھی اپنی ایک اہمیت ہے۔ مقولہ ہے ''جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ'' امام احمد رضا کی حکومت دلوں پر ہے، اسے آسانی کے ساتھ ختم نہیں کیا جا سکتا، جماعتی شیرازہ بندی کے لیے ان کی مجاہدانہ کوششوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ آج اہل علم اور عوام کی غالب اکثریت ان کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے تیار ہے جو لوگ ان کے خلاف محاذ آرائی میں جٹے ہوئے ہیں، انہیں جلد اپنی اوقات سمجھ میں آجائے گی۔ آپ پوری تندہی کے ساتھ اپنا مشن جاری رکھیں، تائید الٰہی آپ کے ہم سفر ضرور رہے گی۔

پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی صاحب کے زمانہ میں بھی اس طرح کی آوازیں اٹھی تھیں، لیکن پاسبان ملت کی دفاعی اور بھاری بھرکم آوازیں سن کر سب کے سب اپنی کمین گاہوں میں واپس چلے گئے۔ آج جو لوگ اچھل کود رہے ہیں، یہ انہیں کی ذریات سے ہیں، پاسبان ملت جیسی کوئی شخصیت ہوتی تو خوب اچھی طرح ان کا قد ناپ دیتی، لیکن آپ فکر مند نہ ہوں، رب اپنے دین کی محافظت کے لیے کسی نہ کسی کو کھڑا کر دے گا، آپ نے اپنی بساط بھر کام کر دیا ہے اور اس کے اچھے اثرات دیکھے جا رہے ہیں۔ آپ جن نازک حالات سے دوچار ہیں، اس کا ہمیں احساس ہے، لوگ ایسے کاموں میں بہت کم تعاون کرتے ہیں، نیاز، فاتحہ اور چادر گاگر میں لاکھوں لاکھ خرچ ہو رہے ہیں، جس کا کوئی خاص فائدہ دیکھنے میں نہیں آتا۔ ان چیزوں پر بھی خرچ ہو، لیکن ضرورت بھر۔ اپنے احباب اور نیاز مندوں سے ہدیۂ سلام مسنون پیش کریں۔

☆☆☆☆

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نوری

نحمده و نصلی علی رسولہ الکریم

صحافیِ عصر حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب قبلہ صدیقی رضوی ایڈیٹر سہ ماہی پیغام رضا............ ہدیہ سلام ورحمت

خیریت طرفین نیک مطلوب!!

سہ ماہی رسالہ ''پیغام رضا'' اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موصول ہوا، دیدہ زیب سرورق اور مسلک اعلیٰ حضرت پر اچھے مضامین دیکھ کر دل خوشیوں سے باغ باغ ہوا، گوکہ یہ شمارہ ہر طرح کی خوبیوں سے آراستہ ہے، مگر آپ کی عدم توجہی سے کچھ باتیں ایسی چھپ گئی ہیں، جو رسالے کے وقار کو مجروح کر رہی ہیں۔ جیسے مولانا سید رکن الدین اصدق وغیرہ کے تعلق سے۔ آپ نے مسلک اعلیٰ حضرت کے تعلق سے اہل سنت کو ایک دستاویز عنایت فرمایا، مولائے کریم آپ کو ہر آفت و بلا سے محفوظ فرمائے اور آپ کی سعیِ جمیل کو قبول فرمائے۔ واقعی عصر حاضر میں اہل سنت و جماعت کے تشخص کے لیے مسلک اعلیٰ حضرت سے جامع کوئی دوسرا جملہ نہیں، جیسا کہ علما و مشائخ کے اقوال سے ظاہر ہے، معارف شارح بخاری کی رسم اجرا کے موقع پر حج ہاؤس، ممبئی میں میرے اعلیٰ حضرت کے پیر خانے کے عظیم المرتبت شاہزادے حضور سیدی سرکار امین ملت مدظلہ العالی نے اپنے بیان میں ارشاد فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ مارہرہ والے مسلک اعلیٰ حضرت کے ٹھیکیدار ہیں تو ہاں ہم مارہرہ والے مسلک اعلیٰ حضرت کے ٹھیکیدار ہیں۔ سرکار مارہرہ مقدسہ کے اس جملے سے ایسا عشق برس رہا تھا کہ میرا رب عزوجل شاہد ہے کہ میری آنکھیں ساون بھادوں برسانے لگیں۔ سبحان اللہ! بڑوں کی بڑی باتیں۔ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ السلام کے طفیل ہمارے ان سرکاروں کا سایہ ہم سب غربائے اہل سنت پر تادیر قائم رکھے۔ آمین

مولانا رحمت اللہ صاحب! بڑی عجیب بات ہے کہ جام نور تو ملت کا ترجمان ہے، جام نور کا مقصد آپس میں اتحاد پیدا کرنا ہے، خانقاہی اختلافات کو ختم کرنا ہے۔ افسوس صد افسوس! کیا اسی کا نام اتحاد ہے؟ تو پھر انتشار کسے کہیں؟

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد — جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

جام نور کے طرز عمل سے علما و مشائخ اور سنی عوام کو بہت صدمہ پہنچا، مگر جام نور جو ملت کے اتحاد کا داعی ہے، ایک لفظ بھی نہ لکھ سکا کہ میرے رسالے کے چند جملوں سے علما و مشائخ اور سنی عوام کو جو تکلیف ہوئی میں ان دل آزار جملوں کو واپس لیتا ہوں اور معذرت خواہ ہوں مگر اب تک ایسا نہ ہو سکا۔ اس سے اندرون خانہ کا پتہ چلتا ہے۔ بہر حال آپ خلوص کے ساتھ مسلک اعلیٰ حضرت پر لکھتے رہیں، مولائے کریم اس کا اجر آپ کو ضرور عطا فرمائے گا۔ بس اتنا خیال رہے کہ ذاتیات پر مضامین نہ چھپیں جس سے رسالہ کے حسن میں کمی آئے، ہم سب کو مل کر صرف اور صرف رضائے الٰہی کے لیے مسلک اعلیٰ حضرت کی روشنی میں کام کرنا ہے۔

ابوالفیض معینی صاحب نے صاحبزادہ مولانا سید اسید الحق صاحب کے مضمون ''حدیث افتراق امت'' کے بارے میں فرمایا تھا کہ ''اپنے پیچھے بہت سارے سوالات چھوڑ گیا'' مگر ابھی تک صاحب زادہ مولانا اسید الحق صاحب نے جواب سے محروم رکھا۔

خط بہت طویل ہو گیا، معذرت خواہ ہوں۔ سرکار نظمی صاحب قبلہ کے اس شعر کے ساتھ اختتام کر رہا ہوں

پوری سنی دنیا میں سچے عقیدے کے لیے — ابتدا و انتہا ہے مسلکِ احمد رضا
مذہب اہل سنت زندہ باد — مسلکِ اعلیٰ حضرت پائندہ باد

والسلام مع الاکرام

محمد عبدالکریم عفی عنہ

☆☆☆☆

نبویات

اخلاق کی خوشبو

علامہ سید اولاد رسول قدسی

گرمی کا موسم اپنے شباب کی دہلیز پر قدم رکھ چکا ہے۔ آفتاب عالم تاب کی آتشیں کرنیں پوری فضا کو اپنے حصار میں لئے ہوئے ہیں۔ آسمان شعلے اگل رہا ہے اور زمین کا سینہ شدت حرارت سے پھٹا جا رہا ہے۔ درختوں کی لمبی قطاریں اپنی نیم مردہ ٹہنیوں اور بے حس و حرکت پتیوں کو دیکھ کر آہیں بھر رہی ہیں۔ دور دور تک چرند و پرند کا نام و نشان نظر نہیں آرہا ہے۔ سڑکیں سنسان ہیں اور پورے ماحول پہ ایک عجیب ہُو کا عالم طاری ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ وسیع دنیا آبادیوں سے بالکلیہ خالی ہو چکی ہے۔

اسی خوں اگلتے موسم کی ایک بھری دوپہر میں تمام لوگ اپنے اہل وعیال کے ساتھ گھروں میں محو آرام ہیں، مگر مکہ میں رہنے والی ایک بڑھیا نہ صرف یہ کہ اپنے گھر کو چھوڑ رہی ہے بلکہ اپنے وطن عزیز کو دائمی خیر باد کہنے کی تیاریوں میں مصروف کار ہے۔ اپنے سارے ساز و سامان کو سمیٹنے میں لگی ہوئی ہے۔ اسی اثنا میں اعزہ و اقارب اس کے قریب آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ آج آپ اس قدر پریشان کیوں نظر آرہی ہیں؟ ان ڈھیر سارے ساز و سامان کو اچانک سمیٹنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟ اخیر معاملہ کیا ہے؟ کچھ تو بتائیے، مگر بڑھیا ہے کہ خاموشی کے ساتھ اپنی تیاریوں میں مصروف عمل ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ اعزہ و اقارب کی بے چینیاں بڑھتی جا رہی ہیں کہ اخیر ناگہاں یہ گھر چھوڑنے پر کیوں تلی ہوئی ہے۔ پیہم اصرار کے بعد بڑھیا لب کشا ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ آج عرب میں کیسا شور و غوغا مچا ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا اخیر آپ اس قدر غضب ناک کیوں ہو رہی ہیں؟ پہیلی نہ بجھائیں، بلکہ آپ ہمیں حالات اور مسائل سے آگاہ کیجئے تاکہ اس کے سد باب کی کوئی مؤثر صورت نکالی جا سکے۔ بڑھیا کی بھنویں تن جاتی ہیں اور مزید غضب ناک ہو کر کہتی ہے کہ لگتا ہے تم لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے ہو، تم لوگ تو دن رات عیش و عشرت کی محفلوں میں مست و سرشار رہتے ہو، تمہیں وقت ہی کہاں ملتا ہے کہ کبھی اپنے آبائی مذہب اور اپنے معبودوں کے بارے میں سر جوڑ کر سوچو۔ آج ہمارے مذہب کا کھنڈن ہو رہا ہے اور ہمارے وہ معبود جن کی پرستش ہمارے آبا و اجداد صدیوں سے کرتے آرہے ہیں آج انہیں گالیاں دی جا رہی ہیں اور ان پر پھبتیاں کسی جا رہی ہیں کہ یہ سب باطل و فاسد ہیں، ان میں کوئی وصف و کمال نہیں، اس لئے کہ یہ بے جان پتھر ہیں، بھلا بے جان پتھر جس میں ذرہ برابر بھی حرکت کی صلاحیت نہیں وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے؟ جو ایک حقیر سی مکھی سے اپنی مدافعت نہیں کر سکتا وہ پوری قوم کی حفاظت کیا کرے گا؟ کیا میں اس عالم ضعیفی میں یہی سب سنتی رہوں گی؟ میرے اندر اتنی تاب نہیں کہ میں اپنے معبودوں کے خلاف ایک بھی لفظ برداشت کر سکوں، میری رگوں کے خون خشک ہو چکے ہیں اور میری ہڈیاں جواب دے چکی ہیں، ظاہر ہے کہ اس بے بسی اور حرماں نصیبی کے

عالم میں کوئی دفاعی کارروائی تو نہیں کر سکتی، اس لئے میں مکہ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ رہی ہوں، اب جنگل میں میرا بسیرا ہوگا، وہاں کوئی میرے معبودوں کے خلاف بکواس کرے گا اور نہ میں اس قسم کی باتیں سنوں گی، اسی طرح میں اپنی آخری عمر کا بقیہ حصہ اپنے معبودوں کی پرستش میں گزار دوں گی۔ میرے لئے زمین کا بچھونا اور آسمان کا شامیانہ کافی ہے، تمہاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں، ہٹ جاؤ میری نگاہوں سے ہٹ جاؤ، تم اس قدر لاابالی اور بے غیرت ہو چکے ہو کہ تمہیں اپنے مذہب کی حفاظت کی کوئی فکر لاحق ہے نہ دین کا پاس اور نہ معبودوں سے ذرہ برابر عقیدت، لگتا ہے تمہیں سانپ سونگھ گیا ہے، لات وعزیٰ کا آشر واد ہو ابوجہل اور ابولہب پر جنہوں نے اپنے شب و روز دینی خدمات میں وقف کر رکھے ہیں، معبودوں کی حفاظت میں اپنی زندگی کا سارا اثاثہ قربان کر دیا ہے۔ رات میں انہیں آرام ملتا ہے اور نہ دن میں سکون۔ ایک تم ہو کہ دین و مذہب کی فکر سے بالکل آزاد نظر آرہے ہو۔

اقارب نے کہا اب تو آپ ہم پر بہت برس پڑیں، ذرا بتایئے تو سہی وہ کون شخص ہے جو ہمارے آبائی مذہب پر انگلی اٹھانے کی جسارت کر رہا ہے اور ہمارے لات وعزیٰ کو باطل کہنے کی جرأت کر رہا ہے۔ یقین جانئے کہ اب آپ کی باتیں سن کر ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے، ہم اس شخص کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے جو ہمارے معبودوں کی شان میں کیچڑ اچھالتا ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ اب تک ہم نے ان باتوں پر توجہ نہیں دی۔ اب ہم آپ کے سامنے عہد و پیمان کرتے ہیں کہ ہم اس شخص سے ضرور انتقام لیں گے۔ پہلے آپ اس شخص کا نام تو بتایئے۔

بڑھیا نے روتے ہوئے جواب دیا کہ تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، کیوں کہ میں نے بیشتر لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اس کی طرز سخن میں ایسی حلاوت جاگزیں ہے کہ اس سے جو ایک بار ملتا ہے اور اس کی باتیں سنتا ہے تو وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دن بدن لوگ اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر اسلام کی آغوش میں جوق در جوق سمائے جا رہے ہیں اور قبیلہ کا قبیلہ صابی بنتا جا رہا ہے۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ ابوقحافہ، خطاب اور عفان کے بیٹے بھی صابی بن چکے ہیں۔ میں اب ہرگز مکہ میں نہیں رہوں گی، مبادا اس کی سحر انگیز باتیں میرے کانوں سے ٹکرا جائیں اور میں بھی اپنا مذہب ترک کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔ اقارب نے بے پناہ اصرار کیا کہ آخیر آپ اس شخص کا نام کیوں نہیں بتاتی ہیں؟ کب تک یوں ہی آپ ہماری بے چینیوں میں اضافہ کرتی رہیں گی؟ آپ کا یہ اقدام کہ مکہ چھوڑ کر جنگل میں زندگی گزاریں گی اس میں تو ہمیں بزدلی اور نفسانیت کی بو آرہی ہے، آپ تو اپنا دین بچانے پر تلی ہوئی ہیں، مگر آپ کو ہماری اور لات و عزیٰ کی کوئی فکر نہیں، یہ کوئی عقیدت ہے، یہ کوئی محبت ہے؟ تف ہے آپ کے ایسے نظریۂ فکر پر۔ دوران گفتگو بڑھیا نے اپنا سارا سامان ایک بوریا میں باندھ لیا تھا، اب بغیر کوئی جواب دئے بوری سر پر اٹھاتی ہے اور پاؤں پٹختی ہوئی گھر سے نکل جاتی ہے۔ اقارب نے بڑھیا کو روکنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہے۔

بڑھیا چلچلاتی دوپہر میں ریگ زاروں کے سینوں کو چیرتے ہوئے انجام کی پرواہ کئے بغیر کشاں کشاں چلی جا رہی تھی، حقیقت تو یہ تھی کہ اسے خود بھی پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے اور جنگل میں اس ضعیفی میں زندگی کے بقیہ لمحات کیسے گزارے گی۔ اس کے سر پر ایک ایسا جنون سوار تھا کہ وہ اپنی منزل سے بے خبر چلی جا رہی تھی۔ چلتے چلتے اس کے پیر میں سوجن آجاتی ہے، مزید چلنے کی تاب نہیں رہی، پھر بھی وہ اپنی منزل کی جانب بڑھتی جا رہی تھی۔ مشکلات و تکالیف کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ کسی طرح بھی مکہ کی سرحد تک پہونچ گئی، جس وقت وہ سرحد عبور کر رہی تھی اس وقت یکایک اس کا سر بری طرح چکرایا اور وہ نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑی۔ تھوڑی دیر بعد معاً اس کی نگاہیں ایک شخص پر مرکوز ہو جاتی ہیں جو بدر منیر سے بھی زیادہ حسین و جمیل نظر آرہا تھا، جس کے جسم اقدس کی خوشبو سے پوری فضا معطر ہوئی جا رہی تھی، اس کے حسن لازوال سے بڑھیا کی نگاہیں خیرہ ہو رہی تھیں اور اس کی بھینی بھینی خوشبوؤں سے بڑھیا کو عجیب و غریب اور ناقابل بیان آسودگی مل رہی تھی۔ وہ شخص اس کی جانب بڑی تیزی کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔ بڑھیا مسلسل یہ سوچے جا رہی تھی کہ ہو نہ ہو یہ کوئی فرشتہ ہے، بھلا کوئی انسان بھی اتنا حسین و جمیل ہو سکتا ہے۔ اس کی معصومیت بتا رہی ہے کہ یہ زمین کا نہیں بلکہ آسمان کا نوری مکین ہے۔ بڑھیا کا دل خوشیوں سے لبریز ہو چکا تھا اور وہ مسلسل سوچے جا رہی تھی کہ لات وہبل سے اس کی پریشانیاں دیکھی نہیں گئیں، اس لئے انہوں نے ایک حسین پیکر کو میرے

لئے معین و مددگار بنا کر بھیج دیا ہے۔ جوں ہی بڑھیا کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا وہ شخص اس کے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا: دادی اماں! آپ بہت شکستہ نظر آرہی ہیں، آپ کی راہوں میں وہ کون سی رکاوٹیں حائل ہو چکی ہیں جس کی بنیاد پر آپ کے چہرے پر درد و کرب کے آثار نظر آرہے ہیں؟ بلا تکلف مجھے بتائیے، میں آپ کی ہر ممکن مدد کرنے کو تیار ہوں۔ اس شخص کی رس گھولتی ہوئی آواز بڑھیا کے کانوں سے کیا ٹکرائی اس کے دل کی دنیا میں ایک عظیم تبدیلی رونما ہو گئی۔ اس کے شرک و کفر متزلزل ہو گئے، مگر معاً اس کے سامنے اس کی انا حائل ہو جاتی ہے اور اس کے ضمیر کو ملامت کرتے ہوئے جھنجھوڑتی ہے کہ اے لات و عزیٰ کی پرستار! تجھے اپنے دین کی حفاظت میں کسی بھی شخص کی مدد نہیں لینی چاہئے، یہ تیری غیرت دینی کے منافی ہے۔ جب تو ایک طویل مسافت بذات خود طے کر چکی ہے تو پھر تھوڑی دور کے لئے کسی کے تعاون کا رہین منت ہونا تیری خودداری کے لئے ایک بڑا چیلنج ہوگا۔ فوراً اس کے رویہ میں تبدیلی آتی ہے اور وہ بڑے ہی تیکھے انداز میں بولتی ہے کہ اے شخص! تو اپنی راہ لے، مجھے تیری مدد کی کوئی ضرورت نہیں، میرے لئے لات و عزیٰ سے بڑھ کر کون مددگار ہو سکتا ہے۔ مگر وہ شخص تھا کہ پیہم کہتا جا رہا تھا کہ دادی اماں! اس عالم ضعیفی میں آپ کی پریشانیاں مجھ سے دیکھی نہیں جاتیں، مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کی بوری کو اپنے سر پر رکھ لوں اور آپ جہاں فرمائیں گی میں وہاں تک پہنچا دوں گا۔ آپ مجھ سے غیریت کا مظاہرہ کیوں کر رہی ہیں، شاید آپ کو نہیں معلوم کہ نادار و ناتواں کی خدمت کرنے میں مجھے کس قدر لطف ملتا ہے۔ اس شخص نے یہ ساری باتیں اس قدر معصومیت سے کہہ ڈالیں کہ بڑھیا کا دل پسیج گیا اور کہنے لگی: ہاں میں تمہاری مدد لینے کو تیار ہوں۔ اتنا سنتے ہی اس شخص کے دل کی باچھیں کھل اٹھیں، اس کے چہرے پہ سرور و کیف کی قندیلیں روشن ہو گئیں۔ فوراً بڑھیا کی بھاری بھرکم بوری اپنے سر پر اٹھایا اور رواں دواں ہو گیا۔ راستہ بھر بڑھیا اپنی منزل کی نشان دہی کرتی رہی، بالآخر منزل آ ہی گئی، منزل کیا تھی ایک پر دہشت و گنجان بے آب و گیاہ صحرا تھا، بڑھیا نے بڑے انکسار آمیز لہجے میں کہا: بس یہیں میری بوری اتار دو، اب یہاں کسی کی آواز میرے کانوں سے نہیں ٹکرائے گی۔ جانے وہ اپنے تئیں کیا کیا بڑبڑاتے جا رہی تھی۔ اب وہ شخص بڑھیا سے کہنے لگا: اچھا! اب مجھے اجازت دیجئے، میں چلوں۔ بڑھیا نے کہا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تم اپنی محنتوں کا معاوضہ لئے بغیر چلے جاؤ، یہ رہا تمہاری کاوشوں کا ثمرہ۔ اس شخص نے کہا معاف کیجئے گا، میں اپنی محنتوں کا معاوضہ نہیں لیتا، میں نے کوئی محنت کی ہے اور نہ کوئی احسان کیا ہے، یہ تو میرا فرض تھا جسے میں نے نبھایا اور میں پہلے بتا چکا ہوں کہ مجھے بے کس و بے بس کی مدد کرنے میں بڑی خوشی ہوتی ہے۔ اچھا تو میں اب چلتا ہوں، پھر کبھی کوئی ضرورت پیش آئے تو مجھے یاد کر لیجئے گا۔ بڑھیا اس حسین پیکر کی اخلاقی قدروں کو دیکھ کر بے پناہ متأثر ہوئی اور بے تابانہ انداز میں کہنے لگی کہ اتنی جلدی بھی کیا ہے، تھوڑی دیر اور بیٹھو، تمہاری باتیں سن کر ذہن و دماغ کو بڑا سکون ملتا ہے۔ اس شخص نے کہا میں کچھ دیر اور بیٹھتا، مگر میرے سر پر دوسری اہم ذمہ داریاں ہیں۔ اچھا میں اب چلتا ہوں۔ بڑھیا نے کہا بیٹے! لات و عزیٰ کی قسم! اب تم سے جدا ہونے کو جی نہیں چاہتا، اگر تم اس قدر مصر ہو تو جاؤ، مگر اس سے پہلے ذرا تم اپنا نام بتاتے ہوئے جاؤ۔

اس شخص کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور کہا: دادی اماں! کاش آپ نے میرا نام نہ پوچھا ہوتا۔ بڑھیا نے کہا: آخر کیوں؟ اس میں کون سی قباحت ہے؟ ارے تمہاری آنکھوں میں آنسو! اگر تم کو میری کسی بات سے تکلیف ہوئی ہے تو میں معذرت خواہ ہوں، مگر ذرا اپنا نام تو بتا دو۔ اس شخص نے کہا کہ اگر آپ اس قدر اصرار کر رہی ہیں تو جگر تھام کر سنئے۔ میں وہی ''محمد'' ہوں کہ جس کی خاطر آپ ڈھیر ساری مصیبتوں سے دوچار ہوئیں، اس ضعیفی اور نقاہت کے عالم میں پریشانیوں کا بار اٹھایا، حتیٰ کہ اپنے وطن عزیز مکہ کو خیر باد کہا۔

اتنا سنتے ہی بڑھیا بے ساختہ پکار اٹھی: ارے تم ہی محمد ہو، اگر تم اتنے اچھے ہو تو تمہارا دین کتنا اچھا ہوگا۔ اب تک ابوجہل و ابولہب جیسے کمینوں نے تمہارے خلاف میرے اندر بدگمانیاں بھر دی تھیں، نہ جانے کیسی کیسی نازیبا باتیں کہی تھیں، مگر تم تو بالکل برعکس نکلے۔ اب میں اپنے کفر و شرک کی گردن مروڑ کر لات و عزیٰ کی پرستش سے تائب ہوتی ہوں۔ تمہاری غلامی کا طوق میں گلے میں ڈال کر بصد ناز پڑھتی ہوں کلمہ طیبہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ''

☆☆☆

روحانی انقلاب کا داعی

شخصیات

مولانا کوثر امام قادری

حضور سیدنا خواجہ غریب نواز کا ہندوستان ایک جزیرہ نما کثیر آبادیوں والا ملک ہے، جس کے مغرب میں بحر عرب، جنوب میں بحر ہند، مشرق میں خلیج بنگال، شمال میں کوہ ہمالہ وقراقرم اور شمال مغرب میں سندھ کے مغربی جانب پہاڑیاں واقع ہیں۔

قدرت الٰہیہ نے اس ملک کو بڑی فیاضی وصفت گری کے ساتھ آراستہ کیا ہے۔ زرخیز زمین، معتدل آب وہوا، سردی وگرمی اور برسات میں اعتدال، پیڑ پودے، دریا، ندی، نالے، جھرنے، چشمے، پہاڑیاں، خشکی، تری، تالاب، معدنی ذخائر، سب کچھ ملک کے حسن میں اضافہ کرتے ہیں اور باشندگان ملک کی ضرورتوں کی کفالت (تاریخی منظر نامہ)

بایں سبب یہ ملک دوسروں کے لئے ہمیشہ باعث رشک و توجہ بنا رہا، اور بہت ساری غیر ملکی قومیں مال ودولت اور حکومت کے لالچ میں وارد ہند ہوئیں۔

چنانچہ (۱۵۰۰ رسوسال قبل مسیح نہیں بلکہ اور پہلے) آریہ قوم کے بعض قبائل جو ''ارل جھیل'' کے پاس تھے، وہاں سے آہستہ آہستہ پہاڑی دروں سے گزر کر سندھ میں پہونچے پھر اصلی باشندوں سے جنگ کر کے پنجاب پر قابض ہو گئے۔

ان کے بعد ان کے دوسرے قبیلے بھی آگئے اور طاقت بڑھ گئی تو گنگا کی زرخیز وادیوں پر بھی قبضہ کرلیا اور رفتہ رفتہ بنگال، اور ترہت میں بھی پھیل گئے اور اس ملک کا نام ''آریہ ورت'' رکھا۔ (ملخصاً ص ۱ر۱)

ان کے زیر حکمرانی یہ ملک متعدد ریاستوں میں منقسم تھا مثلا (۱) سندھ بشمول پنجاب (۲) اودھ (۳) مغربی بہار (۴) مشرقی بہار (۵) بنگال (۶) آسام (۷) ہمالیہ سے متصل ریاستیں (۸) مشرقی راجپوتانہ (۹) ناگ پور (۱۰) گجرات بشمول کاٹھیاواڑ۔ ان کے علاوہ دکن میں دراوڑوں کی سلطنتیں موجود تھیں،، (ملخصاً ۲۰)

آریوں کے بعد منگولین شمال مشرق سے ہند میں وارد ہوئے اور آسام، مشرقی بنگال، بھوٹان، نیپال میں یہ لوگ آباد ہو گئے۔

چوتھی صدی عیسوی میں سفید ھین اور گوجر شمال ہند کے دروں سے بکثرت ہندوستان میں داخل ہوئے، سندھ، پنجاب، راجپوتانہ اور گجرات ہو کر دکن تک پہونچے اور اپنی بڑی بڑی سلطنتیں

استاذ دار العلوم قدوسیہ، پرسونی بازار، مہراج گنج۔ موبائل: 9838086342

قائم کرلیں، پھر گنگا کی وادیوں پر قبضہ کر کے آسام تک پہونچ گئے۔

''سکندر شمالی یونان یعنی مقدونیہ کا بادشاہ تھا اس نے ایران فتح کرنے کے بعد ۳۲۶ قبل مسیح میں ہندوستان پر حملہ کیا اور متعدد ریاستیں اسکے قبضے میں آگئیں پھر واپس لوٹا اور ۳۲۳ قبل مسیح میں بابل پہنچ کر مرا، ملخصاً (مختصر تاریخ ہند) سکندر کے ہندوستان سے واپس لوٹتے ہی حالات بدلنے لگے۔ اقتدار کے حرص نے زور آوروں کو ابھارا، چھوٹی چھوٹی ریاستیں وسلطنتیں معرض وجود میں آنے لگیں، وسعت مملکت کی خواہش بڑھیں فتنے پیدا ہوئے، تلواریں انسانی خون چاٹنے لگیں، اور نہ تھمنے والا شر وفساد کا سیلاب امنڈ پڑا، حکمراں قتل ہوتے رہے، زمام حکومت ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہونے لگی راجاؤں کے آپس میں مسلسل برسر پیکار ہونے کے سبب عوامی زندگی کا متاثر ہونا ایک لازمی چیز تھی جبکہ عوامی ماحول میں زندگی گزار رہے ہوتے شر پسند عناصر نے غریبوں، کمزوروں، مسافروں اور تاجروں کی زندگی کو بھی اجیرن بنادیا تھا ڈاکہ زنی کی وارداتیں، لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم تھا اور ہر طرف بے اطمینانی تھی۔

دوسری طرف عرب کی سرزمین پر اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا اسلامی حکومت کے مؤسس اول یعنی اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے جنکا مقصد بعثت ہی یہ تھا کہ دنیا سے فتنہ وفساد ختم ہو، امن وامان کا ماحول پیدا ہو، لوگوں کو تزکیۂ نفس وتطہیر باطن کی دولت ملے اور بلند اخلاق وکردار پروان چڑھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرمانے کے بعد آپ کے جانشینوں نے اسے اولین ترجیحات کی شکل میں برقرار رکھا، اور پوری دنیا میں تعلیمات محمدی کی اشاعت وفروغ کی تحریک چلائی، جہاں سے بھی فتنے اٹھنے کی خبر ملی اسلامی حکومت نے اسے مٹانے کی کوشش کی،

آمد صحابہ:

یوں تو بہت پہلے سے عرب ہندوستان کے ماحول، آب وہوا، دولت وثروت سے آگاہ تھے کیونکہ یہ ملک ہمیشہ سے اقوام عالم کی نگاہوں میں تجارت کا مرکز رہا، تجارتی مال کشتیوں کے ذریعہ یمن جاتا، وہاں سے شام اور شام سے بحر روم ہوکر مصر اور یورپ میں فروخت ہوتا تھا۔

تجارتی ضرورتوں کے سبب لوگوں کی آمد ورفت جاری رہتی تھی اس طرح تاجروں کی مدد سے اسلام کی ہلکی ہلکی روشنی ارض ہند تک پہنچنے لگی تھی۔ لیکن جب زبان نبوت سے حسب ذیل کلمات صادر ہوئے تو مسلمانوں کی توجہ اس ملک کی جانب خصوصیت کے ساتھ مرتکز ہوئی۔

حدیث شریف:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصبتان من امتی احرزھما اللہ من النار عصابۃ تغزو الھند وعصابۃ تکون مع عیسی بن مریم علیھما السلام (سنن نسائی باب غزوۃ الھند) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کے دو گروہوں کو اللہ نے جہنم سے آزاد فرمادیا ایک وہ گروہ جو ہند میں جہاد کریگا۔ دوسرا وہ گروہ جو عیسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دے گا۔

عہد فاروقی سے اس ملک کی طرف خصوصی توجہ دی جانے لگی، اصلاح مفاسد کی غرض سے متعدد صحابہ وتابعین نے ہندوستان کا رخ کیا اور اپنے شرف قدوم میمنت لزوم سے ارض ہند کو مشرف کیا۔ یہاں ان متبرک ہستیوں کے اسماء پیش کیے جاتے ہیں، جنہوں نے مختلف ادوار میں عموماً برصغیر اور خصوصاً علاقۂ سندھ کو اپنے وجود مسعود سے مشرف کیا۔ (۱) حضرت عثمان بن ابوالعاص ثقفی (۲) حضرت حکم بن ابوالعاص ثقفی (۳) حضرت مغیرہ بن ابوالعاص ثقفی (۴) حضرت ربیع بن زیاد حارثی مزحجی (۵) حضرت حکم بن عمر وثغلبی غفاری (۶) حضرت سہل بن عدی خزرجی (۷) حضرت شہاب بن مخارق بن شہاب تمیمی (۸) حضرت صحار بن عباس عبدی (۹) حضرت عاصم بن عمرو تمیمی (۱۰) حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعی (۱۱) حضرت نسیر بن دیسم بن ثور عجلی (۱۲) حضرت حکیم بن جبلہ عبدی (۱۳) حضرت عبداللہ بن معمر تیمی (۱۴) حضرت عمیر بن عثمان بن سعد (۱۵) حضرت مجاشع بن مسعود سلمی (۱۶) حضرت عبدالرحمن بن سمرۃ (۱۷) حضرت خریت بن راشد ناجی سامی (۱۸) حضرت عبداللہ بن سوید تمیمی (۱۹) حضرت کلیب ابووائل (۲۰) حضرت مہلب بن ابوصفرہ ازدی عتکی (۲۱) حضرت عبداللہ بن سوار عبدی (۲۲) حضرت یاسر بن سوار عبدی (۲۳) حضرت

سنان بن سلمہ ہزلی (۲۴) حضرت منذر جارود عبدی

ان کے علاوہ تابعین وتبع تابعین کی ایک لمبی فہرست ہے جنھوں نے ہندوستان میں قدم رنجا فرمایا، صحابہ کرام وتابعین عظام اسلامی حکومت کی طرف سے فوج کی شکل میں آئے اور کفرستان ہند میں اصلاح کی سعی فرمائی، انکی تہذیب وتمدن، سیرت وکردار اور فوجی قوت، عسکری صلاحیت اور کامیاب جنگوں نے کفار ومشرکین کو سرنگوں کیا، متعدد چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستیں قائم ہوئیں، جن پر اصل حکمرانی تو مرکز کی تھی مگر قیام نظم ونسق کیلئے مرکز کی جانب سے نگراں کی تقرری ہوتی تھی۔

تاریخ پلٹتی ہے:

جب بنو امیہ کی حکومت قائم ہوئی تو عراق، ایران اور ترکستان کا نائب (واسرائے) قبیلہ ثقیف کا ایک مشہور سردار اور سپہ سالار حجاج بن یوسف ثقفی مقرر ہوا۔

اس زمانے میں سندھی ڈاکوؤں نے مسلمانو کے بحری جہاز پر ڈاکہ ڈالا، مال واسباب لوٹ لئے، اور مسلمان عورتوں کو بندی بنالیا، اس پر حجاج بن یوسف نے سندھ پر حملہ کیلئے ستائس سال کے جواں مرد مجاہد محمد بن قاسم کی قیادت میں فوج روانہ کی، محمد بن قاسم اور سندھی راجاؤں میں کئی لڑائیاں ہوئیں اور بالا آخر مسلمانوں کے قبضے میں سندھ کی حکومت آگئی، یہ واقعہ ۹۳ھ/مطابق ۷۱۱ء/میں ولید بن عبد الملک کے دور خلافت کا ہے۔

تین سال کے اندر اندر کشمیر کی وادیوں سے "کچھ" تک اور بحر عرب سے مالوہ، راجپوتانہ، مارواڑ اور دریائے رومی کے کنارے تک فتح کرکے بحسب حکم حجاج ثقفی سندھ کا والی مقرر ہوا۔

۹۶ھ/۷۱۴ء/میں محمد بن قاسم کو معزول کردیا گیا اور ان کے بعد متعدد افراد والی ہوتے رہے ۱۰۷ھ/۷۲۵ء/میں جنید نامی شخص والی ہوا۔ اس نے مارواڑ، مانڈل، دھنج، اور بھروچ، کا رخ کیا۔ اس کے افسر حبیب نے اجین، بہریمد، بھیلمان، چنپائت وغیرہ پہ حملہ کیا۔

جنید کے بعد تمیم، حکم بن عوانہ کلبی، عمر بن محمد قاسم، یزید عرار نے منصب ولایت سنبھالا اور یہ سلسلہ محمود غزنوی تک جاری رہا اسی درمیان متعدد علاقوں پر حملے ہوئے، یمنی وحجازی تعصب نے سر اٹھایا، اسماعیلی شیعوں نے علم بغاوت بلند کیا اور فتنوں کا طوفان کھڑا ہوگیا اور ۳۶۸ھ/۹۷۷ء میں شیعوں کا سندھ پر قبضہ ہوگیا۔ ۳۶۷ھ میں سلطان ناصر الدین سبکتگین کی حکومت غزنی وافغانستان میں قائم ہوئی تو بادشاہ کی شوکت کو ختم کرنے کے لئے راجہ جے پال نے ۳۷۴ھ/۹۸۴ء میں غزنی پر حملہ کیا راجہ ناکام ہوا لیکن مسلمانوں کو حملے کے لئے جواز فراہم کردیا۔

ناصر الدین کے انتقال کے بعد ۳۸۸ھ ۹۹۸ء میں سلطان محمود غزنوی تخت نشین ہوئے تو ان کے زمانے میں بھی راجہ جے پال ۳۹۲ھ میں لشکر عظیم لیکر سلطنت غزنہ پر حملہ کے لئے پشاور تک چلا گیا محمود غزنوی نے مقابلہ کیا اور اسے گرفتار کرکے غزنی لایا پھر معاف کردیا اس طرح اس کے بیٹے نے بھی شرارت کی تو پے در پے حملوں کے سبب سلطان محمود غزنوی نے باقاعدہ سترہ حملے کئے لاہور، کشمیر، قنوج، کالنجر، کوہ بالا ناتھ، گوالیار، گجرات پر فتح وکامرانی کے جھنڈے نصب کئے۔

۴۲۱ھ میں سلطان محمود کا انتقال ہوا تو ان کی اولاد منصب حکومت پر فائز ہوئی جنکی مدت حکومت اس طرح ہے۔

(۱) سلطان محمود	۳۸۷ھ	سے	۴۲۱ھ	تک۔
(۲) سلطان مسعود	۴۲۱ھ	سے	۴۳۲ھ	تک۔
(۳) 〃 مودود	۴۳۲ھ	سے	۴۴۱ھ	تک۔
(۴) 〃 علی بن مسعود	۴۴۱ھ	سے	۴۴۲ھ	تک۔
(۵) 〃 فرخ زاد	۴۴۲ھ	سے	۴۵۰ھ	تک۔
(۶) 〃 ابراہیم	۴۵۰ھ	سے	۴۹۲ھ	تک۔
(۷) 〃 مسعود ثانی	۴۹۲ھ	سے	۵۰۸ھ	تک۔
(۸) 〃 ارسلان	۵۰۹ھ	سے	۵۱۲ھ	تک۔
(۹) 〃 بہرام	۵۱۲ھ	سے	۵۴۰ھ	تک۔
(۱۰) 〃 خسرو	۵۴۰ھ	سے	۵۵۵ھ	تک۔
(۱۱) 〃 خسرو ملک	۵۵۵ھ	سے	۵۸۲ھ	تک۔

بہرام شاہ کے زمانے میں غوریوں کا طوفان آیا، انہوں نے غزنی پہ قبضہ کیا، پھر ان کا شہنشاہ جسکا نام شہاب الدین غوری ہے نے ہندوستان پر ۵۸۸ھ/۱۱۹۳ء میں چڑھائی کی، پھر دہلی، اجمیر کے

راجوں کو مغلوب کر کے گنگا کے ساحل سے پشاور تک اسلامی حکومت قائم کر لی۔ مسلمانوں نے اپنے زمانہ اقتدار میں عظیم پیمانہ پر رفاحی، سماجی، مذہبی، معاشرتی کارنامے انجام دئے، مساجد کی تعمیر، مذہبی دانش گاہیں، علمی مراکز کے قیام کے ساتھ رواداری، اخوت ومساوات بھائی چارہ، عدل وانصاف کو پروان چڑھایا، ظلم ودہشت، شروفساد کی روک تھام کے لیے انسدادی تدابیر بروئے کار لائے، رعایہ کی ضرورتوں کا خاص خیال رکھا، حکومت میں ہندو قوم کو نمائندگی دی، اچھے عہدوں پر فائز کیا۔ دین کے معاملے میں کسی طرح بھی تشدد نہیں برتا، پوری تاریخ ہندیہ بتانے سے قاصر ہے کہ کسی بادشاہ نے زبردستی کسی کو حلقہ بگوش اسلام کیا ہو۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو آج پورے ہندوستان (بشمول پاکستان) میں ایک بھی غیر مسلم نظر نہ آتا۔ انہوں نے صرف اسلامی تعلیمات کی تبلیغ کی اور جتنا ان سے ہوسکا تعلیمات نبویہ کو عملی جامہ پہنایا۔

حملے کا ردعمل:

ہم دیکھتے ہیں کہ عرب میں جب اسلامی انقلاب رونما ہوا تو سوسال کا زمانہ بھی نہ گزرا کہ پورا جزیرۂ عرب اسلام کے دامن میں آگیا۔ یہودی، عیسائی، مجوسی، اہل کتاب، بت پرست ہر طبقے کے لوگ شجرۂ دین محمدی کے سائے تلے جمع ہو گئے۔ لیکن ہندوستان میں تقریباً چار سوسال تک مسلمان فاتحین وجماعات مسلمین کی آمد ورفت وحکومت وسلطنت رہی، پھر بھی وہ انقلاب نہ آسکا، جسکی ضرورت تھی، آخر ایسا کیوں ہوا؟

عرب میں جو تبلیغ کے اصول تھے وہ یہاں بالکل الٹ گئے، وہاں سب سے پہلے اخلاق وکردار کا ظہور ہوا تھا، یہاں تلوار وجہاد کا ظہور ہوا، وہاں اول مرحلے میں صبر وتحمل، بردباری سے قوم متعارف ہوئی، یہاں حجاج ویمن، ایران وعراق اورافغانستان سے جو بھی مسلمانوں کی جماعت آرہی ہے فتنہ وفساد کو بزور شمشیر دبانے ومٹانے کے غرض سے آرہی ہے۔

بایں سبب لشکر جرار کے قدموں کی دھمک، شمشیر وسنان کی سنسناہٹ، گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز، کشت وخون کی گرم بازاری، شجاعت وبہادری کا طوفان ضرب وحرب کی گونج، لڑاکو افراد کی گرجدار صدائیں، فتح وشکست پر شہنائی وماتم، قید وبند اور گرفتاریاں، سزا اور جزا، پکڑ دھکڑ اور انتقام کے بوجھل تصورات نے باشندگان ہند کوایسا متاثر کیا کہ وہ عمومی طور پر مذہب اسلام کے تئیں سنجیدہ نہ ہو سکے، مسلمان بادشاہوں کے پے در پے حملوں نے اسلام اور ہندو قوم کے درمیان ایک ایسا پردہ حائل کر دیا جس کے سبب اسلام کے جوہر اخلاق کو سمجھنا، سیرت محمدی کے حسین و پرکشش جلوؤں سے آگاہی تقریباً ناممکن سی ہوگئی۔

اگرچہ بعض لوگوں نے شاہان مملکت کی عام روش سے ہٹ کر صرف تعلیمات محمدی واخلاق نبوی کو سامنے رکھتے ہوئے دین کی نشر واشاعت کا کام کیا، لیکن ان کا دائرۂ عمل مخصوص خطوں ہی تک محدود ہو کر رہ گیا تھا اور ان کی تحریک ملکی تحریک نہ بن سکی، جبکہ عام باشندے مسلمانوں سے وحشت زدہ تھے اور مذہب اسلام کے بارے میں کچھ بھی سننے کو تیار نہ تھے۔ (ابوریحان البیرونی کی رپورٹ)

محمد بن قاسم، محمود غزنوی، شہاب الدین غوری کے حملوں کے بعد احوال وکوائف کا جائزہ لینے کے لیے ابواحمد البیرونی (متوفی ۴۴۰ھ/۱۰۴۸ء) ہندوستان آئے، یہاں پندرہ سال قیام کیا، مخصوص زبان سنسکرت سیکھی، پھر معلومات فراہم کرنا شروع کیا، یہاں کے لوگ مسلمانوں کے تعلق سے کس قسم کا خیال رکھتے تھے اسے اپنی قیمتی کتاب "تحقیق ما للھند" میں قلم بند فرمایا۔

البیرونی کہتے ہیں:

"محمد بن قاسم کی فتوحات کے باعث ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان عداوت اور بڑھ گئی، ہندو اپنی نسلی، علمی اور سیاسی برتری کے گھمنڈ میں اس طرح مبتلا ہیں کہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے، اگر ان کو بتایا جائے کہ فلاں ملک میں فلاں، فلاں بہت بڑے عالم ہیں تو وہ ایسا کہنے والوں کو جھٹلاتے ہیں اور یہ بات تسلیم کرنے کے لیے کسی قیمت پر آمادہ نہیں ہوتے کہ ان کے علاوہ بھی دنیا میں کوئی شخص صاحب علم ودانش ہوسکتا ہے" (ملخصاً تحقیق ماللھند ۱۹،۲۰)

ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ کرنا مشکل ترین مسئلہ تھا جس کا

ذکر کرتے ہیں:

”ہمارے اور اہل ہند کے درمیان بڑے پردے حائل ہیں، ایک بڑی رکاوٹ ان کی زبان ہے جو ہماری زبان سے حروف تہجی اور تلفظ میں کوئی مناسبت نہیں رکھتی، اس کی کتابت بائیں سے دائیں طرف ہوتی ہے جبکہ ہماری زبان کی تحریر اس کے برعکس ہے، اس رکاوٹ کو عبور کرنا ہر شخص کے دل، گردے کا کام نہیں۔

دوسری بڑی رکاوٹ ان کا مذہب ہے، ان کا مذہب ہمارے مذہب سے اصولاً فروعاً مختلف ومتضاد ہے۔

تیسری بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ وہ اپنے علاوہ سب کو ملیچھ (ناپاک) سمجھتے ہیں، کسی غیر کے ساتھ مباحثہ، مناظرہ اور تبادلۂ خیال تک ان کے نزدیک ناجائز ہے، باہمی نکاح، نشست و برخواست اور خورد ونوش کو بھی حرام قرار دے دیا گیا ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی اجنبی ان کا مذہب قبول کرنا چاہے تو اس کو بھی اپنے مذہب میں داخل نہیں کرتے۔“

(مرجع سابق، ص ۱۵-۱۴)

پیش نظر مضمون کا پہلا حصہ اگر چہ اکتا دینے والی خشک بحث پر مشتمل ہے، لیکن اسے صرف اس لیے سپرد قلم کیا اور آپ کو زحمت مطالعہ دی تا کہ یہ سمجھنا آسان ہو جائے کہ سلطان الہند سیدنا سرکار خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دم قدم سے ہندوستان میں جو روحانی انقلاب پیدا ہوا، قدیم تہذیب وتمدن میں جو جدت وندرت کی فضا پیدا ہوئی، اخلاق باختگی کو خوش اخلاقی کا پیراہن نصیب ہوا، فکری آوارگی اور افکار پریشاں میں جو مرکزی شعور وادراک کی دریافت کا مزاج پیدا ہوا اور تھوڑی مدت میں وہ تمام کچھ ظہور پذیر ہوئے جس کے لیے سیکڑوں افراد نے جد وجہد کر کے اس دنیا سے رخت سفر باندھ لیا تھا، اس کے پیچھے کون سے اسباب محرک اصلی کی شکل میں کارفرما تھے۔

اس کو جاننے کے لیے ہمیں حضور سیدنا خواجہ غریب نواز کی آمد سے پہلے اور بعد کے حالات پر سرسری نظر ڈالنا ضروری تھا تا کہ عیاں ہو سکے کہ جو کام شاہانِ مملکت نہ کر سکے وہ ایک مرد فقیر اور درویش صحرا نے کیوں کر انجام دیا۔

اب ہم مختصراً حضور سیدنا خواجہ غریب نواز کا سوانحی خاکہ پیش کرنا چاہیں گے:

اسم گرامی : معین الدین حسن

لقب : عطائے رسول سلطان الہند، غریب نواز، خواجہ اجمیر، خواجۂ خواجگان وغیرہ

والد گرامی : خواجہ غیاث الدین حسن

والدہ ماجدہ : ام الورع بی بی ماہ نور

تاریخ ولادت : ۵۳۴ھ

تاریخ وصال : ۶؍رجب المرجب ۶۳۳ھ بروز دوشنبہ

ولادت باسعادت:

حضور سیدنا خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت پر سعادت ۵۳۴ھ میں بمقام سجستان ہوئی، یہ وہی سجستان ہے جہاں مشہور زمانہ حافظ حدیث صاحب سنن حضرت امام ابوداؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے، عرف عام میں سجستان کے باشندوں کو سجستانی یا سنجری کہا جاتا ہے، اسی لیے خواجہ غریب نواز کو بھی سنجری کہتے ہیں۔

نشاندہی:

بعض لوگ حضور خواجہ غریب نواز کے نام کے ساتھ سنجری لگاتے اور بولتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ حضرت قصبۂ سنجر میں پیدا ہوئے تھے، جب کہ واقعہ یہ نہیں ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

سنجری بکسر سین وسکون جیم وکسر رائے معجمہ نسبت بسیستان، سیستان را بزبان عربی سجستان وسنجر گویند وایں تعریب است وبدال سین بزا از تغیرات تعریب است۔ (الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۸۸)

سنجری سین کے کسرہ اور جیم کے سکون اور رائے معجمہ کے کسر کے ساتھ سیستان کی طرف نسبت ہے، سیستان کو عربی زبان میں سجستان اور سنجر کہتے ہیں اور یہ تعریب ہے اور سین کا زا سے بدلنا تعریب کے تغیرات سے ہے۔

پروفیسر نثار احمد فاروقی نے لکھا:

''حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وطن سیستان تھا، سنجری آپ کا وطنی لقب ہے، مگر عام طور سے سجزی (سجز بروزن خنجر) کہا جاتا ہے۔

قدیم فارسی میں سگ محافظ یا سپاہی کو کہتے ہیں، کتے کو اس کی صفت کے اعتبار سے سگ کہنے لگے کہ وہ بھی چوکیداری کرتا ہے، سکستان مشرقی ایران کا علاقہ ہے، گ کی آواز جیم سے بدلی تو یہ سجستان ہو گیا، اب اگر سکستان سے نسبت کریں تو سگ سگزی کہتے ہیں اور سجستان سے نسبت کی جائے تو سنجری (سین پر زبر) کہا جائے گا۔ جیم کی آواز ''ی'' سے بھی بدل جاتی ہے، اس لیے اس کو سیستان بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی نسبت بھی سنجری ہی ہوگی۔'' (سہ ماہی مخدوم، جلد ۳، ص ۵۵)

سلسلۂ نسب:

حضرت خواجہ نجیب الطرفین سید ہیں، یعنی والد گرامی اور والدہ ماجدہ دونوں طرف سے حسنی و حسینی ہیں، والد کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملتا ہے، جب کہ والدہ کی جانب سے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

نسب پدری:

خواجہ غریب نواز بن خواجہ غیاث الدین بن سید کمال الدین بن سید احمد حسین بن سید طاہر بن سید عبدالعزیز بن سید ابراہیم بن سید محمد مہدی بن امام حسن عسکری بن امام نقی بن امام تقی بن امام موسیٰ رضا بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن امام حسین بن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

نسب مادری:

خواجہ غریب نواز بن بی بی ماہ نور ام الورع بنت سید داؤد بن عبداللہ بن اسماعیل بن سید زاہد بن سید مورث بن سید داؤد بن سید موسیٰ بن سید عبداللہ غنی بن سید حسن مثنیٰ بن امام حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

فروغِ زندگی:

سرکار غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت سجستان میں اور نشو و نما خراسان میں ہوئی آپ کے والد گرامی خواجہ غیاث الدین حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تقویٰ شعار، زہد و ورع، صاحب فضل و کمال، علم ظاہر و باطن کے سنگم تھے، علاقۂ سجستان کی بد نظمی اور تباہی کے سبب آپ نے وطن اصلی سے ہجرت کر کے خراسان میں مستقل اقامت اختیار کر لی اور یہیں اپنے فرزند ارجمند کی پرورش و پرداخت کی۔

حضرت خواجہ نے اپنے والد گرامی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی، ۹ رسال کی عمر میں تکمیل حفظ قرآن فرمایا، پھر خراسان کے علما و مشائخ سے تفسیر، حدیث، فقہ کی تعلیم حاصل کی، خداداد قوت حافظہ، غیر معمولی فہم و ادراک کے سبب تھوڑی مدت میں علم و حکمت کے جبل شامخ بن گئے۔

جب آپ کی عمر ۱۵ رسال ہوئی تو والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ترکہ پدری میں ایک باغ اور ایک پن چکی ملی، جسے آپ ذریعۂ معاش کے طور پر استعمال کرنے لگے۔

ایک دن باغ میں آپ آب پاشی کر رہے تھے کہ ایک مشہور مجذوب حضرت ابراہیم قندوزی کی آمد ہوئی، چوں کہ آپ کو درویشوں، فقیروں، صلحا، علما، زہاد سے عقیدت فراواں تھی، لہٰذا ان کے قریب ہوئے، جو ہو سکا ان کی خدمت کی، اس مرد خدا نے اپنی گدڑی سے کھلی کا ایک ٹکڑا نکال کر پہلے چبایا، پھر آپ کے منہ میں ڈال دیا، وہ کھلی کے ٹکڑے حلق کے نیچے کیا اترے کہ پوری زندگی سنور گئی، قلب و روح میں روشنی پیدا ہو گئی، دل کی دنیا میں انقلاب برپا ہو گیا، طلب حق کا جذبۂ صادقہ پیدا ہوا، باغ اور پن چکی سب کچھ فروخت کر کے میدانِ جستجو میں اترے، وطن چھوڑا اور مرشد کامل کی تلاش میں گھر سے نکل پڑے۔

تلاش بسیار کے بعد مرشد ربانی، واقف رموز ہدایت، منبع علم و عرفان، جامع فیضان و ایقان حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی، حضرت شیخ نے جام معرفت سے سیراب کیا اور داخل حلقۂ بیعت و ارادت کر لیا۔ آپ اپنے مرشد کے ساتھ تقریباً ۲۰ رسال تک سایہ کی طرح چمٹے رہے۔

منصب خلافت:

جب روحانیت اور حقیقت و معرفت کے تمام دشوار ترین مراحل طئے ہو گئے تو ۵۸۲ھ موافق ۱۱۸۶ء میں بغداد معلّٰی کی مبارک

سرزمین پر حضور قطب ربانی حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے آپ کو خرقۂ خلافت و جانشینی سے سرفراز فرماتے ہوئے ارشاد فرمائے، جسے غریب نواز نے یوں بیان کیا ہے:

''اے معین الدین! میں نے یہ سب کام تیری تکمیل کے لیے کیا ہے، تجھ کو اس پر عمل کرنا لازم ہے، فرزند خلف وہی ہے جو اپنے ہوش گوش میں اپنے پیر کے ارشاد کو جگہ دے، اپنے شجرہ میں ان کو لکھے اور انجام کو پہنچائے تاکہ کل قیامت کے دن شرمندگی نہ ہو۔

اس ارشاد کے بعد عصائے مبارک جو مرشد کے سامنے رکھا تھا، دعا گو کو عطا فرمایا، بعد ازاں خرقہ، نعلین، چوبین (کھڑاؤں)، اور مصلیٰ بھی عنایت فرما کر سرفراز کیا، پھر ارشاد فرمایا:

یہ تبرکات ہمارے پیر طریقت کی یادگار ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہم تک پہنچے ہیں اور ہم نے تجھے دئے ہیں، اس کو اس طرح اپنے پاس رکھنا جس طرح ہم نے رکھا ہے، جس کو مرد پانا اسی کو ہماری یہ یادگار دینا، خلق سے طمع نہ رکھنا، آبادی سے دور، مخلوق سے کنارہ کش رہنا اور کسی سے کچھ طلب نہ کرنا'' (انیس الارواح: ۳۵-۳۴)

بغداد سے مدینہ تک:

غریب نواز اپنے پیر و مرشد سے رخصت ہو کر دوسرے مشائخ کی بارگاہوں کی طرف نکلے، بغداد شریف سے ہمدان، تبریز، اصفہان اور دیگر مقامات کا سیر کرتے ہوئے ۵۸۳ھ / موافق ۱۱۸۷ء مکہ مکرمہ حاضر ہوئے کئی دن قیام کیا، طواف کعبہ کی، عبادت و ریاضت اور اعتکاف کرتے رہے اور خوب خوب فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے، بعد ازاں مدینہ منورہ حاضر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے وہاں آپ کو یہ مژدہ جاں نواز ملا۔ اے معین الدین!'' تو میرے دین کا معین ہے میں نے تجھے ہندوستان کی ولایت عطا کی، وہاں کفر وظلمت پھیلی ہوئی ہے تو اجمیر جا تیرے وجود سے ظلمت کفر دور ہوگی اور اسلام رونق پزیر ہوگا'' (سیر الاقطاب ص ۱۲۴:

آمد اجمیر:

سرکار مدینہ کی طرف سے بشارت عظمیٰ ملنے کے بعد خدمت دین متین کے جذبات سے سرشار ہو کر نمدیدہ آنکھوں سے روضۂ اطہر کی جالیوں کو بوسہ دیا اور ہندوستان کی جانب رخت سفر باندھا۔ سب سے پہلے بغداد آئے، بغداد سے ۵۸۶ھ/ موافق ۱۱۹۰ء میں بقصد اجمیر چلے دوران سفر چشت، خرقان، جہنہ، کرمان، استرآباد، تبریز، اصفہان، ہرات، سبزہ وار، بلخ، سمرقند، ہوتے ہوئے لاہور آئے وہاں شیخ المشائخ حضرت ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری کے مزار پرانوار پر حاضری دی، اعتکاف کیا، اور روحانی فیوض سے مالا مال ہو کر دہلی کی طرف چلے بعدہ ۵۸۷ھ/ موافق ۱۱۹۱ء میں وارد اجمیر ہوئے۔

وجہ تسمیہ:

ہندوستان کے تمام مغربی خطہ راجپوتانہ میں ایک قدیم شہر اجمیر جو سر بفلک پہاڑوں کے دامن میں آباد ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں

''اجمیر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ہندوستان کے راجاؤں میں ایک راجہ آجا نام کا تھا جسکی عملداری غزنی تک تھی آجا آفتاب کو بھی کہتے ہیں، ہندی زبان میں میر پہاڑ کو کہتے ہیں ہندوؤں کی تاریخوں میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں پہلی فصیل جو پہاڑ کی چوٹی پر بنائی گئی یہی دیواریں ہیں جو کوہ اجمیر کے اوپر ہیں اور ملک ہند میں جو پہلا تالاب زمین پر کھودا گیا وہ کشکر ہے جو اجمیر سے چار کوس کے فاصلے پر ہے، ہندو جس کی پرستش کرتے ہیں اور ہر سال چھ روز تحویل عقرب کے وقت جمع ہو کر غسل کرتے ہیں اپنی عمر اور اولاد کو دین باطل پر ضائع کرتے ہیں ان میں سے جو لوگ قیامت کے قائل ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ قیامت اسی تالاب سے شروع ہوگی''۔

آجا نامی راجہ اس ملک کے سب راجاؤں سے پہلے ہوا ہے اور پتھورا سب سے آخری تھا۔ (اخبار الاخیار ص ۲۱)

محلات ظلمت میں زلزلہ:

''حضرت خواجہ غریب نواز کے ورود ہند کے وقت اجمیر کا راجہ پرتھوی راج چوہان تھا جسے رائے پتھورا بھی کہا جاتا تھا اسکی عہدداری میں دہلی بھی تھا اور یہ شمال مغربی ہند کے ایک وسیع وعریض خطہ کا مالک ومختار تھا اس کا پایہ تخت اجمیر تھا۔ یہ چوہان خاندان کا آخری فرمانروا تھا اسی راجہ نے گھوڑوں کے اصطبل کے لئے شہر ناگور تعمیر کیا

جس کا نام نوانگر رکھا جو بعد میں ناگور ہو گیا، راجہ پتھورا شمالی ہند کا سب سے بااقتدار راجہ تھا۔ اس کے عہد میں شہر اجمیر ہندوؤں کا عظیم مذہبی سیاسی مرکز تھا۔

حضرت خواجہ غریب نواز نے شہاب الدین غوری کی فتح دہلی و اجمیر سے قبل اس مرکزی شہر کو اپنی روحانی قلمرو کی راجدھانی کیلئے منتخب فرمایا، (سلطان الہند ص ۹۹ رص ۱۰۰)

بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ پرتھوی راج اور اس کے کارندوں کو پہلے سے خبر تھی کہ کوئی انقلابی شخص ہندوستان میں آنے والا ہے جس کے بدولت ایوان سلطنت میں زلزلہ ہوگا، باطل حکومت ختم ہوگی، کفرستان ہند میں توحید ورسالت کی خوشبو پھیلے گی معبودان خود ساختہ کی مصنوعی حکومت کا شیرازہ منتشر ہوگا، شرک کا دور ختم ہوگا۔ جادوگر مفتوح ومغلوب ہوں گے، صداقت غالب آئے گی حقانیت کا بول بالا ہوگا۔ ظلمت وجہالت کی وادیوں میں عرفان وایقان، شعور آگہی کی بالا دستی قائم ہوگی، اور بساط حکومت مسلمانوں کی تحویل میں چلی جائے گی۔

کہتے ہیں کہ پرتھوی راج کی ماں نے آمد غریب نواز سے ۱۲ سال قبل اس حقیقت کا انکشاف کیا تھا، پرتھوی راج کی ماں بہت بڑی جوتشی تھی اس کے محل پر ایک مرغ آ کر بیٹھا اور اس نے بانگ دی، رانی جانوروں کی آواز سمجھتی تھی۔

اس نے اس مرغ کو ہلاک کرنا چاہا مگر وہ ہاتھ نہ آیا اس وقت اس نے کہا تھا، اب اس سرزمین پر اسلام کا دور دورہ ہوگا، اور تمہارا راج پاٹ ختم ہو جائے گا اور حضرت خواجہ کا حلیہ شریف لکھ کر اپنے فرزند پرتھوی راج کو دیا اس پیشن گوئی نے پرتھوی راج کو حد درجہ فکر مند کر دیا اور حضرت خواجہ کے خلاف ہر قسم کی کاروائی شروع کر دی اور اپنے سبھی اعیان مملکت کو اس سے آگاہ کر دیا۔ (سلطان الہند ص ۹۷)

اجمیر میں حضرت خواجہ کے فروکش ہوتے ہی مخالفتوں کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا، اجمیر کی دھرتی تنگ ہوتی گئی، تالاب پر پہرے بٹھا دیئے گئے۔ دعوت مبازرت دی جانے لگی، جادوگر کو خدا سمجھنے والے میدان مقابلے میں نکل پڑے ان تمام بدتمیزیوں کو ملاحظہ فرمانے کے بعد حضرت خواجہ نے محسوس کیا کہ ایسے ماحول میں محمدی دعوت وتبلیغ مشکل ہے لہٰذا پہلے روحانی قوتوں کا اظہار ہونا چاہئے تاکہ فخر وغرور اور احساس برتری کا طلسم ٹوٹے اور دعوت وتبلیغ کیلئے پرسکون ماحول قائم ہو سکے بایں سبب متعدد کرامتیں اور خوارق عادات کا عملی اظہار ہو۔

جب خواجہ غریب نواز کا نورانی قافلہ اجمیر پہنچا تو آپ نے شہر کے باہر ایک سایہ دار مقام پر قیام پذیر ہونا چاہا، راجہ کے ملازمین نے روکتے ہوئے کہا آپ یہاں قیام نہیں کر سکتے اس لئے کہ یہاں ہمارے راجہ کے اونٹ بیٹھتے ہیں حضرت کو ناگوار گزرا فرمایا یہاں سے جاتا ہوں تمہارے اونٹ بیٹھے ہی رہ جائیں گے یہ فرما کر آپ کھڑے ہو گئے اور اناساگر کے پاس تشریف لائے، جہاں اس وقت بت خانوں کی کثرت تھی آپ نے ایک بلند مقام پر (جو اس وقت حضرت کے چلہ گاہ کے نام سے موسوم ہے) قیام فرمایا جب شام ہوئی راجہ کے اونٹ حسب معمول اپنی جگہ پر آئے اور بیٹھ گئے حضرت کے ارشاد کے مطابق ایسے بیٹھے کہ بیٹھے ہی رہ گئے اٹھانے پر بھی نہ اٹھے ایسا محسوس ہوتا کہ ان کے سینے زمین سے چپک گئے ہوں صبح کے وقت جب شتر بانوں نے اونٹوں کو اٹھانا چاہا تو وہ اٹھ نہ سکے اس بات نے انہیں سخت حیرانی میں مبتلا کر دیا انہوں نے مشورہ کیا اور اس بات پر اتفاق کیا کہ کل ہم نے جس فقیر کو یہاں ٹھہرنے نہ دیا اس کی بدعاء لگ گئی ہے، پھر وہ سب کے سب حضور کی خدمت میں آئے اور معذرت خواہ ہوئے حضرت از راہ شفقت ارشاد فرمایا، جاؤ بارگاہ الٰہی سے تمہارے اونٹوں کے اٹھنے کا حکم ہو چکا ہے جب یہ شتر بان اونٹوں کے گلہ میں پہنچے یہ حیرت انگیز منظر دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ سارے اونٹ از خود کھڑے ہو گئے ہیں۔ (خزینۃ الاصفیاء ج ا رص ۲۶۸ رمونس الارواح ص ۱۳۱ ر)

شہر اجمیر میں جب حضرت خواجہ کی کرامت کا شہرہ ہوا لوگوں میں اضطراب پیدا ہو گیا اس درویش کامل کے ورود مسعود سے قدیم روایتی دھرم کی بنیادیں متزلزل ہونے لگیں، ایک جماعت راجہ پرتھوی راج کے پاس آئی اور کہی یہ اجنبی شخص جو ہمارے شہر کے مندروں کے پاس سکونت گزین ہے اس مقام پر اس کا قیام کرنا مناسب نہیں کیونکہ وہ ہمارے دھرم سے جداگانہ دین رکھتا ہے اس کے اخراج کا حکم صادر کرنا چاہئے راجہ نے اعدائے اسلام کی درخواست قبول کر لی اور اس نے

اپنے چند سپاہیوں کو مقرر کیا کہ وہ اجنبی فقیر کو انا ساگر تالاب سے ہٹا دیں اور ہمارے حدود ولایت سے نکال دیں جب راجہ کے مسلح سپاہی اور کارندے برہمنوں کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت خواجہ کی فرودگاہ پر پہونچے اور آپ کو اذیت پہونچانے کا ارادہ کیا ان کے تیور کو دیکھ کر حضرت خواجہ نے زمین سے ایک مٹھی خاک اٹھائی اس پر آیۃ الکرسی پڑھ کر ان کی طرف پھینک دیا جس کے چہرہ پر مٹی کا ذرا بھی حصہ پڑا وہ پریشان ہو کر شہر کی جانب بھاگ گیا اس طرح مشتعل ہجوم اپنے باطل ارادے کی تکمیل نہ کر سکا۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۱/۱)

انا ساگر جس کے گردونواح میں ہزاروں بت خانے تھے جن پر سیکڑوں من تیل اور پھول صرف ہوتے صبح سے شام تک پرستاروں کا ہجوم رہا کرتا تھا برہمنوں اور پجاریوں کو حضرت کا قیام ناگوار گزرا ایک دن جب راجہ اور اہل شہر کی کثیر تعداد مندروں میں پوجا کیلئے حاضر ہوئی مہنتوں کا سردار رام دیو مہنت ایک جماعت کثیر کے ساتھ حضرت کی بارگاہ میں آیا، حضرت خواجہ کے جمال جہاں آرا پر نظر پڑتے ہی لوگوں کے جسموں پر لرزہ طاری ہوگیا بید کی طرح کانپنے لگے حضرت کی نگاہ کیمیا اثر نے مہنت کے دل کی کیفیت بدل دی، بصد خلوص وعقیدت آگے بڑھا اور دست حق پرست پر اسلام قبول کرلیا۔

یہ پجاریوں کا سردار رام دیو جو چند ساعت قبل تک کفر وشرک میں نہ صرف آلودہ تھا بلکہ اس باطل وفکر وعمل کا مبلغ اور ترجمان بھی تھا، اب وہ توحید ورسالت کا اقراری بن چکا تھا ایک جماعت لے کر حضرت خواجہ کو پریشان کرنے آیا تھا، مگر شر پسندوں کا وہی قائد حضرت خواجہ کے دفاع میں سینہ سپر ہوگیا اور لکڑی اور پتھر سے معاندین خواجہ کو مار مار بھگا دیا حضرت خواجہ نے رام دیو کی یہ مجاہدانہ خدمت دیکھی تو از راہ کرم ایک پیالہ پانی عطا فرمایا اور پینے کا حکم دیا، پانی پیتے ہی اس کا آئینۂ دل ضلالت وگمراہی کے زنگ سے پاک ہوگیا آب قدح نے آب حیات کا اثر دکھایا، بے جان قلب وروح میں زندگی کی توانائی پیدا ہوئی عشق وارادت کے فیض عام نے اسے حضرت کے قدموں میں ڈال دیا اور وہ داخل سلسلہ ہوگیا خواجہ نے اس کا نام شادی دیو رکھا۔

کچھ دیر ٹھہر کر وادئ نیل میں حق وباطل کے ان معرکوں کا تصور کیجئے جب شاہ مصر فرعون کو اور اس کے ہوا خواہوں کو عصائے موسوی اور ید بیضا کے معجزات دیکھ کر یقین ہوگیا تھا کہ اب وہ دن قریب آچکا ہے کہ ان کے اقتدار وسطوت کا جلال کافور ہوجائے گا اور باطل اوہام وتصورات کے تانے بانے تار عنکبوت کی طرح بکھر جائیں گے کیونکہ حضرت موسیٰ نے وحدانیت رب العلمین کا تصور پیش کیا تھا جس کے رو سے پورا فرعونی نظامِ جبروت تبدیل ہوجائے گا اور ملک مصر کی مذہبی روایات کے ساتھ سیاسی وسماجی زندگی کے فرسودہ نظام یک قلم موقوف ہوجائیں گے اس لئے اعیان سلطنت نے فرعون کو مشورہ دیا کہ حضرت موسیٰ کے معجزات کا دفاع قوت سحر سے کیا جائے چناچہ انہوں نے فرعون کو مشورہ دیا کہ تمام شہروں سے ماہر جادوگروں کو اکٹھا کروا اور ان کی اجتماعی قوت سے موسیٰ کو دبا دو چنانچہ ہزاروں ساحر ملک کی قلم رو سے سمٹ کر فرعون کے پاس پہونچ گئے اور انہوں نے تمام اہل شہر اور اعیان سلطنت کی موجودگی میں اپنے فن کے مظاہرے کئے مگر نظر فریبوں کے اس طلسم کو عصائے موسوی نے ہیبت ناک اژدہا بن کر نگل لیا تھا اور فرعونی عزائم کو خاک میں ملا دیا تھا ساحروں کی نگاہوں سے پردے اٹھ چکے تھے ان پر روحانی حقائق ظاہر ہوگئے تھے۔

پرتھوی راج اور اس کے اعیان سلطنت کا خیال تھا کہ یہ فقیر بہت بڑا جادوگر ہے اس کے مقابلے کے لئے سلطنت کے جادوگروں کا اجتماع ناگریز ہے انہیں کی مدد سے اس فقیر کو اجمیر سے نکالنا ممکن ہوسکے گا ناعاقبت اندیش ظاہر بینوں نے ہندوستان کے سب سے بڑے شعبدہ باز ساحر جے پال کو بلایا، جے پال اپنے ڈیڑھ ہزار ایسے شاگردوں کے ساتھ جو سحر میں کمال رکھتے تھے اجمیر پہونچا۔ جے پال کے اجمیر پہونچتے ہی راجہ اور اس کے امراء کے حوصلے بڑھے انہیں یقین ہوگیا کہ اب ہم اجنبی فقیر کو زیر کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے شعبدہ وسحر کی معتقد دنیا کو کیا خبر تھی کہ اہل حق سے خوارق کا ظہور نظر بندی نہیں بلکہ حقیقت ہے روحانی تصرفات کے مقابلے میں مادی شعبدہ سحر کے تانے بانے بکھر کر رہ جائیں گے۔ جے پال جوگی ڈیڑھ ہزار حامیوں اور اعیان امرائے سلطنت کے ایک گروہ کے ساتھ اپنے فن کا کرشمہ

دکھانے کے لئے قیام گاہ خواجہ کی طرف بڑھا، جب حضرت خواجہ کو جے پال کے آنے کی خبر ہوئی، وضو کر کے اپنی مجلس کے گرد عصائے مبارک سے لکیروں کا حصار بنادیا اور فرمایا انشاء اللہ کوئی دشمن اس دائرہ کے اندر داخل نہ ہو سکے گا۔

جے پال غرور نخوت کا پیکر بن کر جب قریب پہونچا اس کے چیلوں میں سے جس نے دائرہ حصار کے اندر داخل ہونا چاہا اور قدم دائرہ میں رکھا ہے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ (سلطان الہندص ۱۰۴)

حضرت مولانا عاصم اعظمی فرماتے ہیں:

جبر و تشدد کا نظام جب پرستان حق کی روحانی قوت سے مرعوب ہوتا ہے تو مادی وسائل سے زندگی پر قدغن لگانے کی کوشش کرتا ہے چنانچہ راجہ نے حق و باطل کے اس معرکہ میں اہل حق پر قابو پانے کیلئے یہ وطیرہ بھی اختیار کیا کہ انا ساگر جس کا پانی تمام اہل شہر، چرند و پرند پیتے تھے حضرت خواجہ کے ہمراہیوں کیلئے اس سے سیراب ہونے کی ممانعت کر دی تالاب کے گرد سخت پہرہ بٹھا دیا گیا، جب حضرت خواجہ کو اس غیر اخلاقی طرز عمل کا علم ہوا تو آپ نے شادی دیو سے کہا جس طرح ممکن ہو انا ساگر سے ایک پیالہ پانی لاؤ شادی نے پیالہ لیا ہمت وجرأت کے ساتھ آگے بڑھا پہرے کے باوجود تالاب تک پہنچ ہی گیا جونہی پیالہ پانی میں ڈالا سارا پانی سمٹ کر پیالہ میں داخل ہو گیا اور لوگوں نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ وسیع و عریض انا ساگر خشک ہو گیا۔ جہاں چند لمحہ پیشتر صاف شفاف پانی موجیں مار رہا تھا اب وہاں خاک اڑ رہی ہے۔ شادی دیو پانی سے بھرا ہوا پیالہ لیکر خواجہ صاحب کے پاس گیا اور تمام اصحاب خواجہ کی ضروریات اس سے پوری ہونے لگیں، سب کی ضروریات پوری ہوتیں اور پانی کم نہ ہوتا، چونکہ انا ساگر ہی سے اجمیر کے اکثر باشندوں کی ضروریات پوری ہوتی تھیں اسلئے انہیں سخت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تشنگی کی وجہ سے ان کا حال پراگندہ ہو گیا۔ جئے پال نے جب یہ حال دیکھا تو دائرہ حصار کے قریب آیا اور کہا بندگان خدا پیاس کی شدت سے ہلاک ہو رہے ہیں اور تم خود کو فقیر کہتے ہو، فقیر کو رحم دل ہونا چاہئے نہ کہ ظالم۔ اقتضائے دریا دلی یہ ہے کہ بندگان خدا کو پانی دے دو۔ حضرت خواجہ نے جب جے پال جوگی کی عرض سماعت فرمائی شادی دیو کو حکم دیا کہ انا ساگر کے جس مقام سے پانی لائے ہو وہیں پانی ڈال دو۔ شادی دیو نے قدح آب انا ساگر میں انڈیلا دیکھتے ہی دیکھتے سارا تالاب پانی سے بھر گیا۔

جے پال اور اس کے چیلوں نے حضرت خواجہ کے خلاف سحر کے کرشموں کا آغاز کیا پہاڑ کی بلندیوں سے ہزاروں کی تعداد میں زہریلے سانپ لہراتے ہوئے حضرت خواجہ کی جانب بڑھے مار سیاہ کا یہ لشکر جب حدود آخر تک پہونچا سانپوں نے لکیر پر سر رکھ دیا آگے نہ بڑھ سکے جب یہ سحر ناکام ہوا جے پال نے اپنے فن کے زور سے آگ کی بارش برسانی شروع کی ہر طرف انگاروں کے ڈھیر لگ گئے ہزاروں ہرے درخت جل کر راکھ ہو گئے مگر دائرہ حصار اور اس کی فضا آگ کے انگاروں سے بالکل محفوظ رہی۔

جب آتش سحر سے حضرت خواجہ اور ان کے ساتھیوں کو ذرہ برابر گزند نہ پہونچا تو جے پال نے اپنی دانست میں اپنے ترکش سحر کا آخری تیر چھوڑنے کا ارادہ کیا اس نے حضرت خواجہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا اب میرا اور تمہارا مقابلہ باقی ہے بہتر ہے کہ تم فوراً اجمیر چھوڑ دو ورنہ میں آسمان پر جا کر تمہارے سروں پر اس قدر بلائیں برساؤں گا کہ تمہارا سنبھلنا دشوار ہو جائے گا حضرت خواجہ نے تعجب سے فرمایا۔

متو کار زمین را نکو ساختی   کہ با آسمان نیز پرداختی

جے پال نے اون کا مرگ چھالا ہوا میں پھینکا اور اچھل کر اس پر بیٹھ گیا دیکھتے ہی دیکھتے وہ فضا میں پرواز کرنے لگا اور نگاہوں سے غائب ہو گیا لوگ حیران تھے دیکھو اب کیا ہوتا ہے حضرت نے جے پال کا یہ کرشمہ سحر اور لوگوں کی حیرت دیکھی تو اپنی نعلین چوبیں (کھڑاؤں) کو حکم دیا کہ جاؤ سرزنش کرتے مغرور جے پال کو نیچے اتار لاؤ۔ یہ فرمان سنتے ہی دونوں کفش پرندوں کی طرح فضا میں اڑتے ہوئے نگاہوں سے روپوش ہو گئے چند ساعت بعد لوگوں نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ حضرت کے پاپوش جے پال کے سر کو کوٹتے ہوئے خواجہ کے پاس لے آئے۔

کھڑاؤں کی ضرب نے منکر جے پال کے غرور نخوت کا بت توڑ دیا تھا، روحانی صداقت کے سامنے جادوگری کا فریب تار عنکبوت کی

طرح پارہ پارہ ہو چکا تھا اسے معلوم ہو گیا کہ یہ درویش کوئی جادوگر نہیں روحانیت کی غیر متزلزل قوت کا مالک ہے اس کے ادنیٰ حکم سے بے جان پاپوش نہ صرف ہوا میں اڑنے کی صلاحیتوں سے بہرہ مند ہو جاتے ہیں بلکہ ہندوستان کے ماہر فن جادوگر کو بے بس کر کے ذلت و حقارت کے ساتھ زمین پر لانے کی قوت پا جاتے ہیں نگاہوں سے حجابات اٹھ چکے تھے جے پال نے حضرت کے قدموں میں سر رکھ دیا اور خلوص دل کے ساتھ اسلام قبول کیا اور عرض کی حضور دعا فرمائیے میں امر ہو جاؤں یعنی تا قیامت زندہ رہوں، حضرت نے دعا فرمائی، دعا قبول ہوئی، دعا کی قبولیت کا اثر ظاہر ہوا، آپ نے ارشاد فرمایا تو نے دائمی زندگی پالی مگر لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا مشہور ہے کہ جے پال اب تک اجمیر کے کوہستان میں رہتا ہے جو راہ گیر بھول جاتا ہے اس کی رہبری کرتا ہے ہر شب جمعہ روضہ مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے۔ حضرت نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ (خزینۃ الاصفیاج ا ص ۲۶۲)

پرتھوی راج نے جب جے پال اور اس کے ساتھیوں کے سحر کی ناکامی اور روحانی سرچشمۂ قوت کے مقابلہ میں طلسم وشعبدہ کی شکست فاش دیکھی۔ سخت نادم و پسیماں ہوا اور خائب و خاسر اجمیر کی طرف لوٹ گیا، جب رائے پتھورا کی ماں کو حضرت خواجہ کی آمد، اونٹوں کے بیٹھے رہ جانے، اناساگر کے خشک ہو جانے اور جے پال کے شعبدوں کی ناکامی کا حال معلوم ہوا تو اس نے پرتھوی راج سے کہا یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں میں نے بارہ سال پہلے کہا تھا اب تم اس سے ہرگز مباحثہ و مجادلہ نہ کرنا۔ (مونس الارواح ص ۳۲)

حضرت خواجہ کے باطنی تصرفات اور موثر کرامات نے باشندگان اجمیر کو کافی متاثر کیا۔ عوام وخواص کی کثیر تعداد شرک و بت پرستی سے تائب ہو کر مشرف باسلام ہوئی۔ روز بروز حضرت خواجہ کے ارادت مندوں کا حلقہ وسیع ہونے لگا حضرت نے اناساگر کی قیام گاہ ترک فرمائی اور اپنے حلقہ بگوش خدام کے ساتھ شہر اجمیر میں اس مقام پر سکونت اختیار کی جہاں اس وقت درگاہ شریف ہے۔

منہج تبلیغ: سرکار غریب نواز اپنی تبلیغ کی بنیاد ''خلق حسن'' پر استوار کی کیونکہ اسلامی افواج نے پے در پے حملے کر کے اسلام کے صرف ایک رخ کو پیش کیا تھا کہ جب فتنے کا سیلاب حد سے متجاوز ہو جائے تو شمشیری قوتوں کا استعمال ہو۔ لیکن تلوار کے ذریعہ فتنے تو دبائے جاسکتے ہیں، فاتح قوم، مفتوح قوم کے سرکش وجابر سروں کو تو جھکا سکتی ہے، مگر دلوں کو قابو میں کرنے کیلئے تلوار نہیں اخلاق وکردار کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

حضرت خواجہ نے اپنے کردار سے متنفر لوگوں کو قریب کیا امن و شانتی، بھائی چارہ، اخوت و مساوات کا نظریہ پیش کیا اپنے شاگرد وتلامذہ اور دامن کرم سے وابستہ ہونے والے افراد کو اخلاق حسنہ کا مبلغ بنایا۔ اپنوں کی مجلس میں، غیروں کے سامنے، دشمنوں کے روبرو، دوستوں کے دل میں جب بھی لب کشا ہوتے تو امن عام کو فروغ دینے کی بات کرتے تا کہ لوگوں کو قریب سے اسلام کو سمجھنے کا موقع ملے۔ آپ فرماتے ہیں:

''درماندوں کی فریاد کو پہنچنا، غریبوں کی مدد و حاجت روائی کرنا اور بھوکوں کو کھانا کھلانا، اور شکم سیر کرنا اس سے بہتر کوئی عمل نہیں''

(دلیل العارفین ص ۷۲)

اپنے پیرو مرشد کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

میں نے زبانی اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ جو شخص مندرجہ ذیل تین خصلتیں رکھتا ہو اللہ تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے۔

اول۔ سخاوت مانند دریا کے، دوم۔ شفقت مانند آفتاب کے، سوم۔ تواضع مثل زمین کے۔ (۔۔۔ص ۹۸)

فرماتے ہیں جب بھی کوئی نعمت ملی وہ سخاوت سے ملی، اور جس نے بھی قدم آگے بڑھایا باطن کی صفائی سے بڑھایا۔

(مخدوم سہ ماہی، پٹنہ ص ۵۸)

کسی نے دریافت کیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکی سب سے اچھی اطاعت کیا ہے؟

فرمایا:

مظلوموں کی فریاد سننا، حاجت مندوں کی حاجت پوری کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا۔ (۔۔ ۔۔ ۔۔)

حضرت غریب نواز کے یہ وہ عظیم فارمولے ہیں جن کی

بدولت کسی بھی علاقے وملک میں اور کسی بھی ماحول میں بآسانی انقلاب آسکتا ہے۔ اور اسی کی بدولت حضرت خواجہ نے اجنبی قوم میں روحانیت کا انقلاب برپا کیا۔

غور کیجئے، حضرت خواجہ کی نگاہیں دست تعاون دراز کرتے وقت اپنے اور بیگانے کے درمیان تفریق وتمیز نہیں کرتی ہیں، مظلوم چاہے جس دھرم کا پیروکار ہو، حاجت مند خواہ کوئی بھی ہو، بھوکا چاہے جو بھی ہو، غریب ومجبور اور لاچار وبے کس جس مذہب کا ماننے والا ہو۔ بلا کسی امتیاز کے اسکی مدد کی جائے۔ اسکی ضرورتوں کی تکمیل ہو، اسکی پریشانی دور کی جائے، سب کیلئے ہمیشہ دروازہ کھلا رہے اور خدمت خلق کو عام کیا جائے۔

مثال دے کر سمجھاتے ہیں، دیکھو دریا ہر چھوٹی بڑی نہروں میں اپنا فیضان جاری کرتا ہے۔ اس سے صحراء، کھیتی، پھول، پھل، کانٹے، گڑھے، اونچی نیچی زمین، ہر نوع کی کھیتی، ہر قسم کی فصلیں فیضیاب ہوتی ہیں۔ بندہ صفت سخاوت کو دریا کی طرح عام وتام کرے، ہر منگتا کا دامن بھر دے، ہر سائل کے سوال کی لاج رکھے، کسی کو خالی ہاتھ محروم واپس نہ کرے۔ جتنا اس سے ہوسکے سخاوت وفیاضی کا ثبوت دے۔ شفقت ومحبت سورج کی سی عام ہو، سورج بلا کسی امتیاز کے امیر وغریب دوست ودشمن سب کو بلاتفریق روشنی وحرارت بخشتا ہے۔

اب ایک انسان دوسرے انسان سے ایسے ہی پیار ومحبت کرے اور یوں ہی دوست ودشمن کو گلے لگائے زمین کی طرح تواضع ہونی چاہئے، دیکھو ہم زمین کو قدموں سے پامال کرتے ہیں۔ اسی پر نجاستیں ڈالتے ہیں، تکبر واترا کر چلتے ہیں، اسے چیرتے ہیں، اسکے سینے میں ہل کو دال اتارتے ہیں، پھر زمین ہمیں زندہ رہنے کیلئے رزق فراہم کرتی ہے، ہمیں سبزہ وا ناج کے دانے عنایت کرتی ہے۔

اگر ہمارے اوپر کوئی ظالم زیادتی کرے، ہمیں ستائے، ہمارے اوپر تکالیف وشدائد، تشدد وستم کے پہاڑ توڑے پھر بھی ہمیں تواضع کرنا چاہئے، صبر وتحمل وبردباری کا مظاہرہ کرنا چاہئے، اسے معاف کرنا چاہئے اور نبوی عفو ودرگزر کا سہارا لینا چاہئے۔

اثرات تبلیغ: ایک مبلغ کا فریضہ پیغام پہنچا دینا ہے اور بس، لیکن تبلیغ کا اصل ثمرہ تو اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب تبلیغ کو درمیان قوم مقبولیت حاصل ہو جائے، داعی اپنے مخاطبین کے دلوں میں جو جوہر انقلاب پیدا کرنا چاہتا ہے وہ عارضی نہیں بلکہ دائمی حیات کے ساتھ ظہور پزیر ہو اگر داعی ومبلغ کی تحریک نے یہ مرحلہ طئے کرلیا تو پھر مبلغ نے اپنے فرض منصبی کی لاج رکھ لی۔

تبلیغ اگرچہ ایک بڑا صبر آزماں کام ہے مگر اس سے بڑا کام تبلیغ کا قوم پر اثر انداز بنا ہونا ہے، تبلیغ کیلئے علم کی ضرورت ہے اور تبلیغ کو مؤثر بنانے کے لیے خود مبلغ کی عملی زندگی میں اثرات تبلیغ کا ہویدا ہونا ہے، اگر یہ چیز کامل طور پر پائی گئی تو پھر تبلیغ کے اصل ثمرات ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ نے منہج تبلیغ کی اساس ان تعلیمات محمدیہ پر رکھی جن کا تعلق براہ راست انسانیت اور انسانی زندگی نیز معاشرت انسانی سے تھا۔ ان تعلیمات اسلامی کو سب سے پہلے اپنی زندگی کے شب وروز میں ڈھالا پھر دوسروں کو روشناش کرایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بدکے ہوئے افراد سنجیدہ ہو گئے، نفرت کرنے والے محبت کرنے لگے، بھاگنے والے قریب آنے لگے اور جماعت در جماعت اسلام کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہونے کیلئے خود کو آمادہ کرنے سے باز نہ رکھ سکے۔

سید محمد بن مبارک کرمانی فرماتے ہیں:

به وصل قدم مبارک آں آفتاب اہل یقین کہ
به حقیقت معین الدین بود ظلمت ایں دیار ہنود
اسلام روشن ومنور گشت از تیغ او
بجائے صلیب وکلیسا در دار کفر مسجد ومحراب
ومنبر است آنجا کہ بود نعرهٔ فریاد مشرکاں
اکنوں خروش نعرہ اللہ اکبر است

اہل یقین کے اس آفتاب عالم تاب کے شرف قدوم سے اس سرزمین سے کفر کی تاریکیاں چھٹ گئیں اور ہر سو اسلام کا اجالا پھیل گیا اس کی تلوار کی برکت ہے کہ آج صلیب وچرچ کے بجائے اس کفرستان میں مسجد ومحراب ومنبر نظر آرہے ہیں، جہاں کبھی مشرکین کے نعرے بلند

ہوتے تھے آج نعرۂ اللہ اکبر گونج رہا ہے۔ (سیر الاولیاء ص ۵۷)

مفتی غلام سرور لاہوری رقم طراز ہیں:

''ہزاروں ہزار چھوٹے بڑے لوگ اس محبوب کردگار کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام کے شرف اور آپکی ارادت سے مشرف ہوئے، یہاں تک کہ اسلام کا چراغ ہندوستان میں اسی بلند مرتبہ خانوادے کی وجہ سے روشن ہوا'' (خزینۃ الاصفیاء ص ۱/۲۵۹)

صاحب سیر العارفین لکھتے ہیں:

اس دیار کے اکثر نامور کفار اس زبدۃ الاسرار کی برکتوں سے ایمان واسلام سے مشرف ہوئے اور بہت سے ایسے کفار جو اسلام نہ لاسکے بے حد وحساب نذرانے اور فتوحات عقیدت کے ساتھ حضرت کی بارگاہ میں بھیجتے ہیں، اور اب تک یہ کفار اس طریقہ پر عقیدت رکھتے ہیں، ہر سال مزار پر حاضر ہوتے ہیں اور اس عظیم القدر ہستی اور اس آسمان شیخیت کے بدر کامل کے آستانے کی خاک پر سر رکھتے ہیں اور بہت سی نقد رقم روضہ پاک کے مجاوروں کو پیش کرتے ہیں اور خدمت بجا لاتے ہیں۔ (سیر العارفین ص ۱۳)

حضرت علامہ محمد عاصم اعظمی فرماتے ہیں:

''مسلم فاتحین وسلاطین نے طاقت وقوت کے زور پر ہندوستان کی زمین جیتی، تاج وتخت کے مالک بنے اور شاہانہ طمطراق کے جلوے دکھا کر رخصت ہوگئے، مگر اہل ہند کے دل کبھی نہ جیت سکے''

''مسلم بادشاہوں کا اقتدار تو تماشہ دکھا کر رخصت ہوگیا مگر روحانی قلمرو کے تاجداروں کی سلطانی آج بھی باقی ہے، اور قیامت تک اپنی شان وشوکت کے جلوے دکھاتی رہے گی، کفر وشرک کے تاریک ماحول میں اسلام کی آسمانی صداقت کو عام کرنے والے سب سے بڑے مبلغ حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کی برکت سے راجپوتانہ جیسی سنگلاخ زمین میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور جن کے قدوم میمنت لزوم نے ہندوستان پر مسلمان فاتحین وسلاطین کے قدم جمائے، لاکھوں انسانوں نے اس آفتاب ہدایت سے یقین وآگہی کا نور حاصل کیا اور ان کے بالواسطہ یا بلاواسطہ خلفاء ومریدین تمام اقطاع ملک میں اسلام کی شمع ہدایت لےکر پھیل گئے'' (سلطان الہند خواجہ غریب نواز ص ۵۲)

تحریک آگے بڑھی:

ارباب علم ودانش پر عیاں ہے کہ کسی بھی تحریک کو پائدار ومستقل ثمر بار ہونے کیلئے مخلص ومحنتی افراد کی سخت ضرورت ہے، وہ افراد ایسے ہوں جو محرک اول کے مماثل ومساوی ہوں، تحریک کے اصول وضوابط کے پابند ہوں طریقہ کار میں اگرچہ اختلاف ہو مگر تحریک کے نصب العین کو ہر لمحہ پیش نظر رکھیں تاکہ تحریک اپنے مقصد میں کبھی ناکامیوں کا منہ نہ دیکھے اور محرکین کو رسوائی کے بجائے ہمیشہ سرخروئی کی دولت حاصل ہو۔

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ نے اپنی تحریک کو بام عروج تک پہنچانے اور بعد کی صدیوں تک جاری وساری رہنے کیلئے کچھ ایسے مخلص افراد تیار کئے جو اپنی مثال آپ تھے انھوں نے حضرت خواجہ کے مشن کو بھرپور تقویت دی اور جیتے جی اسے ناکام نہ ہونے دیا۔

جس طرح حضرت خواجہ کے دست حق پرست پر لوگوں نے جوق در جوق قبول اسلام کیا اسی طرح آپ کے تیار کردہ افراد وبابرکات شخصیات کی تبلیغ سے ہزار ہا ہزار لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہے۔

آپ کی تحریک کو لیکر آگے بڑھنے والے آپ کے نامور خلفاء وجانشین تھے جن میں بعض کے مبارک اسماء حسب ذیل ہیں۔

(۱) خوجہ قطب الدین بختیار کاکی (متوفی) ۶۳۳ھ
(۲) خواجہ حمید الدین ناگوری ۶۱۳ھ
(۳) خواجہ برہان الدین اجمیری ۶۶۴ھ
(۴) خواجہ عبداللہ جوگی جیپال ۶۴۸ھ
(۵) قاضی حمید الدین ناگوری ۶۴۳ھ
(۶) خواجہ شیخ علی سنجری ۶۰۸ھ

☆☆☆

حیات مسعود ملت......ایک نظر میں

پروفیسر ڈاکٹر سید محمد عارف

مسعود ملت حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد قدس سرہ ایک عظیم علمی وروحانی خاندان کے چشم وچراغ ہیں......روحانی اور نسبی دونوں نسبتیں صدیقی ہیں......علوم قدیمہ وجدیدہ کے جامع اور اپنی تحقیقی وتخلیقی تصانیف کے سبب دنیائے علم ودانش اور اپنے ہم عصروں میں نہایت محترم اور قدآور شخصیت کے مالک ہیں......

۱۹۳۰ء کو دہلی میں ولادت ہوئی، جد اعلیٰ فقیہ الہند شاہ محمد مسعود محدث دہلوی علیہ الرحمہ (م،۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء) انیسویں صدی کے ان عظیم علما وصوفیہ میں تھے جنہوں نے چالیس سال تک اپنے علم وفضل اور روحانیت سے دہلی کی سرزمین کو منور رکھا......والد ماجد مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی علیہ الرحمہ (م،۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء) علوم اسلامیہ اور دیگر علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے فسادات کے زمانے میں جب شہر دہلی ویران ہورہا تھا بے مثال صبر واستقامت سے اس کو آباد رکھا، مسجد جامع فتح پوری (دہلی) میں ۷۰ سال خطابت وامامت فرما کر رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رکھا،......ان کے فتاویٰ اور مکاتیب زندگی کے لئے رہنما اصول فراہم کرتے ہیں......

حضرت مسعود ملت نے قرآن کریم اور عربی وفارسی کی کتب والد ماجد سے پڑھیں اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت وخلافت اور عملیات کی اجازت کا شرف بھی حاصل کیا......۱۳۴۱ء سے ۱۹۴۵ء مدرسہ عالیہ فتح پوری، دہلی میں درس نظامی کی تحصیل کی......۱۹۴۸ء میں مشرقی پنجاب یونیورسٹی (سولن) سے فارسی میں آنرز اور ۱۹۵۳ء میں پنجاب یونیورسٹی (لاہور) سے فاضل اردو کا امتحان پاس کیا، ۱۹۵۶ء میں اسی یونیورسٹی سے بی، اے ۱۹۵۸ء میں سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد (سندھ) سے ایم، اے کیا اور ۱۹۷۱ء میں 'قرآن پاک کے اردو تراجم وتفاسیر، کے عنوان سے ضخیم مقالہ لکھ کر پی، ایچ، ڈی کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی۔

۱۹۵۸ء میں گورنمنٹ کالج میر پور خاص (سندھ) سے بحیثیت لکچرر ملازمت کا آغاز فرمایا اور اللہ کے فضل وکرم اور اپنی علمی وانتظامی صلاحیتوں کے سبب ترقی کرتے ہوئے بہت جلد پرنسپل کے عہدے پر فائز ہوگئے ......آپ سندھ کے متعدد کالجوں میں پرنسپل رہے، نظامت تعلیم کراچی کی اردو نصاب کمیٹی کے ریویور، سندھ یونیورسیٹی جامشورو (سندھ) کے بورڈ آف اسٹیڈیز کے ممبر، سندھ یونیورسٹی، پنجاب یونیورسٹی لاہور، کی طرف سے بی اے، ایم اے، اور گورنر مغربی پاکستان کی طرف سے پبلک سروس کمیشن اور درجہ اول افسران کے ممتحن بھی مقرر ہوئے، شاہ عبد اللطیف یونیورسٹی، خیر پور میرس (سندھ) اور کراچی یونیورسٹی، کراچی کے ڈائرکٹر ریسرچ بھی رہے......دینی علمی خدمات پر پانچ گولڈ میڈل، ایک سلور میڈل کے علاوہ صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان کی طرف سے اعزاز فضیلت ۱۹۹۲ء سے بھی نوازے گئے ......۱۹۹۲ء میں ایڈیشنل سیکرٹری وزارت تعلیم سندھ کے منصب پر فائز ہوئے، اسی سال ریٹائر ہوگئے اور خود کو خدمت دین کے لئے وقف کردیا......

۱۹۹۱ء میں حج بیت اللہ شریف اور زیارت حرمین شریفین کی سعادت حاصل ہوئی پھر پانچ بار حاضری نصیب ہوئی ......۱۹۹۴ء میں علامہ سید محمد علوی مالکی مکی (م،۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء) سے مدینہ طیبہ میں خرقہ'

خلافت کا اعزاز حاصل ہوا......سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں علامہ مفتی محمد محمود الوری علیہ الرحمہ سے، سلسلہ قادریہ میں خواجہ سید زین الدین شاہ گیلانی سے، سلسلہ چشتیہ میں حکیم سید اکرام حسین سیکری اور سلسلہ اویسیہ میں علامہ محمد فیض احمد اویسی سے اجازت حاصل ہے۔ خواجہ محمد صادق (اگہار شریف، مقبوضہ کشمیر) سے دلائل الخیرات شریف کی اجازت بھی حاصل ہے......آپ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے جام پلا پلا کر عالم اسلام کو خوب سیراب کئے ہیں آپ کے مریدین کا حلقہ پاکستان کے متعدد شہروں کے علاوہ ہندوستان، بنگلہ دیش، سعودی عرب، مسقط، دبئی، ابو ظہبی، مصر، کینیڈا، ہالینڈ، اٹلی، شام، امریکہ اور برطانیہ وغیرہ تک پھیلا ہوا ہے۔ آپ کے خلفا میں اکثر ممتاز علما و مشائخ اور نامور اہل قلم ہیں ......اولاد امجاد میں ایک صاحبزادہ ابو السرور میاں محمد مسرور احمد (جانشین) اور تین صاحبزادیاں ہیں......

آپ کا تصنیفی اور تحقیقی کام عالم اسلام کے لئے عظیم سرمایہ ہے ،آپ کے علمی و تحقیقی مقالات کی تعداد چھ سو (۶۰۰) سے متجاوز ہے جو کہ بین الاقوامی اہمیت کے علمی و تحقیقی جرائد میں شائع ہوئے اس کے علاوہ پاکستان، ایران، فرانس اور اردن کے انسائیکلوپیڈیا میں بھی تحقیقی مقالات شامل ہوئے......امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے علمی و تجدیدی کارناموں کو جدید انداز میں پیش کر کے علمی دنیا سے ''ماہر رضویات'' کا خطاب پایا، اور نثر کو مذہبی نکتہ سنجیوں سے ہم کنار کر کے قلم کاروں کو نئے انداز نگارش سے روشناس کرایا، امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ پر جدید انداز میں علمی و تحقیقی کتب کی تصنیف و ترتیب کا سہرا بھی آپ کے سر ہے حضرت مجدد الف ثانی کی حیات و خدمات اور مقامات کے حوالے سے شائع ہونے والا عظیم انسائیکلوپیڈیا بعنوان ''جہان امام ربانی مجدد الف ثانی'' (۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء) بھی آپ ہی کے زیر سرپرستی تیار ہو کر منظر عام پر آیا ،آپ کی ادبی و دینی اور تاریخی خدمات ۵۰ سال پر محیط ہیں......

پندرہویں صدی ہجری کے آغاز سے اہم دینی اور معاشرتی مسائل کے حوالے سے ایک بین الاقوامی کتابی سلسلہ شروع کر کے تجدید و احیاء دین کی سعادت حاصل کی جس پر عالم اسلام کے جید علما و مشائخ علامہ ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد (دہلی، ہندوستان) ابو الحسن مولانا سلطان احمد مسعودی چشتی (حافظ آباد، پاکستان) علامہ قمر الدین (بنگلہ دیش) وغیرہ نے منصب تجدید پر متمکن ہونے کا اعلان فرمایا......

حضرت مصنف کی تصانیف کے انگریزی، عربی، ہندی، سندھی، فارسی اور کئی زبانوں میں تراجم شائع ہو کر پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں، تصنیفات و تالیفات کی تعداد ڈیڑھ سو سے زائد ہے جن میں ''سیرت مجدد الف ثانی'' ''فاضل بریلوی علما حجاز کی نظر میں'' ''جان جاناں'' ''فتاویٰ مسعودیہ'' ''مکاتیب مظہریہ'' ''فتاویٰ مظہریہ'' ''محدث بریلوی'' ''تحریک آزادیٔ ہند اور السواد اعظم'' ''شاہ محمد غوث گوالیاری'' ''مجدد الف ثانی حالات و افکار اور خدمات'' ''مجدد ہزارۂ دوم'' ''آخری پیغام'' ''تمدن ہند پر اسلامی اثرات'' ''موج خیال'' ''مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال'' اور ''دین فطرت'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

آپ کی نگرانی میں کئی اسکالرس پی۔ایچ۔ڈی اور ایم فل کر چکے ہیں، جب کہ خود آپ کی حیات اور علمی و ادبی خدمات پر بہار یونیورسٹی سے ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی نے ۱۹۹۷ء میں ڈاکٹریٹ کیا ہے، اس کے علاوہ آپ کی حیات اور علمی و ادبی کارناموں پر متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں، جن میں ''جہان مسعود'' ''منزل بہ منزل'' ''ولی نعمت مسعود ملت'' ''تخصصات مسعود ملت'' ''مسعود ملت اور رضویات'' ''مسعود ملت کے آثار علمیہ'' ''مسعود ملت اور امام احمد رضا'' ''مسعود ملت کی اردو نثر نگاری'' ''موجودہ صدی کے مجدد'' ''مجدد عصر'' ''مکتوبات مسعودی'' ''یادوں کے دریچے'' ''ملفوظات مسعود ملت'' ''تذکار مسعود ملت'' ''تذکرۂ مسعود'' ''کشکول مسعودی'' اور ''آئینۂ ایام'' وغیرہ شامل ہیں۔اب غیر مسلموں کے لیے سیرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ''جان جہاں'' کے عنوان سے ایک تحقیقی کتاب قلمبند کر رہے تھے......آپ کی علمی خدمات کا احاطہ ان مخصوص سطور میں تو ناممکن ہے، تاہم تفصیلات کے لیے ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی کا مقالہ ڈاکٹریٹ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، جو ضیاء الاسلام پبلی کیشنز، اردو بازار کراچی نے شائع کر دیا ہے۔

آپ ممتاز بین الاقوامی علمی و اشاعتی اداروں، ادارۂ مسعودیہ کراچی، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی اور امام ربانی فاؤنڈیشن انٹرنیشنل کراچی کے سرپرست اعلیٰ تھے، جب کہ الرابطہ انٹرنیشنل پاکستان کے صدر بھی تھے، آپ کی سرپرستی میں ماہنامہ ''معارف رضا'' کراچی اور مجلہ ''المظہر'' کراچی برابر شائع ہو رہے ہیں۔

☆☆☆

آپ نے اپنے منصب تجدید کے اعلان، واظہار کرنے والوں کی باتوں کو قبول نہیں کیا، اس سلسلے میں ماہنامہ جہان رضا' میں آپ کا وضاحتی بیان شائع ہو چکا ہے۔

اعترافات

صحیح البہاری

جدید و قدیم تقریظات و تبصرے

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

علم حدیث ملک العلما نے اس وقت کے سب سے مشہور ترین اساتذۂ حدیث سے حاصل کیا۔ ایک تو وہی مشہور استاذ حدیث حضرت مولینا شاہ وصی احمد محدث سورتی تھے، دوسرے بقول علمائے عرب راس المحدثین والمصنفین اعلیٰ حضرت امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی تھے۔ علم حدیث، تفسیر اور فقہ سے ملک العلما کو خصوصی شغف تھا۔ ان تینوں میں وہ مہارت تامہ رکھتے تھے۔ فن حدیث میں ملک العلما نے نصف درجن کے قریب کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں سب سے اہم اور معتبر 'صحیح البہاری' ہے اس کی عظمت و اہمیت کے لئے فن حدیث کا ہونا ہی کافی سے زائد ہے۔ دوسری اہمیت اس کی یہ ہے، یہ کتاب جماعت حنفیہ اور سواد اعظم کے لئے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ اس لئے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ یہ کتاب فقہی ابواب کے طرز پر مرتب کی گئی ہے۔ اور تمام فقہ حنفی کے مسائل کی مستدل احادیث صحیحہ معتبرہ مستندہ یکجا کر دی گئیں۔ صحرا سر کرنے اور دریا عبور کرنے کی حاجت باقی ہی نہ رہی۔ اس کتاب نے حنفی مسائل فقہ کے استخراج و استنباط میں علما وطلبا احناف کو دوسری کتب احادیث کے دفاتر چھاننے کھنگالنے سے بے نیاز کر دیا۔

اس سے قبل فقہ حنفی کی تائید میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸ھ۔۱۰۵۲ھ) نے 'فتح المنان فی تائید مذھب النعمان' لکھی تھی۔ اس کے دو نسخے جامعہ ملیہ اسلامیہ اور دار العلوم مئو ناتھ بھنجن کے کتب خانوں میں ہونے کا پتا ملتا ہے۔ اس نوع کی دوسری کوشش علامہ سید شاہ محمد مرتضیٰ زیدی بلگرامی (۱۱۴۵ھ۔۱۲۰۵ھ) کی ہے۔ جنہوں نے 'عقود الجواہر المنیفہ فی ادلۃ امام ابی حنیفہ' تحریر کی۔ اس طرز کی تیسری کتاب 'آثار السنن' بھی ہے۔ جس کے مصنف مولانا ظہیر احسن شوق نیموی بہاری (۱۲۷۸ھ۔۱۳۲۲ھ) ہیں۔ ۳۱۱ صفحے کی کتاب 'آثار السنن' ۱۳۱۸ھ میں قومی پریس لکھنؤ سے چھپی۔ بہار کے اگزامیشن بورڈ کے مدارس کے نصاب میں شامل بھی ہے۔ ان سب کے باوجود علمائے احناف کی وہ ضرورت پوری نہ ہو سکی۔ خالص محدثانہ طرز پر کئی مجلدات پر مشتمل یہ صحیح البہاری ہی ہے۔ جو اس ضرورت کو پورا کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ چونکہ یہ کتاب عقائد، اعمال، عبادات، معاملات تمام شعبوں کو محیط ہے۔ اس میں وہ تمام احادیث و آثار اکھٹے جمع ہیں۔ جن پر مذہب احناف کی پوری عمارت کھڑی ہے اور فقہ حنفی کا شاید ہی کوئی مسئلہ ہو۔ جس کی سند استشہاد میں کوئی نہ کوئی خبر، اثر، حدیث پیش نہ کی گئی ہو۔

سبھی خواص جانتے ہیں ملک العلما نے اس کتاب کو خالص محدثانہ اسلوب میں چھ جلدوں پر مشتمل لکھنے کا منصوبہ بنایا

تھا۔دوسری جلد جو کتاب الطہارۃ کی احادیث پر مشتمل ہے۔ اسکے مجموعی صفحات قریب ایک ہزار ہیں اور احادیث کی تعداد قریب دس ہزار ہیں۔پہلی جلد کتاب العقائد ہے۔دوسری جلد کتاب الطہارۃ۔تیسری جلد کتاب الزکوۃ،کتاب الحج ،کتاب الصوم ہے،چوتھی جلد کتاب النکاح تاکتاب الوقف ہے۔ پانچویں کتاب البیوع تاکتاب الغصب ہے۔چھٹی جلد کتاب الشفعہ تاکتاب الفرائض ہے۔دوسری جلد جو کتاب الطہارۃ والصلوۃ پر ہے۔بر بنائے سہولت اسے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا۔پہلا حصہ جو کتاب الطہارۃ ہے،یہ ۱۹۳۱ء میں شیخ غفور بخش کے اہتمام سے ابوالعلائی الیکٹرک پریس آگرہ سے چھپا۔کتاب الصلوۃ کے بقیہ تین حصے سید مظفر علی دسنوی کے برقی پریس ،سبزی باغ پٹنہ سے شائع ہوئے ۔جس کا دورانیہ ۱۹۳۲ءتا۱۹۳۷ء ہے۔پھر ایک عرصۂ دراز کے بعد دوسری جلد قریب قریب ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے ۔۱۴۱۲ھ۔۱۹۹۲ء میں حیدر آباد،سندھ پاکستان سے عکسی شائع ہوئی۔

جب'صحیح البہاری' چھپ کر سامنے آئی،تو اس وقت کے جید مستند علما نے ملک العلما کو خوب خراج تحسین پیش کیا۔پذیرائی کی اور کتاب کو وقت کا سب سے بڑا علمی، دینی حدیثی کارنامہ قرار دیا۔تقریظیں لکھیں،تبصرے لکھے ۔حضرت محدث سورتی کے تلمیذ رشید حضرت مولانا حکیم سعید الرحمٰن خان ،حضرت مولینا مفتی عبدالقدیر عثمانی بدایونی پروفیسر شعبۂ دینیات عثمانیہ یو نیورسیٹی ، حیدرآباد ،دکن ،حضرت مولینا سید شاہ محی الدین سابق زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف ،حضرت مولینا سید شاہ حیدر ولی اللہ قادری ناظم اعلی دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور، مدراس ،حضرت مولینا شاہ حبیب الحق سابق صاحب سجادہ خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ اور دیگر کثیر علمائے عصر نے زبردست قلمی خراج تحسین وآفریں پیش کیا۔حافظ ملت حضرت مولینا شاہ عبدالعزیز بانی جامعہ اشرفیہ مبارکپور ،حضرت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی ،شاہ سلیمان پھلواری،مولانا سعید احمد اکبر آبادی صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسیٹی علیگڑھ مولینا حیدر شریف مہتمم امداد المعارف حیدرآباد ،مولانا عزالدین پھلواروی استاذ ادب ندوۃ العلما لکھنؤ،مولینا سید اصغر علی جعفری، پٹنہ۔وغیرہ نے 'صحیح البہاری' کی قدرو قیمت کا کھلے دل سے اعتراف کیا اور مصنف علام ملک العلما کی علمیت و خدمت کے معترف و مداح رہے۔اختلاف عقاید کے باوجود سید سلیمان ندوی نے زبردست تبصرہ لکھا اور ماہنامہ'معارف' اعظم گڑھ میں چھاپا۔مولانا عبدالماجد دریابادی نے کتاب پر کھل کر اظہار خیال کیا اور اپنے یومیہ اخبار'سچ' لکھنؤ میں شائع کیا۔اسی طرح مشہور غیر مقلد عالم ثناء اللہ امرتسری نے کتاب و صاحب کتاب کی عظمت واہمیت پر روشنی ڈالی اور اپنے ہفت روزہ اخبار'اہل حدیث' امرتسر میں شائع کیا۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے محبّ مولانا حکیم معراج احمد نے دقیع تبصرہ لکھا اور اپنے ہفت روزہ اخبار'الفقیہ' امرتسر میں شائع کرایا۔غرض کہ ملک کے طول وعرض سے کتاب کی بھرپور پذیرائی ہوئی۔سنی، غیرسنی، مقلد، غیر مقلد تمام مکاتیب فکر کے اہل علم نے'صحیح البہاری' کوایک شاندار علمی کارنامہ تسلیم کیا۔بیسویں صدی عیسوی کا یہ عظیم الشان حدیثی کارنامہ جو سواد اعظم کی اہم ترین نصابی ضرورت بھی ہے۔آج پھر اہل سنت و جماعت کی خاص توجہ کا طالب ہے۔اس حوالہ سے کچھ اہم اشارے ہم نے اپنے مضمون'ملک العلما کی اولیات......ایک چشم کشا تحریر' میں لکھ دیئے ہیں۔ جو روز نامہ اردو ٹائمز ممبئی ۳ر۴رجولائی ۲۰۰۸ء میں دو قسطوں میں شائع ہوا۔

اہل نظر نے فون کیے، خطوط لکھے، دعاؤں سے نوازا، تأثرات کا اظہار کیا۔یہ سلسلہ ممبئی، اطراف ممبئی، بھیونڈی، کلیان، مالیگاؤں، اورنگ آباد، پونے ،شولاپور، گلبرگہ، ناگپور تک دراز تھا۔ ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ ماہنامہ جام نور دہلی شمارہ اگست ۲۰۰۸ء میں چھپ کر جولائی ہی میں حلقۂ علم تک پہنچا۔اس میں مذکورہ مضمون بھی تھا۔پھر اظہار پسندیدگی کا سلسلہ مہاراشٹرا سے نکل کر اطراف ہندتک پھیل گیا۔ جو دہلی، لکھنؤ، اعظم گڑھ، علیگڑھ، پٹنہ، کلکتہ، مدھیہ پردیش، راجستھان، لاہور، بہاول پور، کراچی، حتی کہ انگلینڈ سے

فونس آئے۔ ہر ایک کی زبان پر کلمات تحسین تھے۔ بہتوں نے کہا: 'صحیح البہاری' ہے کہاں، اس پر کام ہونا چاہئے، وہ جماعت اہل سنت کی شان ہے، چھپ کر داخل نصاب ہو جائے، تو اہل سنت کا سر فخر سے اونچا ہو جائے۔ غرض جتنے منہ، اتنی باتیں تھیں۔ مجھے للک تھی، اہل علم کی پر خلوص، پر درد باتوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

☆ علیگڑھ سے پروفیسر مختار الدین احمد نے کہا: مضمون میں انتہائی انفرادیت ہے۔ ملک العلما کا ایک نیا تعارف سامنے آیا۔ دل خوش کر دیا، خدا آپ کو خوش رکھے۔

☆ دہلی سے مولانا ارشاد نعمانی نے کہا: آپ صحیح سمت پر کام کر رہے ہیں، آپ کے اسلوب نے نوجوانوں کو گرویدہ بنالیا ہے، ملک العلما کے مضمون میں جن حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے، یہ اپنی نوعیت کا منفرد مضمون ہے، ملک العلما کی شخصیت و تصانیف پر کام ہونا چاہئے۔

☆ مالیگاؤں سے مولانا غلام مصطفیٰ رضوی نے کہا: مضمون تو پڑھتے ہی رہتے ہیں، مگر آپ کے مضمون میں نئی باتیں، نئے پہلو سامنے آتے ہیں، ان مضامین کو کتابچوں کی شکل میں چھپنا چاہئے۔

☆ مراٹھواڑہ یونیورسٹی اورنگ آباد کے ریسرچ اسکالر جناب محمد حسین مشاہد رضوی نے پورا ایک مضمون ہی لکھ کر بھیج دیا۔ ملک العلما کو رضویاتی مشن کا موسس اول قرار دیا۔

☆ ناگپور سے پیر طریقت حضرت مفتی عبدالحلیم صاحب نے خط لکھا: جام نور میں آپ کا مضمون پڑھا، دل خوش ہو گیا، آپ کی اپیل سے پہلے ہی میں نے تحریک دعوتِ اسلامی کے تمام اداروں میں 'صحیح البہاری' کو داخل نصاب کر دیا ہے۔

☆ مناظر اہل سنت فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب رضوی نے فرمایا: 'صحیح البہاری' کب سے جامعہ نوریہ شاہم پور مالدہ میں ہم نے شامل نصاب کر رکھا ہے۔

☆ پٹنہ سے ڈاکٹر حسن رضا پی ایچ ڈی نے کہا: آپ نے اہم نکتہ اٹھایا ہے، 'صحیح البہاری' تو جب چھپی تھی، تبھی مصنف کے مادر علمی دارالعلوم منظر اسلام بریلی اور مدرسہ اہل سنت و جماعت جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں داخل نصاب تھی۔ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ میں آج بھی داخل نصاب ہے، مدارس اہل سنت میں بھی داخل نصاب ہونا چاہئے۔

☆ لاہور سے علامہ اقبال احمد فاروقی نے فرمایا: آپ جب لکھتے ہیں، دل خوش کر دیتے ہیں، یہاں، جہانِ رضا' اور دیگر رسالوں میں یہ مضامین دوبارہ شائع ہو رہے ہیں۔ قارئین آپ کو نہایت دلجمعی سے پڑھتے ہیں۔ ہاں جی! خدا آپ کو خوش رکھے، اچھا رکھے، کیا ہی اچھا ہو۔ پروفیسر مختار الدین احمد اور آپ مل کر کام کریں۔ صحیح البہاری پر کام کریں۔ حیات ملک العلما پر کام کریں۔ ملک العلما کی سوانح حیات اب تک نہ لکھی گئی، نہ سامنے آئی۔ ملک العلما گم گشتہ گوہر آبدار ہیں، اسے باہر لائیں۔ اچھا جی! اللہ حافظ، فی امان اللہ۔

☆ بمبئی سے مفتی اشرف رضا صاحب قادری نے فرمایا: آپ نے بڑا اچھوتا مضمون لکھا ہے، صحیح البہاری کا پوائنٹ سب سے اہم ہے۔ اس پوائنٹ پر پیش رفت ہونی چاہئے۔ خدا زور قلم اور زیادہ کرے۔ صحیح البہاری کو داخل نصاب ہونا ہی چاہئے۔

☆ پونے سے پروفیسر ڈاکٹر سعید احسن قادری نے کہا: آپ نے اچھا قدم اٹھایا ہے، ماہنامے عام حلقوں تک نہیں پہنچ پاتے، جب کہ اخبارات قریب سبھی لوگ پڑھتے ہیں۔ آپ یہ سلسلہ جاری رکھیں، تاکہ عوام و خواص علمائے اہل سنت کے حالات و خدمات سے واقف ہوں۔ ملک العلما کا تعارف جس انداز سے آپ نے کرایا ہے، وہ مسرت کن بھی ہے اور واقعی چشم کشا بھی۔

☆ ناگپور سے علامہ سید شاہ محمد حسینی صاحب نے فرمایا: اخبارات میں چھپنے چھپانے کا یہ سلسلہ جو آپ نے شروع کیا ہے، نہایت خوب اور مفید ہے۔

علمائے اہل سنت کا تعارف آپ بہت ہی حسین پیرایہ میں کراتے ہیں، اس طرح ہمارے علما کے حالات و خدمات سے ہر حلقہ کے لوگ واقف و آگاہ ہو جاتے ہیں۔ ملک العلما کے جن پہلوؤں پر آپ نے روشنی ڈالی ہے، حقیقتاً وہ قابل توجہ ہیں۔ خدا آپ کو صحت و

سلامتی سے رکھے، عمر و عمل میں برکت عطا فرمائے۔

☆ بلاس پور، چھتیس گڑھ سے علامہ محمد منصور فریدی کا فون آیا، کہا: آپ جس موضوع پر لکھتے ہیں، حق ادا کرتے ہیں۔ قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری پر جس خوبصورت اسلوب میں آپ نے مضمون لکھا ہے، طبیعت باغ باغ کر دیا ہے۔ میں خود فیضی ہوں، مدرسہ فیض العلوم جمشید پور میں پڑھا ہوں۔ واقعی آپ نے چند جملوں میں ان کی متحرک زندگی کا نقشہ سامنے کر دیا ہے۔ ملک العلما پر مضمون پڑھ کر ابھی اٹھا ہوں، ایک نئے جہاں، نئے آفاق سے آشنا ہوا ہوں۔ دبی ہوئی ہستیوں کے چہروں سے جب آپ پردے ہٹاتے ہیں، تو وہ چہرے دمکنے لگتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ ملک العلما کی ذات اور ان کی عظیم خدمت 'صحیح البہاری' پر توجہ نہیں دی گئی۔ آپ چاہیں، تو یہ کام ہو سکتا ہے۔ خدا آپ کو حسد اور نظر بد سے بچائے رکھے، تاکہ سنیت و رضویت پر خوب خوب کام ہو سکے۔

☆ کلیان سے مولانا محمد مسعود رضا نے فون پر کہا: آج ۴؍جولائی ہے، آج کا دن میرے لیے یادگار ہے، ملک العلما کی حیات و خدمات کو آپ نے جس انداز میں اجاگر کیا ہے، ہماری آنکھیں کھول دی ہیں۔ ملک العلما پر آپ کتاب لکھ دیں، چھاپنے کی ذمہ داری ہماری ہے۔

کہاں تک لکھوں، یہ جو کچھ لکھا، آنے والے فون پر کی جانے والی باتوں کا نصف حصہ بھی نہیں، ایک ثلث بھی نہیں۔ مختصر یہ کہ اپنے زمانہ کی سب سے زیادہ مشہور و ممدوح کتاب 'صحیح البہاری' کی جدید ترتیب و تخریج اصول تدوین کی روشنی میں ہونی چاہیے اور حسن طباعت کے بعد مدارس اہل سنت کے نصاب میں داخل کر لینی چاہیے۔ یہ ضرورت بھی ہے اور زمانہ کا تقاضہ بھی۔ اب آیئے اُس زمانہ کے جید علما و مشائخ اور صاحبان فکر و قلم کی گراں قدر تحریریں اور تبصرے پڑھیے۔

حضرت مولانا سید شاہ محی الدین صاحب قادری، پھلواری شریف رقم طراز ہیں:

میں نے اس کتاب موسوم بہ 'جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری' کے مقدمہ و اکثر مقامات کو دیکھا بحمد اللہ کہ یہ تصنیف مذہب حنفیہ پر اغیار کے اس غلط الزام کا کہ لوگ اقوال منصوصہ کو چھوڑ کر اقوال امام اعظم پر عمل کرتے ہیں، بہت کافی و شافی جواب ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ...... اور اہل انصاف پر روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ تقلید امام ابو حنیفہ کس نیت سے ہے اور یہ کہ اس تقلید کو شخصیت پرستی سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ خدا پرستی و اتباع رسول کا اصلی ذریعہ ہے۔ اللہ پاک مصنف کو جزائے خیر عطا کرے اور اس عمل کو ان کے درجۂ قبولیت بخشے اور اس کتاب کو مقبول خاص و عام کرے۔ آمین ثم آمین

محمد محی الدین قادری پھلواروی

۱۸؍صفر روز جمعہ ۱۳۵۱ھ

☆☆☆

حضرت مولانا حکیم سعید الرحمٰن خان صاحب ارشد تلامذہ مشہور محدث مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی پیلی بھیت لکھتے ہیں:

مولانا المحترم زیدت معالیہم۔ پس از سلام مسنون۔ جامع الرضوی کی تالیف سے آپ نے مسلک حنفیہ و مذہب حنفیہ کی وہ عدیم النظیر خدمت کی ہے، جس کا صلہ خدائے تعالیٰ آپ کو دارین میں عطا فرمائے گا۔ حقیقتاً یہ ایک بڑی کمی تھی، جس کی جانب تعجب ہے کہ اس سے قبل ہمارے علمائے کرام نے توجہ نہ فرمائی، کل امر مرھون باوقاتہ اس خیر کے جاری کے لیے مصلحت الٰہی میں یہی وقت مقرر اور اس نعمت عظمیٰ سے آپ کا مشرف ہونا مقدر تھا ؎

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اپنی خوش نصیبی پر آپ کو ناز اں ہونے اور علما کو غبطہ کرنے کا موقع ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی سعی کو مشکور فرمائے۔ اصل کتاب جس مقصد کو پیش نظر رکھ کر تالیف کی گئی ہے، اس سے قطع نظر ترتیب اور خاص کر اوائل کتاب میں افادات کے اضافہ نے فوائد و خوبی میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے، جو بجائے خود ایک خاص چیز اور آپ کی جودت و وسعت نظر پر دال ہے۔ کاش مصر وغیرہ ممالک اسلامیہ سے اسکی اشاعت ہوتی تو اس کی شہرت و مقبولیت دنیائے اسلام میں ہوتی۔

خیر طلب سعید الرحمٰن

حضرت مولانا مولوی محمد عبدالقدیر صاحب پروفیسر حدیث وصدر شعبہ دینیات کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن:

امابعد فقیر نے جامع الرضوی المعروف به صحیح البہاری مجلد ثانی مصنفہ مولانا مولوی محمد ظفرالدین صاحب کو دیکھا یہ حدیث کی نہایت اچھی اور جامع کتاب ہے، بحد امکان احادیث کو جمع کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ مذہب احناف کی تائید کا خصوصیت سے لحاظ رکھا گیا ہے، ہر مسئلہ پر اس قدر کثرت سے حدیثیں بیان کی ہیں کہ ضعیف حدیث حسن، حسن صحیح، احادیث مشہور کا مرتبہ حاصل کرلیتی ہے، جولوگ مذہب احناف کومبنی بررائے اور مخالف حدیث سمجھتے تھے۔ اس کتاب کے دیکھنے کے بعد ان کو اپنی رائے بدل لینی پڑے گی۔ خیر اب بھی حق ظاہر ہو جائے اور اس جلیل القدر امام کے متعلق سوئے ظن دور ہو جائے تو الحمدللہ میں خصوصیت سے اس کے مقدمہ کی تعریف کرتا ہوں جس میں بہت سے ضروری فوائد ذکر کئے گئے ہیں، گویا وہ اصول حدیث کا اہم رسالہ ہے، خدائے تعالیٰ مؤلف کو جزائے خیر عطا کرے اور مسلمانوں کو اس کے مطالعہ کی اور شاعت کی توفیق دے۔

وانا الفقیر الی اللہ الغنی عبدالقدیر محمد صدیق الحسنی
پروفیسر حدیث وصدر شعبہ دینیات کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

☆☆☆

حضرت مولانا محمد حیدر شریف صاحب مہتمم امداد المعارف مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن:

و بعد فقد طالعت جزء ثانیا من جامع الرضوی المعروف به صحیح البہاری من اوله الی اخره اجمالا و جدته کتابا انیقا جامعا لجمیع المسائل من الطهارة و جیزا فی علوم الحدیث علی منهج المشکوة و التیسیر مفید الطلبة الحنفیة ثلثا فی الحدیث النبوی علیه الصلوٰة و التسلیم۔ لله ور جامعه فانه لم یال بذل الجهد و السعی فی تهذیبه و ترتیبه و جمعه فطوبیٰ لکم ایها الطلبة بادرو الیها

بذا دینکم علیه فرض علیکم واجب اعلامه
کتبہ محمد حیدر شریف مہتمم لامداد المعارف النظامیہ

☆☆☆

واقف اسرار وحقائق حضرت مولانا حافظ سید شاہ محمد حبیب الحق عمادی قادری سجادہ نشین خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ:

بسم الله الرحمن الرحیم

میں نے مخلصی مولوی شاہ محمد ظفرالدین صاحب کی کتاب صحیح البہاری کو بنظر غور دیکھا اور اس کو ایک نہایت مفید کتاب پایا، عام طور سے حضرات اہل حدیث یہ کہا کرتے ہیں کہ مسلک حنفی کا دار و مدار صرف حضرت امام اعظم یا ان کے چند شاگردوں کی رایوں پر ہے اور اس کو احادیث سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کتاب نے اس خیال کو غلط ثابت کر دکھایا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دور کے بزرگ ہیں، جب کہ اکابرین جمع حدیث کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتے تھے اور کتاب اللہ سے بعد اسوۂ حسنہ نبویہ فتوے دیا کرتے تھے۔ احادیث کی چھان بین نہایت حزم و احتیاط سے کرتے تھے اور استنباط مسائل خلفائے راشدین اور صحابہ کے اصول پر کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے معتمد علیہ حدیثوں کا کوئی ذخیرہ جمع نہیں فرمایا، اسی طرح حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جمع حدیث سے احتیاط کرنا مناسب سمجھا، لہٰذا جس طرح یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حضرات خلفائے راشدین وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم احادیث سے بے خبر تھے اور فقط اپنی رایوں سے فتوے دے دیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر یہ الزام اصول متقدمین سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ ہمام محترم دوست نے یہ کتاب لکھ کر اس بات کو واضح کر دیا کہ مسلک حنفی کا کوئی جزیہ بھی حدیث کے خلاف نہیں۔ فشکر الله مساعیه و جزاه الله عنا و عن جمیع المسلمین جزاء حسنا۔

امید ہے کہ علمائے کرام وطلبہ دین خیر الانام اس کتاب سے حظ وافر اور فائدہ متکاثر اٹھائیں گے اور ہمارے مخلص کی محنت

دنیا میں مشکور اور عاقبت میں ماجور ثابت ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

خادم الطلبہ خاکپائے درویشاں
فقیر محمد حبیب الحق غفر اللہ ذنوبہ عمادی

☆☆☆

جامع علوم عقلیہ ونقلیہ واقف آثار وسنن جناب مولانا حاجی سید اصغر علی جعفری، پٹنہ

کتاب مستطاب صحیح بہاری معروف بہ جامع رضوی، اخبار و آثار کا ایک جدید و مفید مجموعہ ہے، جس کے جامع و مولف جناب مولانا ظفر الدین صاحب ابقاہ اللہ تعالیٰ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے استاذ الحدیث ہیں۔ مولانا نے اس کتاب کی تالیف و تدوین میں مذہب حنفیہ کی (جس کے مقلدین و متبعین کی تعداد، دین اسلام کے ہر دوسرے فرقے سے زیادہ ہے) ایک لازوال اور بے نظیر خدمت انجام دی ہے، جو انشاء اللہ ہمیشہ باقی رہے گی اور جس سے اہل علم آئندہ زمانوں میں ہمیشہ استفادہ اور روشنی حاصل کرتے رہیں گے۔

مذہب حنفی پر مخالفین کا سب سے زیادہ مشہور اور کارگر اعتراض یہ رہا ہے کہ اس مذہب کی بنیاد ائمہ مجتہدین کی رائے و قیاس پر ہے جو بیشتر احادیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و آثار صحابہ و تابعین کے خلاف ہیں اور جہاں کہیں اخبار و آثار سے استدلال کیا گیا ہے، وہ عموماً بمقابلہ دلائل مذہب شافعی وغیرہ دوسرے مذاہب اہل سنت کے ضعیف اور بہ لحاظ اصول روایت نا قابل استناد ہیں۔

مولانا نے یہ کتاب لکھ کر علما و اعلام حنفیہ کے اس دعوے کو کہ احادیث و آثار کے اطاعت و اتباع میں مقلدین مذہب حنفی اعتقاداً و عملاً دونوں طرح مذہب اہل سنت کے ہر دوسرے فرقے سے آگے اور پیش پیش ہیں، نہ صرف ثابت و مبرہن بلکہ ایک اعتبار سے محسوسات کی طرح بدیہی بنادیا۔

حدیث کی مقبول و متداول کتابیں زیادہ تر ان علما کی جمع و تالیف کی ہوئی ہیں جو حنفی المذہب نہیں تھے اور اس لیے ان کتابوں میں مختلف فیہ مسائل کے متعلق وہی روایات درج کی گئیں، یا ان کو ترجیح و تقدیم دی گئی جو جامعین کتب کے مسلک کے مؤید تھیں۔ مختارات مذہب حنفی کی بنیاد جن اخبار و آثار پر ہے، ان کا ذکر نہیں کیا گیا، یا کیا گیا تو رد و انکار کے ساتھ اور ظاہر ہے کہ ان مولفین سے اس کے سوا اور کچھ توقع بھی نہیں ہوسکتی تھی۔

علامہ ظفر الدین نے اپنے مذہب کی تائید و تقویت میں بجائے اس کے کہ محض الفاظ کے الٹ پھیر اور دل خوش کن و پر جوش تقریر سے کام لیں، احادیث کا ایک ایسا مجموعہ تیار کیا جس میں ایک طرف وہ تمام روایات جمع ہوں جن پر مذہب حنفی کی عمارت کھڑی کی گئی ہے اور حتی الامکان فقہ حنفی کا کوئی مسلمہ مسئلہ ایسا نہ رہ جائے جس کی سند و استشہاد میں کوئی خبر اور اثر نہ پیش کی گئی ہو اور دوسری طرف مقدمہ لکھ کر روایت نا قابل استناد نہیں ہو جاتی اور نہ اصطلاحاً کسی حدیث کو ضعیف یا موضوع کہنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ روایت قطعاً بے اصل اور نا قابل اعتماد ہے، بلکہ یہ سب الفاظ محض فنی اصطلاح کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ فیصلہ کرنا کہ کون سی روایت قابل اعتماد ہے اور کس پر عمل درآمد کیا جاسکتا ہے، مجتہدین وفقہائے امت کا کام ہے۔

ہزار گونہ تحسین و آفرین مولانا کی ہمت اور حوصلہ پر کہ علم دین کے اس دور کساد و خمول میں ایسے صبر آزما اور محنت طلب کام کا عزم کیا۔ اگر اس کتاب کی تدوین اس زمانہ میں ہوئی ہوتی جب دینی حکومت بر سر عروج اور مسلمانوں کا مذہبی و ملکی قانون فقہ اسلامی تھی، تو کوئی شبہ نہیں کہ مصنف کا شمار ائمہ فقہ و حدیث میں ہوتا، آج اگر چہ زمانہ کا رخ پلٹا ہوا ہے، پھر بھی اہل نظر اور اہل تحقیق مولانا کی کاوش کی داد دئے بغیر نہیں رہیں گے اور جو لوگ جزئیات احکام شرعیہ کا سراغ سلف صالحین کے اعمال و رسوم میں لگانا چاہتے ہیں، ان کے حق میں اس جامع کا مطالعہ افادہ سے خالی نہیں ہوگا۔

العبد المفتقر الی رحمۃ ربہ الاکبر
علی اصغر غفر اللہ لہ ولوالدیہ واحسن الیہما والیہ

☆☆☆

حضرت مولانا سید شاہ حیدر ولی اللہ صاحب قادری ناظم دار العلوم لطیفیہ خانقاہ حضرت قبلہ ویلور، مدراس:

اما بعد فقد وصل الينا كتاب داہر و خطاب عاطر من العلامة صاحب التمكين و الجاه ذى الدراية و الانتباه صانه الله تعالى عن الخطا و الاشتباه و اوصل فيضه الى كل من نابى عنه و والاه. اى كتاب كتاب جامع جامع لانحاء مسانيد ماخذ الفقهاء الكرام سيما العلماء الحنفية الجهابذة العظام. فياله من جامع مستغن عن التوصيف و مطالعته للعريف تغنى عن التعرف و التعريف فما احسن تبييه و تنميقه و تهذيبه سيما نهجه فى سياق المتون الاسافلة و الاعالية المتكاثرة المتوالية لاعتضاد البعض ببعضها و سرد طرق الاسانيد بقضها و قضيضها الا انه نبذة ممارام و انموذجة لما قام و اعتنى تبضيفه و تصدى لتاليفه فيا ايها العلماء العظام و الطلباء الكرام و السادة الفخام و قادة الزمام قوموا مؤيدين باشاعته الراغبين الى اجابته بعهد وفاق المصنف لعضد مثياق المؤلف

و لنختم الكلام على ابيات مشتملة على عدة امور مع الارخ

لقد قالوا بعد كتاب الاله
اصح الصحاح صحيح البخارى

فلو طالعوه بنظر عميق
لانصفوا فينا بغير العثار

فلهفا و اسفا على حالهم من
ذہول و تشميرہم بالازار

فقام المحققون فى كل عصر
بتاليف صحف لرد الشرار

فقام بند و ننه من نبيل
حنيف الى الحق كل القرار

مجلده الثانى من سلة
بطبعه شاع بای اشتهار

فبشرى لتباع دين حنفى
بلموا الى مجمع لبحار

و اله و صحبه نجوم الهدايه
بارخين نختم بحمد بارى

فيها اہل علم و اولى وقار
من اہل الحديث فقيه و قارى

و لم ينظر اہل التعصب الى
كالحاطب فى الليل غب النهار

يلوح به كم لهم من دلائل
و كم نامن لولو ذى البحار

على حزب مجتهدين خصوصا
امامنا اعظم اہل افتخار

و ما الفوا جامعا ينبئهم
بماخذ كل بلوح اعتبار

فهاہو كاسمه ظفر الدين
لتائيده قام بذى الفقار

و جاء بفضل الاله كتابا
يلوح عليهم كضوء النهار

صلاة و سلاما على شافعنا
حبيب الاله و بنراس سارى

فقل ذا حواليه فتح مبين
و قل ہذا رف صحيح البهارى

---

٥١ ١٣ھ

سید حیدر ولی اللہ قادری عفی عنہ ناظم دار العلوم لطیفیہ

☆☆☆

مولانا سید شاہ عز الدین صاحب پھلواروی ادیب دار العلوم ندوۃ العلما، لکھنؤ:

ہندوستان میں مدتوں سے یہ ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ کوئی ایسی جامع کتاب لکھی جائے جو حنفیہ کے فقہی مسائل کی حدیث سے تطبیق دے۔ اس موضوع پر متعدد علما نے کتابیں لکھیں، لیکن حنفیہ کی جانب سے حدیث کی بے اعتنائی کا عام خیال جو اہل حدیث علما کی کوششوں سے پیدا ہوگیا تھا، وہ بالکل زائل نہ ہوسکا۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے جناب ذو الفضائل والنہی مولانا ظفر الدین صاحب مدرس ہیأت و حدیث مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ نے ایک ضخیم کتاب (جامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری) بڑی دیدہ ریزی و عرق سوزی سے لکھنا شروع کی، جس کی ترتیب ابواب فقہ پر قائم کی اور ہر مسئلہ کے نیچے اس کی دلیل حدیث سے پیش کی اگر چہ یہ کام مشکل تھا، لیکن مولانا جیسے عزم و ارادہ کے لوگوں کے لیے نہیں۔ بحمد اللہ اس عظیم دفتر کا پہلا حصہ منظر عام پر آگیا ہے۔ حدیث کے بیان میں مصنف نے کسی کتاب کی تخصیص نہیں کی ہے، بلکہ صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب حدیث سے بھی استناد کیا ہے۔ الغرض کتاب نہایت جامع اور حنفیہ کے لیے مفید ہے، علما و طلبا کے لیے یکساں مفید۔ اہل علم حضرات کو اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور تقریباً اس کا ایک نسخہ ہر اہل علم کے گھر میں ہونا چاہئے۔

عز الدین پھلواری شریف

☆☆☆

حضرت مولانا سید شاہ غیاث الدین صاحب رضوی چشتی نظامی فخری شریفی رجہتی علیہ الرحمہ، رجہت گیا، بہار:

جامع الرضوی صحیح البہاری شریف کی زیارت ہوئی، مولانا! واللہ آنکھیں روشن، دل منور ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس محنت و کاوش کے صلہ میں آپ کو محبوب حضرت ختم رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنائے۔ آپ کی حیات میں ترقی دے۔ آپ کے فیوض کی خیر و برکت سے دنیا کو بہرہ مند فرمائے۔ یہ فقیر آپ کی محنت کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہے۔

فقیر سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی عفی عنہ

☆☆☆

مدیرانِ اخبار و رسائل کی قیمتی آرا، اور وقیع تبصرے

مشہور قلمکار مولانا عبد الماجد دریابادی اپنے اخبار 'سچ' لکھنؤ، مورخہ ۱۷ رجون ۱۹۳۲ء میں لکھتے ہیں:

فقہ حنفی ایک بحر ناپیدا کنار ہے، سب کتابیں یکجا کیجائیں تو الماریوں کی الماریاں کیا پورے کے پورے کتب خانے اکٹھے ہو جائیں۔ مگر اکثر کتابوں میں صرف جزئیات احکام مندرج ہیں، صرف بعض نے توجہ اس جانب کی کہ جزئیات کے ساتھ ساتھ ان کے ماخذ ان کے ماخذ قرآن یا حدیث سے بھی درج کئے جائیں، پھر بھی ابھی تک اس سلسلہ میں بہت کچھ کام کرنے کو باقی رہ گیا ہے، اس وقت بڑی ضرورت اس کی تھی کہ جو احادیث نبوی مسلک حنفیہ کی تائید میں ملتی ہیں، انہیں یکجا کر دیا جائے۔ اس لیے کہ مخالفین حنفیہ کا بڑا اعتراض یہی ہے کہ فقہ حنفی کے احکام حدیث سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ مولانا ظفر الدین صاحب قادری نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور جامع الرضوی یا صحیح البہاری کے نام سے ۶ رمجلدات شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ زیر نظر کتاب جلد ۲ کا صرف حصہ اول ہے، جس میں صرف کتاب الطہارۃ کی وہ احادیث جمع کردی گئی ہیں۔ جو ائمہ حنفیہ کی متدل ہیں۔ شروع میں ۲۵۔۲۶ صفحہ کا مقدمہ ہے، باقی حصہ میں اصل کتاب ہے جو بکثرت ابواب میں منقسم ہے۔ فاضل مؤلف کی کوشش ہر آئینہ قابل داد اور تلاش و کاوش بہر نوع مستحق تحسین و آفریں حنفی مدارس کے طلبا کے زیر درس اگر اس قسم کی کتابیں رہیں تو بہت خوب ہو، جن حضرات کو فقہ حنفی سے یہ بدگمانی رہتی ہے کہ وہ سنت نبوی سے الگ اور اس کے معارض ہے، ان کے لیے اس کا مطالعہ انشاء اللہ ضرور نافع ہوگا۔

سید سلیمان ندوی اپنے رسالہ 'معارف' اعظم گڑھ، نمبر ۱، جلد ۳۰، ماہ جولائی ۱۹۳۲ء میں لکھتے ہیں:

مولانا ظفر الدین صاحب مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ نے جو مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے ارشد تلامذہ میں ہیں۔ جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری کے نام سے حدیث کا ایک ضخیم مجموعہ مذہب حنفی کو سامنے رکھ کر تیار کیا ہے، جو فقہی ابواب کی ترتیب پر چھ جلدوں میں تقسیم ہے، اس وقت اس کی دوسری جلد کا پہلا

حصہ پیش نظر ہے، یہ حصہ کتاب الطہارہ کی احادیث پر مشتمل ہے، اس کی ابتدا میں فن حدیث پر حنفی نقطۂ نظر سے ایک بسیط مقدمہ لکھا گیا ہے، یہ علم حدیث وفقہ حنفی کی ایک مفید خدمت انجام دی گئی ہے۔

غیر مقلد عالم ثناء اللہ امرتسری نے اپنے اخبار 'اہل حدیث' امرتسر، ۲۴ر ربیع الاول ۱۳۵۱ھ/ ۲۹ر جولائی ۱۹۳۲ء میں یہ تبصرہ لکھا:

صحیح البہاری یہ حدیث کی ایک جدید کتاب ہے، جو ایک حنفی عالم نے تخریج زیلعی وغیرہ سے ماخوذ کر کے لکھی ہے، یعنی مسائل فقہیہ کی سندات احادیث سے پیش کی ہیں، جیسی مصنف تخریج زیلعی نے کی ہے۔ ہمارے خیال میں حنفیہ کرام میں احادیث کا رواج ہونے سے حنفی، اہل حدیث میں جو خلیج ہے وہ کم ہو جائے گی۔ اس لیے فاضل مصنف کی محنت قابل داد ہے۔

ایڈیٹر ماہنامہ 'ندیم' گیا، بہار نے شمارہ اگست ۱۹۳۲ء میں یہ تبصرہ لکھا:

عرصہ سے اس امر کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ جس قدر احادیث مذہب احناف کی مؤید ہیں۔ تمام کتابوں سے ان سب کو انتخاب کر کے ایک جگہ جمع کیا جائے اور مناسب ترتیب وعمدہ تبویب کے ساتھ کتابی شکل میں ان کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے، جس سے اس غلط پروپیگنڈے کا پورے طور پر ازالہ ہو سکے۔ جو بعض لوگوں نے پھیلا رکھا ہے کہ امام صاحب کو صرف ۱۷ حدیثیں معلوم تھیں اور فقہ حنفی کا دارومدار فقط ذاتی رائے اور قیاس محض پر ہے۔ الحمد للہ کہ ہمارے صوبہ کے مشہور عالم جناب مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی نے اس کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور اس اہم مفید کتاب (جامع الرضوی معروف به صحیح البہاری) کو چھ جلدوں میں مرتب فرمایا۔ کتاب کا اہدا وانتساب صوبہ کے علم دوست وزیر تعلیمات آنریبل خان بہادر سرسید محمد فخر الدین صاحب کی طرف کر کے دانشمندی کا ثبوت دیا گیا ہے اور جس طرح فتاوی عالمگیریہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے عہد سلطنت کی بہترین یادگار ہے، اسی طرح یہ گنجینہ جامع الرضوی عرف صحیح البہاری آنریبل سرسید فخر الدین وزیر تعلیمات صوبہ بہار کے عہد وزارت کی بیش بہا یادگار ہوگی، جو ان کے نام کو اسلامی دنیا میں زندہ رکھے گی۔

مولانا حکیم معراج احمد قادری اپنے اخبار 'الفقیہ' امرتسر ۶ر جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ/ ۷/ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں لکھتے ہیں:

صحیح البہاری بطرز صحیح البخاری مصنفہ جناب مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی مدت فیوضہ یہ کتاب چھ جلدوں میں مرتب کی گئی ہے۔ مصنف علام نے سر دست اس کی دوسری جلد چھپوا کر شائع کر دی ہے، جس کی ضخامت ۲۲۰ صفحہ سائز ۲۲x۲۹ کاغذ ڈی دبیز لکھائی چھپائی خاصی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ علمائے حنفیہ کا جمود حد سے متجاوز ہو چکا ہے۔ عربی میں سلسلہ تصانیف کو ضرورت زمانہ کے مطابق انہوں نے بند کر دیا ہے۔ حالاں کہ مذہبی نقطۂ خیال سے اس کی سخت ضرورت تھی۔ کیوں کہ ابتدائی طالب العلم کے دماغ میں ابتدائی تعلیم کا اثر قائم رہتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج کل ہر طرف سے یہ آوازیں کسی جارہی ہیں کہ مذہب حنفی کی بنیاد احادیث ضعیفہ یا روایات موضوعہ اور صرف قیاس پر قائم ہے، اسی ناقابل شنوائی آواز سے متاثر ہو کر مولانا ممدوح نے اپنے حنفی بھائیوں کے سامنے عربی میں ایک عربی نصاب تعلیم پیش کیا ہے، جس میں وہ تمام احادیث درج کی گئی ہیں، جو مختلف کتابوں سے ہم کو تلاش کرنی پڑتی تھیں۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

سر دست مولانا ممدوح صرف جلد ثانی کی اشاعت پر جزوی طور پر قادر ہو سکے ہیں، ہماری کمال خوش نصیبی ہوگی کہ کسی دن ہم اس کتاب کی تمام جلدیں اپنے سامنے دیکھ لیں گے۔ مولانا ممدوح نے اس میدان میں بڑی جرأت کے ساتھ قدم اٹھایا ہے، اس لیے ہر ایک اہل علم حنفی بھائی کا فرض مذہبی ہے کہ سر دست اس کی دوسری جلد ہی خرید کر کے لطف اٹھائیں اور ان تمام زحمتوں سے فارغ ہو جائیں۔ جو اپنے مسئلہ کی تلاش میں بڑی بڑی کتابوں کی ورق گردانی کرنے میں برداشت کیا کرتے تھے اور جو حنفی بھائی عربی داں نہیں ہیں، ان کا بھی فرض منصبی ہے کہ کم از کم اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اس سلسلہ کی اشاعت بدستور جاری رہے، اس کے خریداروں میں شامل ہو جائیں اور ذی وسعت احناف کو واجب ہے کہ اس کتاب کے بہت سے نسخے خرید کر ان عربی داں طالب علموں میں تقسیم کر دیں جو اس سلسلہ سے وابستگی رکھتے ہیں اور خرید نہیں سکتے۔ واللہ الموفق ☆☆☆☆☆☆

رضویات

امام احمد رضا اور مشائخ مارہرہ مطہرہ

5

سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمی

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم علیہ و علی الہ و صحبہ افضل الصلوۃ و التسلیم

سادات مارہرہ نے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کو اتنا ٹوٹ کر چاہا کہ انہیں "چشم و چراغ خاندان برکات" کا لقب عطا فرمایا اور یہیں سے بریلی شریف کے عقیدت مندوں کے دلوں میں یہ تأثر گھر کر گیا کہ مارہرہ کو اپنی شہرت اور مقبولیت کے لیے بریلی کی ضرورت پڑتی ہے۔ کچھ حضرات تو یہ کہتے ہوئے بھی سنے گئے کہ مارہرہ کو سارا فیض بریلی سے ملا ہے۔ جو لوگ مارہرہ اور بریلی کے رشتوں کی ماہیت سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ دو نام ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ نہ بریلی مارہرہ سے الگ ہے، نہ مارہرہ بریلی سے الگ ہے۔

بریلی کے معزز پٹھان گھرانے میں پیدا ہوئے، احمد رضا علم و فضل کے جملہ لوازمات سے لیس ہونے کے بعد نسبت کی تلاش میں نکلے۔ اس وقت ہند میں کتنے ہی ایسے گھرانے تھے جن کے پاس علم و فضل بھی تھا اور نام و نسب بھی۔ کچھوچھہ شریف، دلی، مرادآباد، بدایوں، پھپھوند، حیدرآباد، اجمیر شریف کتنے ہی گھرانے تھے جو روحانیت کے آسمان پر سورج کی طرح چمک رہے تھے۔ احمد رضا کہیں سے بھی فیض حاصل کر سکتے تھے۔ مگر ان کی دوربیں نگاہوں نے ضلع ایٹہ کے ایک چھوٹے سے قصبے کا انتخاب کیا جہاں درویش صفت نبی زادے اپنے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آبرو سنبھالے حجرہ نشین تھے۔ تھے بھی وہ آل رسول اور نام بھی ان کا آل رسول۔ یہ وہ قادری مسند تھی جہاں بغدادی و اجمیری دو آتشہ چھن رہی تھی۔ مارہرہ کے سادات کی سب سے بڑی خصوصیت تھی ان کا عالی نسب جو حسینی خاندان کی سونے کی کڑیوں سے جڑا ہوا تھا۔ جس میں سونے کے علاوہ کسی اور دھات کا ٹانکا نہیں تھا۔ اعلیٰ حضرت کو معلوم تھا کہ یہ وہ خاندان ہے جس نے اپنے شجرۂ نسب کو ہر قسم کی ملاوٹ سے اب تک محفوظ رکھا ہے۔ جو اپنے بیٹوں یا بیٹیوں کی شادی صرف انہی خاندانوں میں کرتے ہیں جو انہی کی طرح مضبوط اور

برکاتی ہاؤس، تیسرا منزلہ، باوانگلی، ممبئی۔ ۹

مسلسل نسب نامہ رکھتے ہیں۔ مارہرہ کا خاندان نجیب الطرفین سادات کا خاندان ہے۔ اعلیٰ حضرت نے سادات مارہرہ کے طریقتی شجرے کو بھی بڑے غور سے دیکھا تھا۔ سبحان اللہ! چشتیت ایسی کھری کہ ان کے جد اعلیٰ کو قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے براہ راست ملی۔ قادریت ایسی انمول کہ ایک طرف پیر سے مرید کو بخشا ہوا سلسلہ دوسری طرف باپ سے بیٹے کو عطا کیا ہوا سلسلہ۔ گویا سونے پر سہاگہ!

اعلیٰ حضرت کو یہ بھی معلوم تھا کہ سادات مارہرہ کا یہ وہ مقدس گھرانہ ہے جسے سرکار بغداد غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے یہ بشارت دی گئی ہے: یہی پیام یہی رسالہ، کھیو برکات مارہرہ والا۔ ساتھ ہی حضور تاج دار جیلاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تسبیح کے سات منکے (دانے) حضرت بوعلی شاہ قلندر کی معرفت تاج دارِ مارہرہ حضور شاہ برکت اللہ قدس سرہ کو بھجوائے اور سات منکوں کی صورت میں سات اقطاب کی بشارت دی۔ ان اقطاب میں سے پانچ اقطاب سے اعلیٰ حضرت اچھی طرح واقف تھے یعنی حضور سیدنا شاہ برکت اللہ قدس سرہ، حضور سیدنا شاہ آل رسول محمد سرکار کلاں قدس سرہ، حضور سیدنا شاہ حمزہ عینی قدس سرہ، حضور سیدنا شاہ آل احمد اچھے میاں قدس سرہ، حضور سیدنا غلام محی الدین امیر عالم قدس سرہ اور اعلیٰ حضرت کو یہ بھی یقین کامل تھا کہ سرکار بغداد کی بشارت پوری ہو کر رہے گی اور اسی خاندان میں دو قطب اور ہوں گے۔ ایسا ہی ہوا۔ خاتم الاکابر حضور سیدنا شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ اور حضور سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ نے اس سلسلے کو پورا کیا۔ آج دنیائے طریقت میں مارہرہ شریف غالباً وہ واحد آستانہ ہے جہاں ایک ہی چھت کے نیچے سات اقطاب آرام فرما ہیں۔ فللہ الحمد!

اس طرح ہم نے دیکھا کہ اعلیٰ حضرت نے اپنا سودا کرنے کے لیے ایک ایسی نورانی دوکان کو منتخب فرمایا جہاں کا بھاؤ اس وقت دنیائے سنیت میں سب سے اونچا تھا۔ جس وقت اعلیٰ حضرت اپنے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں کے ہمراہ حضور اچھے میاں قدس سرہ کے مکان کے حجرۂ سجادگی میں داخل ہوئے اور تخت احمدی پر براجمان تاج دار مارہرہ شاہ آل رسول احمدی کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھے، اس وقت کسے خبر تھی کہ جو نوجوان آج بیعت کی غرض سے حاضر ہوا ہے وہ بیعت کے علاوہ اور بہت کچھ لے کر اس حجرہ سے نکلے گا۔ بیعت کے بعد کے واقعات میں اکثر غلو کی آمیزش پائی جاتی ہے، لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ مثلاً شاہ آل رسول نے اعلیٰ حضرت کو بیعت کرنے کے بعد فرمایا مجھے بہت دنوں سے اپنے نجات کی فکر دامن گیر تھی، الحمد للہ: آج وہ فکر دور ہو گئی۔ گویا بریلی کے مولانا احمد رضا خاں قطب مارہرہ شاہ آل رسول احمدی کے لیے نجات دہندہ بن کر آئے تھے۔ اصل واقعہ صرف اتنا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو بیعت کرنے کے ساتھ ساتھ حضور خاتم الاکابر نے انہیں خاندان کی تمام خلافتوں، اجازتوں اور وظائف و اوراد سے بھی نواز دیا۔ جب حضور خاتم الاکابر کے بھتیجے اور خلیفہ حضور سید شاہ حسین حیدر کو معلوم ہوا تو انہوں نے دبی زبان سے پوچھا: ہمارے خاندان کا تو یہ وطیرہ رہا ہے کہ خلافت دینے سے پہلے سالہا سال مجاہدہ کرایا جاتا ہے اور طالب، ریاضت و مجاہدے کی بھٹی میں تپ کر کندن بن کر نکلتا ہے تب اس کے سر پر خلافت کا تاج رکھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس آپ نے بریلی کے ان صاحبزادے کو کسی بھی طرح کے مجاہدے کے بغیر ساری خلافتیں اور اجازتیں عطا کر دیں! خاتم الاکابر مسکرائے اور فرمایا: اور لوگ میلا کچیلا زنگ آلود دل لے کر آتے ہیں، اس کے تزکیہ کے لیے ریاضت و مجاہدے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مصفّٰی و مزکّٰی قلب لے کر آئے؛ انہیں ریاضت و مجاہدے کی کیا ضرورت تھی؟ انہیں صرف نسبت کی ضرورت تھی، سو وہ ہم نے دے دی۔ اس کے بعد حضور خاتم الاکابر نے وہ مشہور و معروف جملہ ارشاد فرمایا "ایک عرصہ سے یہ فکر لاحق تھی کہ بروز حشر اگر احکم الحاکمین نے سوال فرمایا کہ آل رسول تو ہمارے لیے کیا لایا، تو میں کیا پیش کروں گا؟ مگر خدا کا شکر ہے کہ آج وہ فکر دور ہو گئی۔ اب حشر میں رب پوچھے گا: اے آلِ رسول! ہمارے لیے کیا لایا؟ تو کہہ دوں گا: احمد رضا کو لایا۔" ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ روایتوں کے تضاد نے اصل واقعہ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا۔

حضور خاتم الاکابر شاہ آلِ رسول احمدی نے اپنے ولی عہد سید شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ کو اس موقع پر ایک وصیت فرمائی

جس سے ۲۲ رسال کی عمر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی جملہ علوم و فنون میں مہارت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ نے فرمایا ''دیکھو اب ہمارے خاندان کے اکابر کی جو کتابیں شائع ہوں ان دونوں عالموں (مولانا احمد رضا اور مولانا عبدالقادر بدایونی) کو دکھائی جائیں اور یہ جیسی اصلاح کریں قبول کی جائے پھر اشاعت ہو۔''

حجرۂ سجادگی میں بیعت ہونیکے بعد جب اعلیٰ حضرت باہر تشریف لائے تو خانقاہ کے خدام انہیں دیکھ کر بے اختیار اسم ذات (اللہ اللہ) کا نعرہ لگا بیٹھے۔ خانقاہ کی روایت کے مطابق خدام یہ نعرہ صرف صاحب سجادہ کو دیکھ کر لگاتے تھے۔ آج یہ کیا ہوا کہ بریلی کے نوجوان کو دیکھ کر خدامِ خانقاہ اپنی روایت فراموش کر بیٹھے۔ بات یہ تھی کہ جس وقت اعلیٰ حضرت حجرہ سے باہر آئے ان کی شکل و شباہت ہو بہو شاہ آلِ رسول کی جیسی تھی، اسی لیے خدام بارگاہ مرید پر شیخ کا دھوکہ کھا گئے اور بے ساختہ اسم جلالت بلند کر بیٹھے۔ سبحان اللہ! شاہ آل رسول نے علم و فضل سے مالا مال اپنے مرید کو اپنی ایسی نسبت عطا فرمائی کہ رات دن خدمت میں حاضر رہنے والے نمک خوار ایک لمحہ کے لیے پہچان نہ سکے کہ کون آقا ہے اور کون غلام!

یہاں ایک اور بات غور طلب ہے کہ حجرۂ سجادگی میں اعلیٰ حضرت اور ان کے والد ماجد ساتھ ساتھ داخل ہوئے تھے۔ شاہ آلِ رسول احمدی نے دونوں کو ایک ساتھ ہی بیعت کیا تھا، مگر خلافت کا شرف صرف احمد رضا کو ملا جب کہ والد مولانا نقی علی خاں بھی علم و فضل کے آسمان پر سورج کی طرح چمک رہے تھے۔ دراصل شاہ آلِ رسول احمدی کی دور رس نگاہوں نے اپنی مومنانہ فراست سے یہ دیکھ لیا تھا کہ بریلی کا یہ نوجوان کل دنیائے سنیت کا مجدد اور علوم ظاہری و باطنی کا امام بن کر چمکے گا اور اس کے سر پر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نیابت کا تاج رکھا جائے گا۔ نظمی اپنی ایک نظم میں کہتا ہے:

یہی تھے وہ خاتم الاکابر
کہ جن کے ہاتھوں بکے بریلی کے خان زادے
مرید احمد رضا تھے ایسے
کہ جن پہ نازاں تھے ان کے مرشد
یہی وہ احمد رضا تھے جن کو
علوم ظاہر، علوم باطن میں سب نے اپنا امام مانا
انہیں کی تقلید اس زمانے میں
سنیت کی کسوٹی ٹھہری
انہوں نے دنیا کو یہ بتایا
کہ پیر کا احترام کیا ہے
انہوں نے شعر و سخن کے میداں میں
نعت گوئی کا ایک اچھوتا شعور بخشا
رضا کے موئے قلم نے
نجدی ملاعنہ کے حواس پر بجلیاں گرائیں
''حسام الحرمین'' ذوالفقار علی کی صورت
چلی سپاہِ وہابیہ پر
سکھایا احمد رضا نے دنیا کو
حق و باطل میں فرق کرنا
یہ فیض آلِ رسول کا تھا

امام احمد رضا نے دنیا میں اعلیٰ حضرت خطاب پایا۔

میں آج بھی یہی سوچتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا احمد رضا خاں محقق بریلوی کو کیسا غیر معمولی ذہن عطا کیا تھا کہ علوم عقلیہ و نقلیہ کے علاوہ فلسفہ، ریاضی و ہیئت، فقہ، اصول فقہ، فن رجال، تفسیر، تصوف، کلام، منطق، تاریخ و سیر، قرآن و حدیث تقریباً ۵۴ رعلوم میں اتنا کچھ سرمایہ عطا کیا کہ دنیا انہیں علوم ظاہر و باطن کا امام ماننے پر مجبور ہوگئی۔ اپنے تو اپنے، غیروں نے بھی اعلیٰ حضرت کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ایک تحقیقی فتوے کو دیکھ کر مکہ مکرمہ کے ایک جلیل القدر عالم مولانا سید اسماعیل بن سید خلیل آفندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) نے فرمایا تھا:

(ترجمہ) خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ بے شک ان علمی جواہر پاروں کو اگر امام اعظم قدس سرہ دیکھتے تو ضرور ان کی آنکھیں ٹھنڈی

ہوتیں اور ان کے مؤلف کو اپنے اصحاب کے
زمرے میں شامل فرما لیتے۔

برصغیر کے روحانی دانش وروں میں امام احمد رضا کا نام سر فہرست آتا ہے۔ مسند افتا پر جلوہ افروز ہیں، سامنے فتویٰ نویس بیٹھے ہیں، بیک وقت کئی کاتبوں کو مختلف زمروں کے فتوے املا کرا رہے ہیں۔ دائیں بازو پر بیٹھے کاتب کو میراث کے فتوے کا ایک پیراگراف لکھاتے ہیں، پھر بائیں طرف بیٹھے ہوئے کاتب کی طرف مخاطب ہوتے ہیں اور اسے حلال وحرام کے فتوے کا ایک پیراگراف لکھواتے ہیں۔ سامنے بیٹھے ہوئے کاتب کو طلاق کے مسئلے پر ایک پیراگراف املا کراتے ہیں۔ ایک اور کاتب کو عقیدے کا کوئی مسئلہ لکھواتے ہیں۔ پھر پہلے کاتب کی طرف لوٹتے ہیں اور وہیں سے املا شروع کرا دیتے ہیں جہاں سے چھوڑا تھا۔ اسی طرح باری باری ہر کاتب کو املا کراتے ہیں۔ مضمون کا تسلسل وہی، کہیں ذرہ برابر کنفیوژن نہیں۔ مکان کے باہر بیٹھک میں متوسلین کا ہجوم ہے۔ لوگ دور دور سے آئے ہیں اور اپنے ساتھ طرح طرح کے مسائل لائے ہیں۔ مگر سوداگران محلّہ کا یہ درویش سب کی تسلی کر رہا ہے۔ مصلّٰی بچھا ہوا ہے، عبادت میں مصروف ہیں۔ مرشد کے آستانے سے جو اجازتیں عطا ہوئی ہیں، انہیں وظیفے کے روپ میں ڈھالا جا رہا ہے۔ کبھی مراقبے میں چلے جاتے ہیں تو مارہرہ شریف ہو کر مدینہ پہنچ جاتے ہیں۔ عبادت سے فارغ ہو کر زمین داری پو توجہ دیتے ہیں۔ کہیں زمین کا مقدمہ ہے، کہیں کھیت کا، کہیں لگان کا، کہیں چک بندی کا، سب کچھ انہی کو دیکھنا ہے۔ ان سارے کاموں کے ساتھ اللہ اور اللہ کے رسول کے دشمنوں سے بھی نپٹنا ہے، ان کی دشنام طرازیوں اور بہتان تراشیوں کا منہ توڑ جواب دینا ہے۔ یہ کیا دماغ ہے کہ ایک ساتھ اتنے بہت سے کام کر رہا ہے اور وہ بھی نہایت نظم وضبط کے ساتھ۔

اعلیٰ حضرتؒ نے دس ہزار صفحات پر مشتمل فتوے لکھے، جنہیں دنیائے سنیت میں ''فتاویٰ رضویہ'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان فتاویٰ کے علاوہ ایک ہزار سے زیادہ کتابیں اور رسائل لکھے۔ ان فتاویٰ اور کتابوں میں اعلیٰ حضرت نے حوالہ کے لیے جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے ان کی تعداد کم و بیش پانچ ہزار ہے۔ ظاہر ہے کہ جن کتابوں کو حوالہ کے روپ میں پیش کر رہے ہیں ان کا مطالعہ بھی ضرور کیا ہوگا اور ان کی عبارتیں ذہن میں محفوظ بھی رکھی ہوں گی۔ اتنی مصروفیات کے بعد وہ کون سا وقت رہا ہوگا جب اعلیٰ حضرت نے عشق رسول میں ڈوبی اپنی شاعری کی ہوگی۔ شاعری بھی کیسی کہ اپنے وقت کے استاد حضرت داغ دہلوی کو کہنا پڑا ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آگئے ہو، سکے بٹھا دیے ہیں

اعلیٰ حضرت نے ہندوستان میں اردو شاعری کو ایک نیا سلیقہ، ایک نیا آہنگ، ایک نیا رنگ، ایک نیا رُوپ عطا کیا۔ انہوں نے شاعری کی سب سے مشکل صنف یعنی نعت کو اپنے شہوار قلم کی جولانیوں کے لیے بطور میدان منتخب کیا۔ انگریزی ادب میں لارڈ ٹینی سن، فارسی میں سعدیؔ شیرازی اور اردو میں جوشؔ کے ذخیرۂ الفاظ کی بڑی دھوم ہے۔ ذرا حدائق بخشش کے اوراق الٹیے، زبان وادب کا ایک سمندر ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی نعتیہ شاعری میں جس رنگ و آہنگ کو پیش کیا وہ دوسروں کے نصیب میں اس لیے نہیں کہ دوسرے یا تو معشوق کی زلفوں کے پیچ وخم میں پھنسے رہ گئے یا غلو ومبالغہ کی دلدل میں دھنسے رہ گئے۔ اعلیٰ حضرت نے جو کچھ لکھا قرآن و حدیث اور بزرگان دین کے اقوال کی روشنی میں لکھا۔ خود فرماتے ہیں ؎

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بیجا سے ہے المنة لله محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

اعلیٰ حضرت کا لکھا ہوا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس کا نام ہے ''الامن و العلی'' اس میں انہوں نے ساٹھ قرآنی آیتوں اور تین سو سے زیادہ احادیث کی مدد سے یہ ثابت کیا ہے کہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلاؤں کو دفع کرنے والے ہیں۔ آج تقریباً ایک صدی ہونے کو آئی، مخالفین میں سے کسی ایک کو بھی اس رسالے کے مشتملات کا رد کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اعلیٰ حضرت نے

مبتدعین زمانہ کے محاسبے اور ان کے سرغنوں کی سرکوبی کے لیے پانچ سو کتابیں لکھیں، جن میں سے ایک کا بھی جواب مخالفین سے نہیں بن پایا۔ اعلیٰ حضرت کو جن علوم پر مہارت حاصل تھی، ان میں درجنوں وہ علوم ہیں جنہیں آپ نے اپنے اساتذہ سے حاصل کیا۔ کتنے ہی علوم وہ ہیں جنہیں اساتذہ کی مدد کے بنا محض اپنی ذہانت کے بل بوتے پر سیکھا تھا۔ کثیر تعداد ان علوم کی ہے جن پر آپ نے اپنی بصیرت و مہارت سے اضافے فرمائے۔ چند علوم وہ ہیں جو پہلے فنی طور پر مدون نہیں تھے، آپ نے انہیں مدون فرمایا۔ ان میں وہ علوم آتے ہیں جو مٹ چکے تھے، آپ نے ان کا احیا فرمایا۔ کچھ علوم ایسے ہیں جنہیں آپ نے خود ایجاد فرمایا۔ اگر یہاں ان تمام علوم کی مثالیں الگ الگ پیش کرنے بیٹھے تو اس کے لیے ایک الگ کتاب ہی لکھنی پڑے گی۔

حضرت مفتی شریف الحق رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اعلیٰ حضرت کے لکھے ہوئے صفحات کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ ہے اور بعض محققین کے مطابق یہ تعداد سولہ لاکھ تک پہنچتی ہے۔

آج بہت سے نام کے سیدزادے اعلیٰ حضرت کا نام سن کر ناک بھوں چڑھانے لگتے ہیں۔ کچھ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ میلاد مصطفیٰ کی محفلوں میں اعلیٰ حضرت زندہ باد کے نعرے کیوں لگائے جاتے ہیں؟ کچھ کا کہنا ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی دہائی کیوں دی جاتی ہے۔ یہ لوگ اعلیٰ حضرت کے نام سے بدکتے ہیں، مگر جب کبھی وہابی اور دیوبندی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اعلیٰ حضرت کی کتابوں سے ہی مدد لینی پڑتی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے سنیوں کو دین کے دشمنوں سے لڑنے کے لیے ہر قسم کا ہتھیار عطا کیا ہے۔

مسلک اعلیٰ حضرت کو بہت کم الفاظ میں بیان کیا جائے تو اس طرح ہوگا:

> ''جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ، پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو، فوراً اس سے جدا ہو جاؤ۔ جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو، پھر وہ کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو، اسے اپنے اندر سے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینک دو۔'' (وصایا شریف)

مارہرہ شریف کے مشائخ کرام کو اعلیٰ حضرت سے ایک عجیب سا لگاؤ تھا اور اعلیٰ حضرت کو اپنے پیر خانے کے ایک ایک فرد سے عشق تھا۔ ان کا یہ شعر صرف اور صرف مارہرہ شریف کے سادات کے متعلق ہے:

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضاؔ
بول بالے میری سرکاروں کے

اعلیٰ حضرت اپنے پیر خانے کا اتنا ادب کرتے تھے کہ مارہرہ شریف کے ریلوے اسٹیشن پر اترتے ہی اپنی جوتیاں اتار کر ہاتھ میں لے لیتے۔ نظمی کہتا ہے

کبھی مرشد کے در پر پاؤں میں جوتا نہیں پہنا
مرید باصفا ہونا، یہ شان اعلیٰ حضرت ہے

اعلیٰ حضرت کو تاج دار مارہرہ حضور سید مہدی میاں صاحب سے بڑا لگاؤ تھا۔ اکثر مارہرہ شریف تشریف لاتے تو حضرت مہدی میاں صاحب کے دولت کدے پر ہی مہمان ہوتے۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ حضور مہدی میاں صاحب کو بادی بواسیر کی تکلیف لاحق ہوئی۔ آپ کے ایک مرید جو حج کر کے لوٹے تھے، مارہرہ آئے تو مرشد کی تکلیف معلوم ہوئی۔ انہوں نے تانبے کا ایک چھلہ حضور مہدی میاں صاحب کی خدمت میں پیش کیا اور کہا: سرکار، یہ چھلہ میں نے وادیٔ احد میں سید الشہدا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آستانہ پر حاضری کے وقت حاصل کیا ہے۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس چھلے کے پہننے سے بواسیر، سفرہ اور بادی جیسی ساری تکلیفوں میں راحت ملتی ہے۔ حضور مہدی میاں کو اس وقت اتنی شدید تکلیف تھی کہ فوراً وہ چھلہ لے کر ہاتھ کی انگلی میں پہن لیا۔ اتفاقاً انہی دنوں اعلیٰ حضرت مارہرہ شریف تشریف لائے اور حضور مہدی میاں کے دولت کدے پر قیام کیا۔ اعلیٰ حضرت کی نظر حضور مہدی میاں کی انگلی پر پڑی تو دیکھا کہ تانبے کا چھلہ پہنے ہوئے ہیں۔ مرشد زادے کا معاملہ تھا۔ اعلیٰ حضرت نے حسن تدبیر سے کام لیا۔ حضور مہدی میاں سے عرض کیا: حضور کچھ دنوں سے مجھے بادی کی شکایت ہے، اگر آپ کوئی دوا تجویز کر سکیں تو عنایت فرمائیں۔ حضور مہدی میاں نے اپنی انگلی سے تانبے کا چھلہ نکالا

اور اعلیٰ حضرت کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا: ایک صاحب نے مدینہ منورہ سے یہ چھلہ ہمیں اسی مرض کی دوا کے لیے لاکر دیا ہے۔ آپ اسے پہن لیجیے۔ اعلیٰ حضرت نے بڑے ادب سے وہ چھلہ لے لیا اور اس وقت دکھانے کے لیے انگلی میں ڈال لیا۔ یہ اعلیٰ حضرت ہی کا کمال تھا کہ اپنے مرشد زادے کو ایک شرعی قباحت سے آزادی بھی دلائی اور انہیں احساس بھی نہیں ہونے دیا۔ اعلیٰ حضرت کا کہنا تھا کہ اہل بیت رسول سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی سید زادے کی کوئی غلطی دیکھے تو اسے گناہ نہ سمجھے، بلکہ یوں سمجھے گویا سید زادے کے دامن پر تھوڑی سی غلاظت لگی ہوئی ہے، جسے دھو کر صاف کیا جا سکتا ہے۔

میرے دادا پیر مجدد برکاتیت حضور سید شاہ ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن صاحب علیہ الرحمہ کو اعلیٰ حضرت سے خصوصی محبت تھی۔ خاندانِ برکات کے مؤرخ حضور تاج العلما سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں قدس سرہ اپنے والد ماجد کا ایک واقعہ یوں درج کرتے ہیں:

بریلی کے رہنے والے ایک صاحب جو خود کو نانا صاحب قبلہ وکعبہ سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قدس سرہ کا مرید بتاتے وہ جب ۱۳۴۳ھ میں حضرت قدس سرہ کے مبارک عرس کی شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے اور اب حالت ان کی یہ تھی کہ وہ وہابی ہو گئے اور اسی بنا پر اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ کو برا کہتے اور ابن سعود نجدی کی بہت تعریفیں کرتے اور شریف حسین مرحوم کے سخت دشمن اور ان کو گالیاں دیتے تھے۔ ان کے اسی ادعائے بیعت و نیاز مندی کے دھوکے میں پڑ کر ہمارے حضرت قدس سرہ کے ایک قریبی عزیز نے، جن سے متعدد قرابتوں کے علاوہ ساتھ رہنے سہنے اور میل جول کے قدیم تعلقات مودت و محبت بھی تھے، ان بریلوی صاحب کو ایام عرس میں اپنے مکان میں ٹھہرایا۔ جب حضرت قدس سرہ کو اس پر اطلاع ہوئی اور وہ عزیز حضرت سے ملے تو حضرت نے اس ٹھہرانے پر اپنی ناراضی و ناگواری بہت صفائی سے ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ سے اور مجھ سے کم و بیش پچاس برس اتفاق رہا۔ اب ایسی کارروائیوں سے افتراق کی صورت نظر آتی ہے۔ محمد میاں سلمہ بھی اگر دین میں مداہنت کرے تو میں اس سے بھی ایسے ہی علیحدہ ہو جاؤں۔

حضور تاج العلما سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں علیہ الرحمہ کو اعلیٰ حضرت سے محبت اپنے والد گرامی مجدد برکاتیت سید شاہ محمد اسماعیل حسن قدس سرہ سے ورثے میں ملی تھی۔ حضور احسن العلما علیہ الرحمہ نے اپنی ایک تقریر میں حضور تاج العلما کے تأثرات کچھ اس طرح پیش کیے ہیں:

میرے خالِ محترم نے لکھا اپنے تذکرۂ خاندانِ برکات میں:

> ''گو کہ مجھے رسمی طور پر مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی سے تلمذ حاصل نہیں ہے، لیکن میں ان کو اپنے بہت سے اساتذہ کے مقابلے میں اپنے حق میں بہتر و برتر مانتا ہوں''

اور اس کی وجہ لکھی:

> ''اس لیے کہ میں ان کا طریقہ تحریر و تقریر میں اپنے بزرگوں کے طریقے کے مطابق پاتا ہوں''

مارہرہ شریف میں اعلیٰ حضرت کا قیام مسجد برکاتی کے سامنے مدرسہ نام کی عمارت کے دالان میں رہتا۔ ایک بار اعلیٰ حضرت مارہرہ شریف تشریف لائے۔ ان دنوں میرے والد ماجد حضور سید العلما علیہ الرحمہ کا بچپنا تھا۔ اعلیٰ حضرت درگاہ شریف حاضری کو گئے ہوئے تھے۔ اس دوران حضور سید العلما باہر آئے اور اس بستر پر لیٹ گئے جو اعلیٰ حضرت کے لیے سجایا گیا تھا۔ درگاہ شریف کی حاضری کے بعد جب اعلیٰ حضرت خانقاہ میں لوٹے تو دیکھا کہ سید میاں ان کے بستر پر براجمان ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے کچھ کہا نہیں، بس پائنتی میں ہاتھ باندھے کھڑے ہو گئے۔ اس بیچ سید میاں کے نانا اور پیر و مرشد حضور سید شاہ ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن عرف شاہ جی میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہاں آ پہنچے، دیکھا کہ ان کا نواسہ بستر پر براجمان ہے اور سنیوں کا پیشوا احمد رضا دست بستہ کھڑا ہے۔ نانا جان نے سید میاں کے پاس جا کر انہیں بستر سے ہٹانا چاہا، مگر اعلیٰ حضرت نے عرض کیا: صاحب زادے کو یوں ہی رہنے دیں حضور، اس غلام کے مرتبے بڑھ رہے ہیں۔

حضور سید میاں علیہ الرحمہ نے اپنی زندگی مسلک اعلیٰ حضرت کی نشر و اشاعت، ترویج و ترقی کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ مسلک

برکاتیت کی نشر واشاعت اور فکر اعلیٰ حضرت کی ترویج وترقی کے لیے سید میاں نے اپنے وطن مالوف کو خیر باد کہا اور ممبئی کو اپنا ٹھکانہ بنایا۔ ملک بھر میں گاؤں گاؤں، قریہ قریہ دورہ کر کے عوام اہل سنت تک دین حنیف کا پیغام پہنچایا۔ ان کا یہ شعر کافی مشہور ہوا ؎

یا الٰہی مسلکِ احمد رضا خاں زندہ باد
حفظِ ناموسِ رسالت کا جو ذمہ دار ہے

حضور احسن العلما سید شاہ حسن میاں قدس سرہ فرماتے تھے "میرا کوئی مرید مسلک اعلیٰ حضرت سے ادھر ادھر ہو جائے تو وہ خود بخود میری بیعت سے نکل جائے گا"۔.......... حضور احسن العلما اعلیٰ حضرت پر اتھارٹی تھے۔ حدائق بخشش پڑھنے اور سمجھانے کا انہی کا حصہ تھا۔ مسجد برکاتی، مارہرہ مطہرہ میں ہر جمعہ کو خطبے سے پہلے آدھا گھنٹہ تقریر کرتے اور اس میں ضروری مسائل سمجھاتے اور مسلک اعلیٰ حضرت کی باریکیاں مارہرہ کے عوام کے سامنے پیش کرتے۔ اعراس کی تقاریب میں بھی ان کی زبان سے زیادہ تر اعلیٰ حضرت کا ہی تذکرہ سننے کو ملتا۔ الحمدللہ! مارہرہ کے اس سید گھرانے کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں جتنا ذکر امام احمد رضا کا ہوتا ہے، اتنا شاید اعلیٰ حضرت کے اپنے خاندان میں نہیں ہوتا ہوگا۔

میرے برادر نسبتی پروفیسر ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم القادری جیلانی لکھتے ہیں:

"ہمارے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کسوٹی تھی اتباع شریعت اور حب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ انہیں خانقاہِ برکاتیہ اس کسوٹی پر خوب جچی، اس لیے کسب فیض کے لیے پا پیادہ حاضر ہو گئے اور ایک ہی ملاقات میں اپنے مرشد برحق خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آلِ رسول قدس سرہ سے وہ کچھ پالیا جس کے بعد وہ مجدد دین وملت اور امام عصر کے منصب پر فائز ہو گئے۔ ہمارے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے پیر خانہ میں علم کی دولت نظر آئی، جس کے بغیر اتباع شریعت کا اہتمام کسی طرح ممکن نہیں۔"

(اہل سنت کی آواز، مارہرہ مطہرہ، شمارہ اکتوبر ۱۹۹۷ء، ص ۲)

کچھ لوگ سادات مارہرہ کی اعلیٰ حضرت کے ساتھ والہانہ محبت کو یہ کہہ کر سمجھانے لگے ہیں کہ مارہرہ کی برکاتیت اپنی بقا کے لیے اعلیٰ حضرت کی بیساکھی کا سہارا لے رہی ہے۔ بیساکھی کا سہارا تو معذور شخص لیتا ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ساداتِ مارہرہ اپنی جسمانی اور روحانی حیثیت سے پورے طور پر صحت مند اور چاق وچوبند ہیں۔ بریلی سنیت کا مرکز سہی، وہ آج بھی اس نسبت کا محتاج ہے جو شاہ آل رسول احمدی نے برسوں پہلے امام احمد رضا کی جھولی میں ڈالی تھی اور بعد میں انہی کے جانشین شاہ نوری میاں صاحب نے اعلیٰ حضرت کو چشم و چراغ خاندان برکات کا لقب عطا کیا تھا۔

ایک دو سال کا عرصہ ہوا، پورے سوراشٹر میں یہ افواہ پھیلائی گئی کہ نظمی اعلیٰ حضرت کے دشمنوں سے مل گیا ہے اور نظمی اور اس کا بیٹا اعلیٰ حضرت کے بارے میں یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر اعلیٰ حضرت آج موجود ہوں تو ہم انہیں خاموش کرا دیں۔ **لعنة الله على الكاذبين** ۔ نظمی تو نظمی اس کے آبا واجداد کی کیا مجال کہ اعلیٰ حضرت کے بارے میں ایسی بات کہہ سکیں۔ اگر اعلیٰ حضرت کا پیر اخانہ ہی ان کا دشمن ہو گیا تو پھر ان کا دوست کون رہے گا؟ نظمی نے اپنے ایک مقطع میں اس فتنے کا ذکر اس طرح کیا ہے ؎

نظمی کو جو رضا کا مخالف کہے، مرتے دم اس کے لب پر نہ کلمہ رہے
ہمہ دانی کا دعویٰ ہے جس شخص کو وہ منافق ہے، جھوٹا، دغا باز ہے

نظمی نے اعلیٰ حضرت کو اپنی روزی روٹی کا ذریعہ کبھی نہیں بنایا۔ ٹاڈائی مولوی نے اعلیٰ حضرت کے جن دشمنوں سے نظمی کے مل جانے کا ذکر کیا ان کے ہاتھ پاؤں خود وہی مولوی چومتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ نظمی کل بھی اعلیٰ حضرت کے گن گاتا تھا، آج بھی گاتا ہے۔

یہ فیض کلک رضا ہے کہ شعر کہتا ہوں
وگرنہ نعت کہاں اور کہاں قلم میرا

اصطلاحِ مسلکِ اعلیٰ حضرت

حضرت مولانا محمد حسن علی قادری رضوی میلسی

الله رب محمد صلّی علیه وسلما

نحن عباد محمد صلّی علیه و سلما

ہماری حیرت اور تعجب کی انتہا نہ رہی کہ جب ہم نے علاقہ یوپی کے بعض ایسے جدت پسند وفیشن ایبل ماڈرن محققین کی بعض تحریریں پڑھیں جو سیدنا امام اہل سنت سرکار اعلیٰ حضرت مجدد اعظم دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو امام ومجدد اور سچا عاشق رسول بھی مانتے ہیں لیکن وہ مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح کو بزعم خود مسلک امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف تصور کرتے ہیں، خیال خام ان کا یہ کہنا ہے کہ بریلوی مسلک اعلیٰ حضرت کا نام ہمیں مخالفین اہل سنت نے دیا ہے، اس موضوع پر انہوں نے اپنی پوری توانائیاں اور زور قلم صرف کر دیا اور اس باب میں انہوں نے اپنے آبا و اجداد اکابر اسلاف کی روشن تحریروں اور واضح بیانات کی بھی مطلقاً پرواہ نہ کی۔

رسالہ مجدد اعظم:

زیر نظر رسالہ مجدد اعظم امام المتکلمین خطیب شہیر برصغیر حضرت علامہ ابوالمحامد مولانا سید محمد اشرفی جیلانی محدث کچھوچھوی (تلمیذ سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی) قدس سرہما کی ماہ شوال ۱۳۷۹ھ میں جماعت اہل سنت ناگپور مہاراشٹر کے زیر اہتمام عظیم الشان جشن یوم ولادت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جلسہ کی ایک اہم یادگار تقریر پر مشتمل ہے جو اسی وقت یعنی ۱۳۷۹ھ میں حضرت مخدوم محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیات مبارکہ میں ہی جماعت اہل سنت لکڑا گنج ناگپور مہاراشٹر نے ناظم پریس رامپور یوپی سے چھپوا کر شائع کر دیا تھا اور خود سیدی محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے دست مبارک سے تقسیم فرماتے رہے، مدت مدید سے فقیر کا ارادہ تھا کہ اس اہم رسالہ کو پاکستان میں بھی شائع کیا جائے، اس سلسلہ میں مجاہد مسلک اعلیٰ حضرت فخر اہل سنت مولانا سید شاہ تراب الحق قادری رضوی زید مجدہ نے بھی بار بار اصرار فرمایا کہ یہ کتابچہ ہم کراچی سے شائع کرنا چاہتے ہیں، ضرورت زمانہ اور حالات کے تقاضے کے پیش نظر فقیر نے مناسب جانا اور خود حضرت علامہ شاہ تراب الحق قادری رضوی نے بھی پسند فرمایا اور اس سے اتفاق فرمایا کہ اس رسالہ کے ساتھ ہی اصطلاح مسلک اعلیٰ حضرت کا تحقیقی مقالہ بھی شامل کر دیا جائے۔

مسلک کے معنی کی تحقیق:

مسلک کا لغوی معنی عربی کتب لغت میں راستہ ہے، دیکھئے المنجد میں ہے۔

المسلک۔راستہ (المنجد) ☆ مسلک (عربی۔اردو۔مذکر) راہ، راستہ، طریقہ، دستور۔(علمی اردو لغت)

ایسا ہی مصباح اللغات اور امیر اللغات میں ہے، تو مسلک اعلیٰ حضرت کے معنی ہوئے اعلیٰ حضرت کا راستہ، یا راہِ اعلیٰ حضرت یا قاعدۂ اعلیٰ حضرت یا دستورِ اعلیٰ حضرت۔ لہٰذا مذکورہ معنوں میں سے کسی بھی معنی کے اعتبار سے مسلک اعلیٰ حضرت کہنے میں کوئی شرعی ممانعت یا قباحت نہیں، مسلک اعلیٰ حضرت کہنا ایسا نہیں کہ جس طرح علیہ السلام یا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اطلاق و استعمال حضرات انبیا و رسل و ملائکہ علیہم السلام کے لئے مختص ہے اور غیر انبیا و رسل و ملائکہ کے لئے مکروہ وممنوع یا خلاف اولیٰ ہے، اگر ایسا بھی ہوتا تو محض مکروہ وممنوع یا خلاف اولیٰ ہی ہوتا، ناجائز وحرام نہ ہوتا، بہر حال مسلک اعلیٰ حضرت کہنے کی ممانعت پر قطعاً کوئی دلیل شرعی موجود نہیں۔ محض اتنا کہہ دینا کہ مسلک امام اعظم ابوحنیفہ کہا جاتا ہے، مسلک امام شافعی کہا جاتا ہے، اس لئے مسلک اعلیٰ حضرت کہنا صحیح نہیں یہ کوئی ممانعت کی شرعی دلیل نہیں، جس دلیل سے مسلک امام ابوحنیفہ کہنا یا مسلک امام شافعی کہنا جائز ہے اسی دلیل سے مسلک اعلیٰ حضرت کہنا بھی جائز ہے، ورنہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی وغیرہ کے سوا کسی کو یا سیدنا امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو امام احمد رضا کل کو کوئی زیادہ ماڈرن محقق منع قرار دے دے گا یا کوئی زیادہ وسیع النظر محقق اعلیٰ حضرت کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا محض اس ڈھکوسلا سے منع قرار دے گا کہ چوں کہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی وغیرہم کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا جاتا ہے اس لئے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا یا امام احمد رضا کہنا منع ہے، ایسا کہنے والا پہلے ان کا مخصوص ہونا ثابت کرے پھر ممانعت کی دلیل لائے۔

ان حضرات کا یہ کہنا کہ کیا مسلک اعلیٰ حضرت مسلک امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ ہے، اس لیے مسلک اعلیٰ حضرت کی بجائے مسلک امام اعظم ہی کیوں نہ کہا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسی نوع کا اعتراض غیر مقلدین یا دوسرے فرقہائے باطلہ بھی کر سکتے ہیں کہ تم مسلک امام اعظم ابوحنیفہ یا مسلک امام شافعی کیوں کہتے ہو، کیا مسلک صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا مسلک فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافی نہیں؟ کیا مسلک امام اعظم یا مسلک حنفی مسلک صدیق اکبر یا مسلک فاروق اعظم سے زیادہ ہے؟ بہر حال اس وہمی خیالی دلیل میں کچھ وزن نہیں، نہ مسلک امام اعظم مسلک صدیق اکبر سے جدا وعلیحدہ نہ مسلک اعلیٰ حضرت مسلک امام اعظم سے جدا وعلیحدہ ہے تو پھر وہ لوگ معترض ہوتے ہیں تو پھر مسلک امام اعظم ابوحنیفہ ہی کیوں نہ کہا جائے تو ہم عرض کریں گے کہ اس دور میں دیوبندی وہابی بھی حنفی کہلاتے ہیں، تبلیغی وہابی الیاسی بھی حنفی کہلاتے ہیں، بیشتر مودودیئے بھی حنفی کہلاتے ہیں، حتی کہ مرزائی قادیانی بھی حنفی کہلاتے ہیں، ندوی اور نیچری بھی حنفی کہلاتے ہیں اور خدا جانے کتنی نسلوں کے بدمذہب حنفی کہلاتے ہیں، سیدنا اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

سنی، حنفی، قادری، چشتی　　بن بن کے بہکاتے یہ ہیں

ثابت ہوا بے شمار فرقے فرقیاں حنفیت کو بطور جال اور دام استعمال کر رہے ہیں اور مسلمانوں کے دین وایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے حنفی اور حنفیت کا استعمال کر رہے ہیں، لہٰذا حقیقی سنیت اصلی حنفیت کا خصوص وامتیاز برقرار رکھنے کے لئے مسلم اکابر اہل سنت اعاظم مشائخ طریقت نے مسلک اعلیٰ حضرت کا استعمال شروع فرمایا اور اب یہ خالص سنیت اصلی حنفیت کا علامتی نشان بن گیا ہے اور اصطلاح مسلک اعلیٰ حضرت کی افادیت واہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ ورنہ ہر بدمذہب، بدعقیدہ ومصنوعی اور بناسپتی حنفی خود کو حنفی بنا کر ہماری مسجدوں میں امام وخطیب اور ہمارے مدرسوں میں مدرس وشیخ الحدیث بن جائے گا۔ ایسے نازک دور اور سنگین ترین حالات میں جب کہ

ع　　آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں

اب ضرورت ہوئی اور اب حالات کا تقاضا ہوا کہ محض کسی کے حنفی اور سنی ہونے کا اعتبار نہ کریں، اب مسلک اعلیٰ حضرت کی سند چلے گی، اس کا سنی حنفی ہونے کے ساتھ ساتھ بریلوی مسلک ہونا پوچھا جائے گا، اگر کوئی مکاری، عیاری اور کیادی سے خود کو حنفی سنی کہلاتا ہے تو اس کی مصنوعی سنیت حنفیت کو ننگا اور بے نقاب کرنے کے لئے اصطلاح مسلک اعلیٰ حضرت گزشتہ سو سال سے جاری ہے، جب ہم کسی سے اس کا مسلک اعلیٰ حضرت پر ہونا دریافت کریں گے تو اس کا مطلب یہی ہوگا ''کیا تم اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کے راستے پر ہو؟

کیا تم مجدد اعظم اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی راہ اور ان کے طریقہ پر ہو، بتایئے اس میں کیا خرابی ہے؟'' اللہ جل جلالہ کے نیک اور صالح متقی و پرہیز گار بندوں کے طریقہ اور راستہ پر چلنے کا قرآنِ عظیم نے حکم دیا''اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم''ہم کو سیدھا راستہ چلا، راستہ ان کا جن پر تو نے انعام (یا احسان) کیا، وہ منعم علیہ محبوبانِ خدا کون ہیں۔

قرآنِ عظیم میں دوسری جگہ ہے:

اولئك مع الذین انعم الله علیهم من النبین و الصدیقین و الشهداء و الصالحین

وہ چار ہیں جن کے طریقہ یا راستہ یا مسلک پر چلنے کی دعا کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ (۱) حضرات انبیائے کرام علیہم السلام (۲) صدیقین، شہداء اور صالحین اللہ عزوجل کے نیک بندے۔ حضرات انبیا علیہم السلام کے علاوہ صدیقین سچے لوگوں، شہید اللہ کی راہ میں جان دینے والوں اور صالحین متقی پرہیز گار اللہ کے نیک بندوں کے راستہ اور طریقہ پر چلنے کی تعلیم دی جا رہی ہے کیونکہ ؎

تیرے غلاموں کا نقشِ قدم ہے راہِ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

لہٰذا اللہ کے نیک صالح پرہیز گار بندوں کا راستہ و طریقہ راہ خدا ہے صراط مستقیم ہے اسی کو مسلک کہا گیا ہے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی بھی شہید عشق مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں نہ صرف صالح صالحین کے امام و مجدد ہیں بلکہ سچے حق گو، حق بین و حق شناس ہیں۔ لہٰذا انکے مسلک پر ہونا اور مسلک اعلیٰ حضرت پر کہلانا تعلیم قرآنی و احکام خداوندی کے عین مطابق ہے۔

قرآن عظیم میں ایک دوسری جگہ ہے:

اطیعوا الله واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم

اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اور جو تم میں اولوالامر ہوں، اولوالامر اس دور میں علمائے ربانیین و فقہا و محدثین ہیں اور سیدنا امام اہل سنت مجدد اعظم دین و ملت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ علمائے ربانیین کے پیشوا اور سرتاج ہیں۔

قرآنِ عظیم میں ارشاد فرمایا:

''یوم ندعوا کل اناس بامامهم'' جس دن ہر جماعت کو ہم اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ تفسیر روح البیان میں امام المفسرین علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمہ نے اس کے تحت فرمایا ''او مقدم فی الدین فیقال یا حنفی یا شافعی'' امام دینی پیشوا ہے، پس قیامت میں پکارا جائے گا: اے حنفی، اے شافعی۔ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی بھی امام اہل سنت علی الاطلاق ہیں، انہیں اکابر علما وائمۂ عرب و عجم حرمین طیبین نے امام و پیشوا اور مجدد برحق تسلیم کیا ہے۔ ان کے نام نامی کی نسبت اور تعلق بھی صحیح ہے اور ان سے منسوب ہو کر اعلیٰ حضرت کا پیروکار کہلانا جائز ہے۔ بقول صاحب روح البیان قیامت میں اللہ عزوجل لوگوں کو ان کے ائمہ کے نام سے پکارے گا۔

بدمذہبوں کے مغالطے:

قیام پاکستان سے قبل اور اب کم و بیش پچاس سال سے مخالفین اہل سنت کے مناظرین اور مصنفین نے سیدنا اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کے آخری ارشادات و فرمودات کے مجموعہ وصایا شریف مرتبہ فاضل جلیل حضرت علامہ حسنین رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس عبارت پر بار بار اعتراضات کئے، مناظرۂ ادری، مناظرۂ بریلی، مناظرۂ سنبھل، مناظرہ سلانوالی، مناظرۂ ملتان اور کتاب دھماکہ، کتاب سیف الرحمانی، کتاب سیف حقانی، کتاب مطالعہ بریلویت وغیرہ میں بار بار اس عبارت کا اعادہ کر کے عوام کو مغالطہ اور دھوکہ دیا کہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا ''میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے'' بدمذہبوں نے یہ غلط تأثر دیا اور اس کو اچھالا کہ (معاذ اللہ) اعلیٰ حضرت کا دین و مذہب دین اسلام سے کوئی علیحدہ دین ہے، مسلک اعلیٰ حضرت کو مسلک امام اعظم سے علیحدہ اور حنفی مسلک سے مختلف کوئی چیز سمجھ رہے، حالاں کہ مسلک اعلیٰ حضرت ہی حقیقی مسلک امام اعظم ہے اور یہ مسلک امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے علیحدہ کسی چیز کا نام نہیں ہے۔ مخالفین اہل سنت کو جواباً فقیر (محمد حسن علی رضوی غفر لہ) نے اپنی کتاب ''قہر خداوندی'' بر دھماکہ دیوبندی، برہان صداقت

بر دنجدی بطالت، برق آسمانی بر فتنۂ شیطانی، محاسبۂ دیوبندیت بجواب مطالعۂ بریلویت، میں بار بار دیئے جن کے جواب کی آج تک کسی کو جرأت و ہمت نہیں ہوئی، اسی طرح اکابر اہل سنت کے برعکس جو معدود چند جدت پسند ماڈرن محققین اپنی خام خیالی میں مسلک اعلیٰ حضرت کہنے لکھنے پر بلا دلیل شرعی معترض ہیں وہ بھی سراسر خود فریبی میں مبتلا ہیں اور مسلمہ اکابر اہل سنت کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

مسلک اعلیٰ حضرت اور اکابر اہل سنت

خود اعلیٰ حضرت مجدد اعظم امام اہل سنت نے ایک سوال ''اسماعیل دہلوی کو کیسا سمجھنا چاہئے؟'' کے جواب میں فرماتے ہیں، ارشاد: میرا مسلک یہ ہے کہ وہ یزید کی طرح ہے، اگر کوئی کافر کہے، ہم منع نہ کریں گے اور خود کہیں گے نہیں۔ (الملفوظ ۱/۹۷)

یہاں خود اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا مسلک بیان فرمایا، اپنا مسلک یا مسلک اعلیٰ حضرت کہنا غلط ہوتا تو ہرگز وہ ایسا نہ فرماتے، بلکہ مسلک حنفی یہ ہے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک یہ ہے، لیکن آپ نے فرمایا ''میرا مسلک''۔ جب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ خود میرا مسلک کہہ سکتے ہیں تو پھر ہم سب اہل سنت مسلک اعلیٰ حضرت کیوں نہیں کہہ سکتے۔ مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح کوئی آج کل کے بچوں کی رائج کی ہوئی نہیں ہے، جلیل القدر عظیم المرتبت اکابر علماو مشائخ نے اس کو رواج دیا ہے۔

شیخ المشائخ سیدنا شاہ علی حسین اشرفی جیلانی قدس سرہ کے وصال کے بعد مولانا شاہ عارف اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ماہنامہ ''سالک'' راولپنڈی اور مفتیِ پاکستان علامہ سید ابوالبرکات سید احمد قادری رضوی اشرفی رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں اور علامہ محمود احمد رضوی اشرفی کی ادارت میں شائع ہونے والے ''ہفت روزہ رضوان'' لاہور میں سیدنا علی حسین اشرفی میاں جیلانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت مقدسہ پر ایک مضمون چھپا تھا، جس میں آپ نے اپنے مریدین کو نصیحت فرمائی ''میرا مسلک شریعت، طریقت میں وہی ہے جو حضور پرنور اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ کا ہے''۔

(بحوالہ ماہنامہ سالک راولپنڈی و ہفت روزہ رضوان لاہور، ماہنامہ سنی آواز ناگپور مہاراشٹر ص ۳۴ ماہ ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۵ء)

ایسا ہی لطائف اشرفیہ میں ہے۔

صدر الافاضل مرادآبادی: مولانا شاہ محمد نعیم الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہفت روزہ سواد اعظم لاہور، حیات صدر الافاضل میں ہے ''بلا شبہ مسلک سیدنا امام اہل سنت مجدد دین وملت کی ترویج واشاعت میں جو حصہ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے وہ آپ کی تالیفات وتصنیفات سے ظاہر ہے، ہمیں وثوق و معتمد علیہ روایات پہنچی ہیں کہ بار بار حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہمیں مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آستانۂ قدسیہ سے حقیقت میں ایمان ملا، سیدنا اعلیٰ حضرت کا ملک وملت، سواد اعظم پر احسان عظیم ہے کہ آپ نے ہمیں ایمان وکلمہ سے روشناس فرمایا....... یہ نہایت آبدیدہ ہو کر ارشاد فرماتے، تحقیقات سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ پر صدر الافاضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس قدر اعتماد و وثوق تھا، ارشاد فرماتے ہیں ''ایک بار سیدنا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: فقہ مجھے علامہ ابن عابدین سے حاصل ہوئی تو ہم نے اسے تواضع پر محمول کیا، اس لئے کہ ہماری نگاہ میں سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تحقیقات عالیہ علامہ شامی کی تحقیقات سے عالی و بلند تر ہیں''

(حیات صدر الافاضل، ص ۲۶۱ ہفت روزہ سواد اعظم لاہور ۱۹۵۹ء)

آل انڈیا سنی کانفرنس کی اول تاسیس اور سنی کی تعریف میں مسلک اعلیٰ حضرت کی شرط:

قیام پاکستان سے قبل جب آل انڈیا سنی کانفرنس کا قیام عمل میں آیا تو صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی رضوی مصنف بہار شریعت، مفتیِ اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان صاحب بریلوی سجادہ نشین آستانۂ عالیہ رضویہ بریلی شریف، صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی، امام المتکلمین مولانا سید ابوالمحامد سید محمد محدث کچھوچھوی، امیر ملت پیر سید جماعت شاہ محدث علی پوری، مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد بریلوی، علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، استاذ العلما مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری، تاج العلما مفتی محمد عمر نعیمی مرادآبادی وغیرہم قدست اسرارہم جیسے مسلمہ اکابر اہل سنت کے علاوہ کثیر تعداد

میں مشائخ طریقت شامل تھے، آل انڈیا سنی کانفرنس کے جلیل القدر اکابر نے سنی کانفرنس کے قیام کے وقت جو سنی کی تعریف کی تھی وہ یہ تھی جو قرطاس رکنیت اور ہدایات ممبران کے فارم میں شامل تھی۔

سنی کی تعریف اور مسلک اعلیٰ حضرت:

..... سنی وہ ہے جو "ما انا علیہ و اصحابی" کا مصداق ہو، یہ وہ لوگ ہیں جو ائمہ دین، خلفائے راشدین، مسلم مشائخ طریقت اور متأخرین علما میں سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت ملک العلما مولانا بحر العلوم فرنگی محلی، حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی، حضرت مولانا شاہ فضل رسول بدایونی، حضرت مولانا مفتی ارشاد حسین رامپوری، حضرت مولانا مفتی شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمہم المولیٰ تعالیٰ کے مسلک پر ہو، قرطاس رکنیت آل انڈیا سنی کانفرنس و حیات صدر الافاضل ص ۱۸۱و۱۸۲، اس میں نہ صرف مسلک اعلیٰ حضرت بلکہ مسلک شیخ عبدالحق محدث دہلوی و مسلک بحر العلوم لکھنوی بلکہ مسلک مولانا فضل رسول بدایونی وغیرہم کا بھی ذکر ہے اور یہ تمام اکابر اہل سنت کا متفقہ فیصلہ و متفقہ مرتبہ قرطاس رکنیت تھا۔

مبلغ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق

ان کے فرزند مولانا شاہ احمد نورانی نے ۱۳۹۷ء کے عرس امجدی کے موقع پر دارالعلوم امجدیہ کراچی کے جلسۂ عام میں بتایا..... میرے والد گرامی مبلغ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی کی ایک نصیحت میرے پاس موجود ہے، فرمایا "الحمدللہ میں مسلک اہل سنت پر زندہ رہا اور مسلک اہل سنت وہی ہے جو مسلک اعلیٰ حضرت ہے، جو اعلیٰ حضرت کی کتابوں میں مرقوم ہے اور الحمدللہ اسی پر میری عمر گزری اور الحمدللہ آخری وقت اسی مسلک (اعلیٰ حضرت) پر حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم مبارک میں خاتمہ بالخیر ہو رہا ہے"

(ماہنامہ ترجمان اہل سنت کراچی ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ و ماہنامہ سنی آواز ناگپور مہاراشٹر اکتوبر ۱۹۹۵ء ص ۳۳)

امیر ملت و نبیرۂ امیر ملت اور مسلک اعلیٰ حضرت:

نبیرۂ امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محمد علی پوری حضرت مولانا صاحبزادہ پیر سید اختر حسین صاحب علی پوری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حضرت مولانا ظفر علی صاحب نعمانی رضوی مہتمم دارالعلوم امجدیہ کراچی کی سانگلہ ہل کی قیام گاہ پر تشریف فرما تھے، فقیر راقم الحروف محمد حسن علی الرضوی البریلوی سے گفتگو کے دوران فرمایا "میرا (یعنی پیر سید اختر حسین صاحب علی پوری) اور جد محترم حضرت محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک وہی ہے جو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا ہے، حضرت صاحبزادہ پیر سید اختر حسین صاحب علی پوری کے انتقال پر مختلف اخبارات و رسائل میں جو مضامین چھپے ان میں واضح طور پر مرقوم و موجود ہے کہ پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک وہی ہے جو اعلیٰ حضرت امام اہل سنت عاشق رسول مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔ (ملخصاً رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ)

محدث اعظم پاکستان اور مسلک اعلیٰ حضرت:

حضرت علامہ ابوالفضل مولانا شاہ محمد سردار احمد قادری چشتی رضوی محدث پاکستان قدس سرہ نے راقم الحروف فقیر قادری محمد حسن علی الرضوی غفرلہٗ کے نام بیشتر مکاتب میں مسلک اعلیٰ حضرت مذہب اہل سنت پر مضبوطی سے قائم رہنے کی تلقین فرمائی، حضرت ممدوح کے ایک سو کے قریب اہم خطوط فقیر کے پاس محفوظ ہیں، جن میں مذہب اہل سنت مسلک اعلیٰ حضرت پر مضبوطی سے قائم رہنے کی دعا فرمائی گئی ہے۔ حضرت سیدی محدث اعظم پاکستان قدس سرہ کے اپنے شجرۂ قادریہ رضویہ چشتیہ صابریہ میں ضروری ہدایات کے ذیل میں فرمایا "امام اہل سنت مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا علامہ شاہ احمد رضا خان صاحب قدس سرہ العزیز کے مسلک پر مضبوطی سے قائم رہیں، ان کا مسلک و مذہب اہل سنت و جماعت ہے"

(شجرۂ مبارکہ محدث اعظم پاکستان ص ۲۲ و کتاب محدث اعظم پاکستان، ص ۱۰۰ جلد دوم)

مفتی اعظم دہلی اور مسلک اعلیٰ حضرت:

حضرت علامہ الحاج مفتی محمد مظہر اللہ صاحب نقشبندی شاہی امام و خطیب جامع مسجد فتحپوری دہلی رحمۃ اللہ علیہ فقیر راقم الحروف محمد حسن علی الرضوی غفرلہٗ کے نام اپنے ایک اہم مکتوب گرامی میں ارقام فرماتے ہیں "اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے مسلک و تحقیقات میں کس کا زہرہ ہے کہ جرأت لب کشائی کر سکے......" (مکتوب بنام فقیر قادری رضوی میلسی)

تاجدار اہل سنت سیدنا مفتی اعظم اور مسلک اعلیٰ حضرت:

مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان صاحب نوری رضوی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں آخری بار ۱۹۸۱ء میں حاضری ہوئی، وقت مراجعت اجازت کے لئے گھر کی ملازمہ کے ذریعہ اندر اطلاع بھجوائی، حضرت ممدوح نے اپنے دولت کدہ کے اندر ہی فقیر کو طلب فرمایا، اپنے دولت کدہ کے دکھن سمت جنوبی جانب سہ دری کے درمیانے دروازے میں پلنگ پر آرام فرما رہے تھے، فقیر نے اپنی کتابوں کا سیٹ پیش کیا، فرمایا ''مولانا حسن علی صاحب میلسی کی کتابیں ہیں ماشاء اللہ ماشاء اللہ'' چند اوراق ملاحظہ فرمائے اور سرہانے رکھ لیں، پھر فقیر نے مزار اعلیٰ حضرت کی نہایت شاندار خوبصورت چادر پیش کی کہ حضور مزار اعلیٰ حضرت پر پیش کرنے کے لیے لایا ہوں، چادر کو پورا کھول کر دیکھا اور ماشاء اللہ ماشاء اللہ فرمایا۔ چادر کے نیچے کی طرف کڑھائی میں لکھا ہوا تھا ''منجانب بزم انوار رضا غلامان محدث اعظم پاکستان میلسی رحمۃ اللہ علیہ'' محدث اعظم پاکستان کا نام گرامی پڑھ کر حضور سیدنا مفتی اعظم علیہ الرحمہ زار و قطار رونے لگے اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دئے۔ حضرت محدث اعظم پاکستان کے لئے دیر تک فاتحہ خوانی فرماتے رہے، اختتام دعا پر فرمایا: اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے، آمین۔ اسی دوران فقیر نے عرض کیا: حضور میرے بچوں سردار احمد رضا، انوار احمد رضا کے لئے خدمت مسلک اعلیٰ حضرت کی دعا فرمائیں، فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کے بچوں کو مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ بلفظہ

تاجدار اہل سنت سیدنا حضور سرکار مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان صاحب قدس سرہ العزیز نے حضرت قبلہ سیدی محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب قدس سرہ کے وصال پر ماہنامہ نوری کرن بریلی شریف کے محدث اعظم نمبر کے لئے ایک طویل نظم منقبت اور دو اہم مضمون تحریر فرمائے تھے، ایک مضمون کا عنوان تھا ''میرا چاند'' اس کے تحت لکھتے لکھتے فرمایا ''وہ میرا چاند، صدر الشریعہ کا چاند، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے مسلک کا چاند، علم قرآن و حدیث، فقہ وغیرہ کا چاند اس محبوب سبحانی غوث صمدانی کا چاند تھا جس نے فرمایا تھا آسمان دنیا کے چاند کے لئے اب ایسے ہزار چاند آئیں

گم ہم میں ہوں اور پتہ نہ پائیں''

(ماہنامہ نوری کرن بریلی شریف محدث اعظم نمبر ص ۵، مطابق مارچ اپریل ۱۹۶۳ء و کتاب محدث اعظم ص ۳۰۷)

سیدنا حضور مفتی اعظم ہند نے اپنے اس مضمون میں حضرت محدث اعظم پاکستان کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے مسلک کا چاند فرمایا، ثابت ہوا کہ حضور سیدنا مفتی اعظم قدس سرہ کے نزدیک بھی مسلک اعلیٰ حضرت کہنا صحیح تھا، تاجدار اہل سنت سیدنا حضور مفتی اعظم قبلہ قدس سرہ وہ ہیں جن کے فتویٰ کی تصدیق امام المتکلمین خطیب اعظم ہند علامہ ابو المحامد سید محمد محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ بایں الفاظ فرماتے ہیں "ھذا قول عالم المطاع ما علینا الا الاتباع" یہ اس عالم مطاع کا قول (حکم شرعی) ہے جس کے اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

(بدلتے زاویے، ص ۱۲ و ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف، مفتی اعظم نمبر)

شیخ المشائخ شعیب الاولیا اور مسلک اعلیٰ حضرت:

حضرت مولانا صوفی شاہ محمد یار علی صاحب قدس سرہ براؤں شریف مدت العمر اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کے مسلک حق کی تبلیغ و اشاعت فرماتے رہے، وہ اصول و فروعات میں مسلک اعلیٰ حضرت پر تھے، تیس سال سے زائد سے آپ کے آستانۂ عالیہ سے ''ماہنامہ فیض الرسول'' جاری ہے، جس کی پیشانی پر لکھا ہوتا ہے ''مذہب اہل سنت کا ترجمان مسلک رضویت کا نقیب''

مفتی پاکستان علامہ ابو البرکات اور مسلک اعلیٰ حضرت:

مولانا سید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ فقیر کے ایک استفتا کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں ''تعجب ہے کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت بریلوی قدس سرہ کا فتویٰ ہوتے ہوئے فقیر سے استفسار کیا جا رہا ہے، فقیر کا اور فقیر کے آبا و اجداد (باپ دادا) کا وہی مسلک ہے جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ہے'' (ماہنامہ سنی آواز ناگپور، بھارت، ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۵ء، ص ۳۳ و ماہنامہ رضوان لاہور اپریل ۱۹۹۶ء ص ۱۹)

دین حق مذہب اہل سنت مسلک اعلیٰ حضرت پر استقامت ان (علامہ ابو البرکات رضوی اشرفی) کا طرۂ امتیاز تھا۔

(رضوان لاہور، اپریل ۱۹۹۶ء ص ۱۹)

حضرت محدث امروہی کاظمی اور مسلک اعلیٰ حضرت:

علامہ قادری سید محمد خلیل کاظمی محدث امروہی پیر و مرشد و استاذ محترم علامہ سید محمد سعید کاظمی انوار العلوم ملتان شریف فرماتے ہیں ''فقیر کا مسلک ان دونوں مسئلوں میں یعنی ریڈیو کے اعلان کی حجت شرعیہ نہ ہونے میں اور لاؤڈ اسپیکر پر نماز نہ ہونے میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے مسلک کے بالکل موافق ہے'' طوالت کی ضرورت نہیں۔

(ملخصاً ماہنامہ نوری کرن بریلی شریف رویت ہلال نمبر)

حضرت کے تین اہم مکتوب جن میں مسلک اعلیٰ سے وابستگی ظاہر ہے فقیر محمد حسن علی رضوی کے پاس محفوظ ہیں۔

(ماہنامہ نوری کرن، بریلی شریف، ۱۹۶۷ء دسمبر)

غزالی زماں علامہ احمد سعید کاظمی اور مسلک اعلیٰ حضرت:

حضرت علامہ سعید احمد کاظمی علیہ الرحمہ کی بیشتر تصانیف و مضامین میں مسلک اعلیٰ حضرت کی طرف میلان و موافقت ثابت ہے، بلکہ عابد خان سعیدی اور مولانا خدا بخش اظہر صاحب شجاعبادی کا بیان ہے کہ حضرت غزالی زماں تو برملا فرماتے تھے ''وہ میرا مرید نہیں جو مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف ہے''۔

صدر الافاضل و شیر بیشہ اہل سنت اور مسلک اعلیٰ حضرت:

حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی اور حضرت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا محمد حشمت علی خان صاحب قدس سرہما نے دار العلوم حزب الاحناف لاہور میں مندرجہ ذیل تحریر پر دستخط فرما کر مسلک اعلیٰ حضرت کی تائید و حمایت فرمائی۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ سنی وہ ہے جو ''ما انا علیہ و اصحابی'' کا مصداق ہو یہ وہ لوگ ہیں جو ائمۂ دین، خلفائے راشدین، مسلم مشائخ طریقت اور متاخرین علما میں سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت ملک العلما مولانا بحر العلوم لکھنوی، حضرت مولانا شاہ فضل حق خیر آبادی، مولانا شاہ فضل رسول بدایونی، شیخ الاسلام والمسلمین حجۃ اللہ علی الارضین حضور پرنور سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہل سنت مجدد دین و ملت مولانا شاہ عبد المصطفیٰ احمد رضا خان صاحب قادری برکاتی بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک حق پر ہو...... الخ''

(ملخصاً ماہنامہ رضوان اپریل ۱۹۹۶ء تحریر دار العلوم حزب الاحناف)

سجادہ نشین آستانہ عالیہ مارہرہ مطہرہ اور مسلک اعلیٰ حضرت:

حضرت مخدوم المخادیم شیخ طریقت علامہ حافظ و قاری مصطفیٰ حیدر میاں برکاتی قدس سرہ فرماتے ہیں ۔

حفظِ ناموسِ رسالت کا جو ذمہ دار ہے

یا الٰہی مسلکِ احمد رضا خاں زندہ باد

فقیہ اعظم محدث کوٹلوی / امام العلما مولانا امام الدین کے متعلق

ماہنامہ ماہ طیبہ میں آخری وصیت میں مسلک اعلیٰ حضرت سے وابستگی ظاہر کی گئی ہے اور حضرت مولانا محمد امام الدین صاحب کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ الفاظ ہیں ''فرمایا بشیر مجھ سے مصافحہ کرلو، میں اب جانے والا ہوں اور میری تمہارے لئے دعا ہے...... دیکھو تمہارے والد فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور تمہارے تایا حضرت مولانا محمد عبداللہ قادری رضوی اور میں عمر بھر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے مسلک کی تبلیغ کرتے رہے، تم بھی اسی مسلک (اعلیٰ حضرت) پر قائم رہنا، خدا تمہاری مدد فرمائے گا'' (ماہنامہ ماہ طیبہ کوٹلی، لوہاراں، اکتوبر ۱۹۶۱ء ص ۵۰)

مذکورہ بالا مسلمہ اکابر اہل سنت کے علاوہ اور بہت سے اکابر کرام نے مسلک اعلیٰ حضرت امام اہل سنت سے اتفاق فرمایا اور مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح ان کا معمول رہا ہے، مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح کوئی بچوں کی رائج کی ہوئی نہیں ہے، بحمدہ تعالیٰ اکابر اہل سنت کی اکثریت مسلک اعلیٰ حضرت پر ہے اور اس پر عامیانہ اعتراض

ع مزاج تو از حال طفلی نگشت ہی کا آئینہ دار ہوسکتا ہے۔

اہل سنت و جماعت کا دفاع پائندہ باد

مسلک احمد رضا خاں تا ابد تابندہ باد

☆☆☆☆

ہمارا مرکز بریلی ہے

پاسبانِ ملت علامہ مشتاق احمد نظامی قدس سرہ

تاریخ کے مطالعہ سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر زندہ قوم نے اپنے مرکز کی مضبوطی اور مرکز سے وابستگی کو ہمیشہ مرکز توجہ بنایا ہے۔ خدا کا شکر ہے ہندوستان کا کئی کروڑ سنی مسلمان مطلق العنان یا شتر بے لگام نہیں ہے بلکہ وہ مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کو مرکزی شخصیت اور بریلی کو اپنا مرکز تصور کرتا ہے۔ خدا نہ خواستہ اگر بریلی میں منظر کی ''م'' اور مظہر کی ''م'' تک بھی نہ رہ جائے تو بھی بریلی کے مرکز ہونے میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ بریلی کی مرکزیت کسی بلند پایہ درس گاہ سے معنون نہیں ہے بلکہ اس کی مرکزیت ''امام احمد رضا'' سے منسوب ہے ،اس صدی میں مذاہب باطلہ کے مقابل حق بولتا مسلک اگر ہمیں ملا ہے تو امام احمد رضا کی بارگاہ کرم سے ملا ہے۔ نہ تو ہم احسان فراموش ہیں اور نہ ہی محسن کش ہماری رگوں میں جو خون ہے اس کی بوند بوند میں بریلی سے جذبۂ وفاداری ہے۔ ہم خواہ کتنے ہی بلند کیوں نہ ہو جائیں مگر جہاں ان کا تلوا ہے وہاں تک اپنے سر کی رسائی نہیں ،اب امام احمد رضا سے کسی ذات وشخص کا صرف تصور نہیں ہوتا بلکہ یہ نام ایک مسلک ،ایک نظریہ اور ایک عقیدہ پر دلالت کرتا ہے ،اگر دار العلوم غریب نواز کی سند بجائے ایک فٹ کے ساڑھے چار فٹ کی کردی جائے تو یہاں کے فارغین کی سند کے طول وعرض ،مہر کی زیبائی وخوش نمائی کی بنیاد پر ملازمت نہیں ملے گی ،تاوقتیکہ وہ مسلک اعلیٰ حضرت کی تائید وحمایت نہ کردیں۔ سنیوں کی اس ملک میں چھوٹی بڑی جتنی بھی درسگاہیں ہیں ان کی آخری کڑی بریلی اور مسلک اعلیٰ حضرت ہے ،یہ صحیح ہے کہ ہر درس گاہ کو اس کا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی کارکردگی میں رطب اللسان ہو اور انتہائے غلو میں خواہ وہ زمین وآسمان کے قلابے ہی کیوں نہ ملائے مگر کسی درس گاہ کو اس کا حق نہیں پہونچتا کہ وہ اپنی اس طرح تعریف کرے جس سے بریلی کی عزت ووقار پر آنچ آئے ،اگر کسی کا ایسا رویہ رہا تو ہمارے اس یقین کے لیے اتنا ہی بہت کافی ہے کہ اس کے دل میں بریلی سے کد ،کینہ اور چور ہے جو میری نظر میں ایک ناقابل معافی جرم اور خطا ہے۔ جماعتی طور پر اسے کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ،جن ذہنوں میں ایسے خیالات کی پرورش ہورہی ہو وہ لائق اصلاح اور قابل مذمت ہیں ،اگر ایسے گندہ تصورات کو شہ دی گئی تو ہماری مرکزی وابستگی کمزور ہوجائے گی جو یقیناً ہمارے مستقبل کا اجالا نہیں بلکی اندھیرا ہے۔ اب تو اس ملک کا مزاج یہ ہوگیا کہ ہم جیسے لوگ ملک کے کسی صوبے یا کسی گوشے میں چلے جائیں تو ہمارا تعارف الہ آبادی سے نہیں ہوتا بلکہ بریلوی سے ہوتا ہے گویا ذہنوں میں یہ بات رچ بس گئی ہے کہ یہ آنے والا اپنا وطن لے کر نہیں آیا بلکہ امام احمد رضا کا مسلک اور عقیدہ لے کر آیا ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم ملک کے کسی گوشے میں ہوں، لیکن مرکز سے ہماری وابستگی میں کوئی فرق نہ آئے۔ اس تحریر کا پس منظر یہ نہیں ہے کہ ہم پوری سنی برادری پر بریلی کے ڈکٹیٹر اور اس کی آمریت کو اس طرح مسلط کردینا چاہتے ہیں۔ جس میں صلاح و مشورہ کی کوئی گنجائش ہی نہ ہو۔ ایسا نہیں ہے جہاں ہم چھوٹوں کی اپنی کچھ ذمہ داریاں ہیں وہاں مرکز کی اپنی پاسداری بھی ضروری ہے۔

سال دو سال کی کسی بھی معینہ مدت میں مرکز کو چاہیے کہ وہ جماعت کے ارباب حل وعقد اور جنہیں جماعت کا دل ودماغ سمجھا جاتا ہو انہیں اکٹھا کرے تاکہ ہم سب مل جل کر ملکی حالات کا مختلف نہج سے جائزہ لیں اس طرح اپنے وابستگان پر مرکزی گرفت ڈھیلی نہ ہوگی۔ بلکہ مضبوط ہوتی رہے گی۔ اور کام کی سہولتیں بڑھتی جائیں گی۔ ہماری بہت سی تجاویز اور بہت سے منصوبے محض اس لیئے ناکام ہوجاتے ہیں کہ ہماری مالی پوزیشن بہت کمزور ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم کئی کروڑ سنی مسلمان اپنی مشترکہ جدوجہد سے کئی کروڑ روپیے مرکز میں جمع کردیں جو کسی بورڈ کی نگرانی میں ہو اور اسی کی صوابدید کے تحت اس کے مصارف کا تعین ہوتا رہے یہ کام بظاہر مشکل ہے مگر ایسا بھی نہیں جسے ممکنات میں شمار کیا جاسکے ضرورت ہے اخلاص کی جدوجہد کی اور باہمی اتحاد واتفاق کی خدا ہماری مدد فرمائے آمین۔

☆☆☆

''امام احمد رضا'' متن یوں

مولانا غلام مصطفیٰ مصباحی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات دنیائے اسلام میں محتاج تعارف نہیں، عرب وعجم، حل وحرم میں آپ کی جلالت شان کے خطبے پڑھے جارہے ہیں، دنیا کی بڑی بڑی دانشگاہوں اور یونیورسٹیوں میں آپ کے علوم وفنون پر تحقیقات جاری ہیں، دشمنوں اور حاسدوں نے آپ کی عظمت ورفعت کو چھپانے اور نیچا دکھانے کی بڑی بڑی کوششیں کیں۔ ایڑی، چوٹی کا زور لگایا، آپ کی ذات پر انگشت نمائی کی، آپ کی عظمت کو زیروزبر کرنے کی ناکام کوششیں کیں، لیکن جس ذات کو قدرت نے اپنے دین کی حفاظت کے لیے پیدا کیا ہو، بارگاہ رسالت سے جنہیں سند تحفظ ملی ہو اور سرکار غوثیت مآب سے جن کی دستگیری ہو رہی ہو، بھلا دنیا انہیں کیا مٹا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی عظمتوں کا سورج خط نصف النہار کی طرف بڑھتا جارہا ہے، آج اس کی پاکیزہ کرنوں سے دلوں کے آفاق روشن ہورہے ہیں۔

آج مخالفین وحاسدین کو بھی امام احمد رضا کی تصنیفات سے استفادہ کیے بغیر چارہ نہیں، امام احمد رضا کی تصنیفات، ان کے فتاویٰ ومضامین کا ماخذ ہوتی ہیں، تاریخ بتاتی ہے کہ نویں صدی کے مجدد جلالۃ الملت والدین حضرت علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کے بعد سے اب تک اتنی کثیر تصانیف امام احمد رضا قدس سرہ کے سوا کسی کی نہیں ملتی۔

تأثرات مشاہیر:

یہی وجہ ہے کہ شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال نے امام احمد رضا کی عظمت کو یوں خراج تحسین پیش کیا۔

''ہندوستان کے دور آخر میں ان جیسا طباع، ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ میں نے ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ رائے قائم کی ہے اور ان کے فتاویٰ ان کی ذہانت، فطانت، جودت طبع، کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عدل ہیں۔ علمائے حرمین شریفین نے انہیں شیخ علامہ، مجدد، شیخ الاساتذہ، علامہ عقیل، ذکی، بلند ہمت، مؤلفوں کا سردار، علما کا بادشاہ، علامہ کبیر، امام اکبر، محقق، مدقق، فاضل کامل، علامہ زماں، یکتائے روزگار، سرچشمۂ معرفت، فہامۂ شہیر، مجدد مائۃ حاضرہ، افضل الافاضل، عاقلوں سے زیادہ دانشمند، فخر السلف، قدوۃ الخلف وغیرہ جیسے القاب وآداب سے یاد کیا ہے۔''

(امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں، ص ۱۲۳ تا ۱۴۹)

ابتدائی کارنامے:

عموماً علمائے کرام بعد فراغت ہی تصنیف و تالیف کے میدان میں قدم رکھتے ہیں، لیکن امام احمد رضا قدس سرہ نے صرف آٹھ

استاذ دار العلوم حامدیہ اشرفیہ، جامع مسجد روڈ، سنبھل، مراد آباد

سال کی مختصر سی عمر میں تصنیف کا آغاز فرما دیا۔ چھ سال کی عمر میں آپ نے ایک بڑے مجمع سے بزبان عربی خطاب فرمایا۔ آٹھ سال کی عمر میں ''ہدایۃ النحو'' کی عربی شرح لکھی، دس سال کی عمر میں حضرت ملا محب اللہ بہاری علیہ الرحمہ کی معرکۃ الآرا اور مغلق کتاب ''مسلم الثبوت'' پر عربی حاشیہ لکھا اور تیرہ سال دس مہینے کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے اور اسی عمر میں مسند افتا پر بٹھا دئے گئے۔ (سیرت امام احمد رضا ص ۵۔۴)

آپ کی تصنیفات:

تقریباً ۵۴ سال تک تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہا، ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ کی تصنیفات کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے، جو پچپن (۵۵) اور بقول بعض محققین ستر (۷۰) اور بقول بعض ایک سو پانچ علوم کو محیط ہے۔ (حیات رضا کی نئی جہتیں ص ۵۱)

امام احمد رضا سے پہلے اتنے علوم وفنون پر کسی کی تصنیف نہیں ملتی۔ دور حاضر کے عظیم محقق حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور فرماتے "قال بعض الخبراء لم یکتب احد ممن سبقه الا فی خمسة و ثلاثین فنا" (بعض محققین نے کہا امام احمد رضا سے پہلے بتیس علوم سے زائد پر کسی نے کتاب نہیں لکھی۔

(حدوث الفطن ص ۱۶۹)

فتاویٰ رضویہ کا مقام:

آج جو فتاویٰ رضویہ ہمارے سامنے موجود ہے، وہ ان تمام فتووں کا مجموعہ نہیں جو آپ نے پوری عمر تحریر فرمائے، بلکہ یہ ان میں سے بعض ہیں۔ حضرت ملک العلما سید ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

> ''افسوس کہ ابتدا میں برسوں فتاویٰ کی نقل کا سلسلہ نہ رہا اور بعد کو بھی اکثر فتاویٰ کی نقل نہ لی جا سکی۔ پھر بھی جو نقل ہو سکے، بڑی تقطیع ۸/۶۲×۳ پر ۱۲ جلدوں میں ہے، جس کی ہر جلد نو سو، ہزار صفحات کے درمیان ہے''

مزید فرماتے ہیں:

> ''آج ہمارے سامنے علمائے متقدمین ومتاخرین کے فتاویٰ موجود ہیں، مگر اس وصف میں بھی اعلیٰ حضرت اپنی نظیر آپ ہیں۔ اتنا مفصل و مدلل وضخیم فتاویٰ کسی کے دیکھنے میں کیا سننے میں بھی نہیں آیا۔ تصنیفات بھی اس قدر کثیر وعزیز امام جلال الدین سیوطی مجدد مائۃ عاشرہ کے بعد کسی عالم کی دیکھی، نہ سنی گئی''۔

(حیات اعلیٰ حضرت سوم، ص ۱۴۵۔۱۴۴)

فقیہ العصر حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اپنی تصنیف بہار شریعت میں فرماتے ہیں:

''اس کتاب میں مسائل کی دلیلیں نہ لکھی جائیں گی کہ اول تو دلیلوں کا سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں، دوسرے دلیلوں کی وجہ سے اکثر الجھن پڑ جاتی ہے کہ نفس مسئلہ سمجھنا دشوار ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر مسئلے میں خالص منقح حکم بیان کر دیا جائے گا۔ اگر کسی صاحب کو دلائل کا شوق ہو۔ تو فتاویٰ رضویہ شریف کا مطالعہ کریں کہ اس میں ہر مسئلہ کی ایسی تحقیق کی گئی ہے جسکی نظیر آج دنیا میں موجود نہیں۔ اور اس میں ہزارہا ایسے مسائل ملیں گے جن سے علماء کے کان بھی آشنا نہیں''۔ (بہار شریعت جلد دوم ص ۵)

امام احمد رضا قدس سرہ خود فتاویٰ رضویہ جلد اول میں فرماتے ہیں ''بظاہر اس میں ۱۱۴ رفتوے اور ۲۸ ررسالے ہیں، مگر بحمد اللہ تعالیٰ ہزارہا مسائل پر مشتمل ہیں، جن میں صدہا وہ ہیں کہ اس کتاب کے سوا کہیں نہ ملیں گے۔

آپ کے فتووں کی ہمہ جہتی:

امام احمد رضا قدس سرہ کے فتاوے دوسروں سے مختلف ہوتے ہیں، اگر سوال کئی جہتوں کا متحمل ہو تو ہر جہت سے اس کا جائزہ لیتے ہیں، کوئی جہت تشنہ نہیں چھوڑتے، ہر ایک پر تفصیلی گفتگو فرماتے ہیں، بلکہ فتاویٰ میں زبان کے ساتھ ساتھ صنف زبان کا بھی لحاظ فرماتے ہیں، اگر سوال اردو میں ہو تو جواب بھی اردو میں تحریر فرماتے ہیں، اگر فارسی میں ہوتا ہے تو فارسی میں جواب دیتے ہیں، اگر عربی میں ہوتا ہے تو عربی میں تحریر فرماتے ہیں۔ اسی طرح اگر سوال نثر میں ہوتا

ہے، جواب نثر میں اور گر نظم میں ہوتا ہے تو جواب بھی نظم میں تحریر فرماتے ہیں۔ مثلاً ایک سوال یہ آیا: مسئولہ نواب سلطان احمد خاں صاحب بریلوی (سوال منظوم)

عالمان شرع سے ہے اس طرح میرا سوال
دیں جواب اس کا برائے حق مجھے وہ خوش خصال
گر کسی نے ترجمہ سجدہ کی آیت کا پڑھا
تب بھی سجدہ کرنا کیا اس شخص پر واجب ہوا
اور ہوں سجدے تلاوت کے ادا کرنے جسے
پھر ادا کرنے سے ان سجدوں کے وہ پہلے مرے
پس سبک دوشی کی اس کی شکل کیا ہوگی جناب
چاہئے ہے آپ کو دینا جوابِ با صواب

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کا جواب یوں تحریر فرمایا:

الجواب ــــــــــــــــــ منظوم

ترجمہ بھی اصل ساں ہے وجہِ سجدہ بالیقیں
فرق یہ ہے فہم معنی اس میں شرط اس میں نہیں
آیتِ سجدہ سنی جانا کہ ہے سجدہ کی جا
اب زباں سمجھے نہ سمجھے سجدہ واجب ہو گیا
ترجمہ میں اس زباں کا جاننا بھی چاہئے
نظم و معنی دو ہیں، ان میں ایک تو باقی رہے
تا کہ من وجہٍ تو صادق ہو سنا قرآن کو
ورنہ اک موجِ ہوا تھی چھوگئی جو کان کو
ہے یہی مذہب بہ یفتیٰ علیہ الاعتماد
شامی از فیض و نہر واللہ اعلم بالرشاد
سجدہ کا فدیہ نہیں، اشباہ میں تصریح کی
صیرفیہ مین اسی انکار کی تصحیح کی
کہتے ہیں واجب نہیں اس پر وصیت وقت موت
فدیہ گر ہوتا تو کیوں واجب نہ ہوتا جبر فوت
یعنی اس کا شرع مین کوئی بدل ٹھہرا نہیں
جز ادا یا توبہ وقت عجز کچھ چارہ نہیں
یہ نہیں معنی کہ ناجائز ہے یا بے کار ہے
آخر اک نیکی ہے نیکی ماحیِ اوزار ہے
قتلـه اخـذا مـن التـعـلـيل فی امر الصلاة
وهـو بـحـث ظـاهـر و الـعـلـم حقـا للـه

(فتاویٰ رضویہ، ج ۳، ص ۶۵۶)

اس جواب میں دونوں مسئلوں کی پوری وضاحت، کتابوں کے حوالے اور رسم افتا کی تمام تر رعنائیاں پورے آب و تاب کے ساتھ موجود ہیں۔

انا ساگر کوزے میں:

امام احمد رضا کی بارگاہ میں طلاق سے متعلق ایک سوال آیا کہ زید کی دو زوجہ ہیں، چھمی اور بشیرن اور اس نے دو یا تین بار کہا: میری عورت پر طلاق اور کسی عورت کا نام نہ لیا۔ تو ان میں کس پر اور کتنی طلاقیں پڑیں گی۔ اس کے جواب میں امام احمد رضا کے علم کی جولانیت، قوت استدلال، جزئیات فقہ کا استحضار اور اصولیات پر گرفت کا اندازہ لگائیے۔ فرماتے ہیں:

> ''صورت مستفسرہ میں یا تو وہ دونوں عورتیں مدخولہ ہوں گی یا دونوں غیر مدخولہ یا ایک مدخولہ ایک غیر مدخولہ اور ہر صورت میں یا تو ایک کی تخصیص کرے گا کہ میں نے اسی کو طلاقیں دی تھیں، یا دونوں کو دینا بتائے گا، تو یہ چھ صورتیں ہوئیں اور بہر تقدیر لفظ مذکور دو بار کہا یا تین بار، تو مجموع بارہ ہیں، جن میں ہر جگہ مدخولہ کے اس لحاظ سے کہ اوسے پہلے ایک طلاق دے چکا ہے یا دو، یا نہیں، چالیس بلکہ اٹھاون ہو جائیں گی اور سب کا حکم چار اصل کلی سے نکل سکتا ہے''۔ (فتاویٰ رضویہ ۵/۶۶۰)

پھر ساری شکلوں کی ایسی وضاحت فرمائی کہ اہل علم جھوم اٹھے۔ بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

”آگے ساری شکلوں کی وضاحت، چاروں اصلوں کا بیان ہے۔ پھر ہر شکل کے حکم کی تخریج آپ کتاب میں پڑھئے اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں خدا کی قدرت کاملہ کا نظارہ کیجئے، اتنے مختصر سوال میں اتنا بڑا سمندر پنہاں ہے۔ سائل بھی سن کر حیران رہ گیا ہوگا۔ مگر ذلك فضل الله يوتيه من يشاء“

(فتاویٰ رضویہ ۲۵/۵)

امام احمد رضا اور نیوٹن کا نظریہ مرکز زمین:

قدیم فلاسفہ کا نظریہ یہ تھا کہ زمین ساکن ہے اور آسمان متحرک، امام احمد رضا نے ان کے رد میں ”الکلمۃ الملھمۃ“ اور ”مقامع الحدیث“ وغیرہ کئی کتابیں تصنیف فرمائیں اور نظریۂ اسلام کہ زمین کی طرح آسمان بھی ساکن ہے، واضح سے واضح تر فرمادیا۔

پھر جدید سائنس دانوں نے حرکتِ آسمان کو غلط بتا کر حرکت زمین کا نظریہ پیش کیا، ۱۶۶۵ء میں نیوٹن نے یہ نظریہ پیش کیا کہ ہر جسم میں دوسرے کو اپنی طرف کھینچنے کی ایک قوت طبعی ہے، جسے باذبایا جاذبیت (Attraction) کہتے ہیں اور دوسرا نظریہ یہ پیش ہوا کہ ہر جسم بالطبع دوسرے کے جذب سے بھاگتا ہے اور اس وقت کا نام نافرہ ہے۔ اسی جذب ونفرت پر سائنس دانوں نے حرکت زمین کی بنا رکھی۔

یہ نظریہ چونکہ اسلامی نظریہ کے خلاف تھا۔ لھذٰا امام احمد رضا نے اس نظریہ کے رد میں ایک سو پانچ دلائل قاہرہ قائم کئے۔ جن میں پندرہ دلائل دوسری کتابوں سے اخذ کر کے ان کے نقائض کا ازالہ فرمایا۔ اور پورے نوے (۹۰) دلائل خود آپ کے ایجاد کردہ ہیں۔ فرماتے ہیں۔ یہ رسالہ مسمی بنام تاریخی ”فوز مبین در ردِ حرکت زمین“ ایک مقدمہ اور چار فصل اور ایک خاتمہ پر مشتمل۔ مقدمہ میں مقررات ہیئات جدیدہ کا بیان جن سے اس رسالہ میں کام لیا جائے گا۔ فصل اول میں نافریت پر بحث۔ اور اس سے ابطال حرکت زمین پر بارہ (۱۲) دلیلیں۔ فصل دوم میں جاذبیت پر کلام اور اس سے بطلان حرکت زمین پر پچاس (۵۰) دلیلیں۔ فصل سوم میں خود حرکت زمین کے ابطال پر اورتیتالیس (۴۳) دلیلیں۔ یہ بحمدہٖ تعالیٰ بطلان حرکت زمین پر ایک سو پانچ (۱۰۵) دلیلیں ہوئیں۔ جن میں پندرہ دلیلیں دوسری کتابوں کی ہیں جنکی ہم نے اصلاح وتصحیح کی۔ اور پورے نوے (۹۰) دلائل نہایت روشن اور کامل بفضلہٖ تعالیٰ خاص ہماری ایجاد ہیں۔ (فوز مبین ص ۳۰)

فن تکسیر میں مہارت:

فن تکسیر میں بھی آپ کا کمال بام عروج کو پہنچا ہوا تھا۔ اس فن میں بھی آپ بہت سے اصول وقواعد کے موجد ہیں۔ حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت سے یہ علم بھی حاصل کیا۔ اور درجۂ کمال کو پہنچے اس فن میں بھی آپکا مقام اجتہاد کے درجہ کو پہنچا ہوا تھا۔

ایک صاحب جو فن تکسیر سے واقفیت رکھتے تھے۔ حضرت ملک العلماء کے پاس آئے۔ علم تکسیر کا ذکر آیا۔ حضرت ملک العلماء نے فرمایا۔ مربعہ کتنے طریقے سے بھرتے ہیں۔

ان صاحب نے بہت فخریہ انداز میں فرمایا: سولہ طریقوں سے۔

حضرت ملک العلمانے فرمایا: بس؟

اس پر وہ صاحب بولے: اور آپ؟

ملک العلما: گیارہ سوباون (۱۱۵۲) طریقے سے

بولے: سچ؟

حضرت ملک العلما: جھوٹ کہنا ہوتا تو کیا لاکھ دو لاکھ کا عدد مجھے معلوم نہ تھا۔ گیارہ سوباون کی کیا خصوصیت تھی؟

صاحب بولے: میرے سامنے بھر سکتے ہیں؟

حضرت ملک العلما: ضرور بلکہ میں نے بھر کر رکھ دیا ہے۔

پھر حضرت ملک العلمانے انہیں اپنے گھر مدعو فرمایا۔ اور ان کے سامنے وہ نقوش رکھے۔ تعجب سے دیکھتے رہے۔

پھر پوچھا: کن سے سیکھا؟

ملک العلما: اعلیٰ حضرت امام اہل سنت سے۔

اعلیٰ حضرت کے معتقد تھے نام سنکر یقین ہوگیا۔

پھر پوچھا: اعلیٰ حضرت کتنے طریقوں سے بھرتے ہیں۔

ملک العلما: دو ہزار تین سو (۲۳۰۰) طریقوں سے۔

کہا: آپ نے اور کیوں نہیں سیکھا؟

ملک العلما: وہ علم کے دریا نہیں سمندر ہیں جس فن کا ذکر آتا ہے اس پر ایسی گفتگو فرماتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ عمر بھر اسی کو سیکھا ہے۔ اور اسی کی کتب بینی کی ہے ان کے علوم کو میں کہاں تک حاصل کروں۔

(حیات اعلیٰ حضرت ج ۱ ص ۲۸۲)

مسئلہ تیمم میں آپکی انفرادیت:

تیمم کی تعریف میں فقہاء کرام کے چھ اقوال ملتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں تیمم کی تعریف سے متعلق استفتاء آیا۔ آپ نے وہ سارے اقوال نقل فرمائے۔ ان تعریفات پر جو اعتراضات وارد ہوئے۔ ان کے جوابات دیکر مسئلہ کو خوب منقح فرمایا۔ اخیر میں تعریف رضوی تحریر کی۔ اور اس میں قیود احترازیہ کے فوائد اور پانی سے عجز کی ایک سو پچھتر (۱۷۵) صورتیں تحریر فرمائی اور اخیر میں لکھا۔

الحمد للہ یہ پانی سے عجز کی پونے دو سو صورتیں اس رسالہ ''حسن التعمم لبیان حد التیمم'' کے خواص سے ہیں کہ اس کے غیر میں نہ ملیں گی۔ اگرچہ جو کچھ ہے علماء کرام ہی کا فیض ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۶۵۸)

یہ امام احمد رضا قدس سرہ کی انفرادیت ہے جو انکے معاصرین بلکہ ماضی میں صدیوں تک نہیں ملتی۔

تیمم کس چیز سے جائز اور کس چیز سے نہیں:

اس عنوان پر آپ نے تمام کتب فقہ کا احاطہ کیا۔ تو پچھتر (۷۵) چیزیں سامنے آئیں جن سے تیمم کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اور ایک سو سات کا خود اضافہ فرمایا۔ اور جن چیزوں سے تیمم جائز نہیں۔ کتب فقہ سے چون (۵۴) کا پتہ لگایا۔ اور بہتر (۷۲) کا اضافہ فرمایا۔ اور اخیر میں فرمایا۔ یہ تین سو گیارہ (۳۱۱) چیزوں کا بیان ہے۔ ۱۸۱ر سے تیمم جائز جن میں ۷۴ر منصوص اور ۱۰۷ر زیادات فقیر۔ اور ایک سو تیس (۱۳۰) سے ناجائز جن میں ۵۸ر منصوص اور ۷۲ر زیادات فقیر۔ ایسا جامع بیان اس تحریر کے غیر میں نہ ملیگا۔ بلکہ زیادات درکنار اتنے منصوصات کا استخراج بھی سہل نہ ہو سکے گا۔ وللہ الحمد اولاً و آخراً۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۷۰۱)

یہی وہ شان امتیاز ہے امام احمد رضا کی جو آپ کو معاصرین سے ممتاز کرتی ہے۔

علم توقیت میں آپ کا مقام:

علم توقیت کوئی مستقل فن نہیں ہے بلکہ مختلف علوم وفنون کے چند قواعد واصول کا مجموعہ ہے۔ یہ علم تقریباً مفقود الخبر ہو چکا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے اسکے اصول وقواعد کو یکجا کیا۔ اس علم میں بھی کچھ قواعد خود ایجاد بھی فرمائے اس پر کوئی مستقل کتاب نہیں ملتی۔ آپ کے تلامذہ نے یہ علم اس طرح حاصل کیا کہ آپ زبانی قواعد ارشاد فرماتے اور طلبہ اپنی اپنی کاپی میں نوٹ کرتے جاتے۔ اس طرح یہ علم اپنی جدت کے ساتھ تشنگان علوم کی توجہ کا پھر مرکز بن گیا۔ حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ کی تالیف ''الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت'' معروف بہ توضیح التوقیت، ان ہی قواعد کا مجموعہ ہے۔

استخراج اوقات میں عرض البلد اور طول البلد ایک بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، ان کے بغیر بعد فوقانی، بعد تحتانی، بعد کوکب، محفوظ اعظم، محفوظ اصغر، محفوظ اقرب اور محفوظ ابعد وغیرہ کا حساب آگے نہیں چل سکتا ہے، ان مراحل سے آگے جیب (Sine)، جیب التمام (Cosine)، قاطع (Secant)، قاطع التمام (Cosece)، ظل اول (Tang) اور ظل ثانی (Cotang) وغیرہ کا درجہ آتا ہے، غرض ایک صفحہ ورق سیاہ کرنے کے بعد وقت نکل آتا ہے۔

مگر امام احمد رضا قدس سرہ کے درک لطیف کا یہ عالم تھا کہ جہاں اوروں کو اس طرح کے حساب کی اصطلاح میں وقت طویل درکار ہوتا، وہاں آپ کی ایک نظر کافی ہوتی۔

جناب سید ایوب علی صاحب مرحوم نے ۱۳۳۵ھ میں اوقات نماز کیلئے ایک نقشہ مرتب کیا اور بغرض اصلاح اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے دس پندرہ منٹ کے اندر اصلاح کر کے واپس کر دیا۔ سید صاحب مرحوم نے دیکھا تو صحیح کی جگہ

صحیح اور غلط کی جگہ غلط کا نشان لگا ہوا تھا۔ مگر ایک جگہ (خیر) لکھا تھا۔ سید صاحب نے جب اسے جانچا تو سکنڈ کے ہزارویں حصہ کا فرق آیا۔ سید صاحب مرحوم فرماتے ہیں۔

اگر چہ وقت پہ اس کا کوئی اثر نہ آتا تھا۔ مگر غلطی تو تھی۔ اس لئے بجائے صحیح کے لفظ (خیر) ارقام فرمایا۔

اللہ اللہ! یہ ہیں وہ پاک و متبرک و بے مثل محتاط صادق القول نفوس قدسیہ جن کی تحریر منیر اور تقریر دل پذیر کا کوئی جملہ، کوئی لفظ، کوئی حرف نعوذ باللہ قابل گرفت نہیں۔ (حیات اعلیٰ حضرت اول، ص ۱۹۳)

سمت قبلہ کی دریافت بھی فن توقیت سے تعلق رکھتی ہے، اس سلسلے میں امام احمد رضا قدس سرہ نے دس قواعد ایجاد فرمائے، ان قواعد کی صحت و حقیقت کا حال حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ "توضیح التوقیت" میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

سمت قبلہ نکالنے کے اگر چہ قواعد بہت ہیں، جن میں سے چند قاعدے فقیر نے رسالہ "سلّم الافلاک" میں بیان کئے ہیں، مگر اس جگہ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے رسالہ "سمت قبلہ" سے باب دوم پر اکتفا کروں، جس کے دس قواعد تمام روئے زمین، زیر و بالا، بحر و بر، سہل و جبل، آبادی و جنگل سب کو محیط ہیں کہ جس مقام کا عرض وطول معلوم ہو، نہایت آسانی سے اس کی سمت قبلہ نکل آئے۔ آسانی اتنی کہ ان سے سہل تر بلکہ ان کے برابر بھی کوئی قاعدہ نہیں اور تحقیق ایسی کہ عرض وطول اگر صحیح ہوں اور ان قواعد سے سمت قبلہ نکال کر استقبال کریں اور پردے اٹھا دئے جائیں تو کعبہ معظمہ کو خاص روبرو پائیں۔ (توضیح التوقیت ص ۲۰۶)

نوٹ کے مسئلے پر آپ کی تحقیق انیق:

۱۳۲۴ھ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ برائے حج و زیارت جب مکہ معظمہ تشریف لے گئے، تو علمائے حرمین میں سے حضرت علامہ مرداد و حضرت مولانا حامد جدادی قدس سرہما نے نوٹ کے مسئلہ میں بارہ سوالات پر مشتمل ایک استفتا آپ کی بارگاہ میں پیش کیا، امام احمد رضا قدس سرہ نے بکمال عجلت و بحالت سفر و مرض دو دن سے کم میں "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" بزبان عربی تصنیف فرمایا۔

اس سے پہلے مفتی حنفیہ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا جمال بن عبد اللہ بن عمر مکی قدس سرہ سے نوٹ کے بارے میں سوال ہو چکا تھا، انہوں نے جواب تحریر فرمایا۔ علم علما کی گردنوں میں امانت ہے، مجھے اس کے جزیہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کچھ حکم دوں۔

ایک روز امام احمد رضا قدس سرہ کتب خانہ میں تشریف لے گئے، وہاں ایک عالم دین کو رسالہ "کفل الفقیہ الفاہم" مطالعہ کرتے دیکھا، جب اس مقام پر پہنچے جہاں آپ نے "فتح القدیر" سے یہ عبارت "لو باع کاغذة بالف یجوز و لا یکره" نقل کی تھی، تو بھڑک اٹھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولے "ابن جمال بن عبدالله من هذا النص الصريح" حضرت جمال الدین بن عبد اللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہے، علمائے حرمین شریفین نے خوب خوب داد و تحسین سے نوازا۔ (حیات اعلیٰ حضرت اول ص ۴۳۶)

قائلین بہ تمسک (نوٹ ایک دستاویز ہے) کے رد میں تقریباً ایک سو چالیس ایرادات قائم فرمائے اور اپنے موقف (کہ نوٹ مال اور ثمن اصطلاحی ہے، لہٰذا اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو فقہا نے ثمن اصطلاحی کا قرار دیا ہے) پر دلائل و براہین کے انبار لگا دئے۔

طبقات فقہا میں آپ کا درجہ:

علامہ ابن کمال پاشا قدس سرہ نے فقہا کے سات طبقے تحریر فرمائے ہیں، جن کو علامہ شامی علیہ الرحمہ نے فتاویٰ شامی جلد اول میں بیان فرمایا۔

(۱) پہلا طبقہ مجتہدین فی الشرع کا ہے، مثلاً ائمۂ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جنہوں نے قواعد اصول خود ایجاد کئے اور ان قواعد کی روشنی میں مسائل فقہیہ استنباط فرمائے۔

(۲) دوسرا طبقہ مجتہدین فی المذہب کا ہے، جیسے امام ابو یوسف و امام محمد وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو اصول میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کرتے ہیں اور ان اصول سے احکام استنباط کرنے کی قدرت

رکھتے۔

(۳) تیسرا طبقہ مجتہدین فی المسائل کا ہے۔ یہ طبقہ ان مسائل کے استنباط کی قدرت رکھتا ہے، جن مسائل میں صاحب مذہب سے کوئی نص نہیں۔ جیسے علامہ خصاف وامام ابوجعفر طحاوی وغیرہ رضی اللہ عنہم۔

(۴) چوتھا طبقہ اصحاب تخریج کا ہے۔ جیسے علامہ رازی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ طبقہ اجتہاد کی اصلاً قدرت نہیں رکھتا، لیکن احاطہ اصول اور ضبط ماٰخذ کی وجہ سے مجمل قول کی تفصیل کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔

(۵) پانچواں طبقہ اصحاب ترجیح کا ہے، جیسے صاحب قدوری وصاحب ہدایہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ طبقہ بعض روایات کو بعض پر فضیلت دیتا ہے۔

(۶) چھٹا طبقہ اصحاب تمیز کا ہے۔ جیسے صاحب کنز، صاحب مختار، صاحب وقایہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ فقہا اقویٰ وقوی، ضعیف روایات ظاہرہ ونادرہ میں تمیز پر قدرت رکھتے ہیں۔

(۷) ساتواں طبقہ مقلدین فقہا کا ہے۔ جو امور مذکورہ پر قدرت نہیں رکھتا۔ (فتاویٰ شامی، جلد اول ص ۵۲)

امام احمد رضا قدس سرہ کے فتاوے میں سینکڑوں نہیں، بلکہ ہزارہا مسائل ایسے ملیں گے، جن کی تصریح کتب فقہ میں کہیں نہیں ملتی۔ یہ آپ کی خداداد صلاحیت اور قوت اجتہاد کا نتیجہ ہے کہ اصول حنفیہ سے وہ تمام مسائل استخراج فرمائے۔ اس لیے فتاویٰ رضویہ جلد اول میں فرماتے ہیں ''بظاہر اس میں ۱۱۴ ر فتوے اور ۲۸ ر رسالے ہیں، مگر بحمد اللہ تعالیٰ ہزارہا مسائل پر مشتمل ہیں، جن میں صدہا وہ ہیں کہ اس کتاب کے سوا کہیں نہ ملیں گے''۔

اس لیے محقق عصر حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ''علامہ ابن کمال پاشا نے فقہا کے سات طبقے بیان کئے، جن میں تیسرا طبقہ مجتہدین فی المسائل کا ہے، یہ وہ فقہا ہیں جو اصول وفروع میں اپنے امام کے پابند ہیں اور امام کے غیر منصوص احکام استنباط کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی کے فتاویٰ اور تحقیقات جلیلہ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وہ مجتہدین کے اسی طبقے میں شامل ہیں''۔ (مقدمہ فتاویٰ رضویہ اول، ص: ق)

مکہ شریف کے فقیہ جلیل علامہ سید اسماعیل قدس سرہ نے آپ کے فتاوے کے چند ورق ملاحظہ فرما کر یہاں تک لکھ دیا "واقول والحق انه لو راها ابو حنيفة النعمان رضي الله تعالى عنه لاقرت عينه و لجعل مولفها من جملة الاصحاب" بخدا کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ اگر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اعلیٰ حضرت کے) ان فتاویٰ کو ملاحظہ فرماتے تو امام اعظم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور فتویٰ لکھنے والے (اعلیٰ حضرت) کو اپنے شاگردوں (امام ابویوسف وامام محمد وامام زفر وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طبقے) میں شامل کرتے۔ (رسائل رضویہ، ص ۲۵۸)

ایک وہابی فاضل ملا نظام الدین احمد پوری کو امام احمد رضا قدس سرہ کا رسالہ "الفضل الموهبي في معنى اذا صح الحديث فهو مذهبي" کے چند اوراق سنائے گئے تو بصد حیرت کہا ''یہ سب منازل فہم حدیث مولانا احمد رضا کو حاصل تھے؟ افسوس! کہ میں مولانا (احمد رضا) کے زمانے میں رہ کر بے خبر، بے فیض رہا۔ نیز کہا کہ علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں، یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتے ہیں۔ (سوانح اعلیٰ حضرت ص ۲/۳،۴)

شان اجتہاد اور آداب علما:

امام احمد رضا نے ہر میدان میں طبع آزمائی کی، جملہ علوم و فنون پر اپنی یادگاریں چھوڑیں اور جس موضوع پر قلم اٹھایا، تحقیق کا حق ادا کر دیا، مخالفین نے آپ کی عظمت کو نیچا دکھانے میں طرح طرح کے جتن کئے، مگر ان کی قوت استدلال کے آگے ایک کی نہ چلی۔ دشمن کا ہر وار بے اثر ثابت ہوا۔

یہی وہ خصوصیات ہیں جو امام احمد رضا کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں اور دنیا امام احمد رضا کو حاشیہ کے بجائے متن ماننے پر مجبور ہوتی ہے۔

ان ساری خوبیوں کے باوجود یہاں کبر نہیں، کوئی نخوت نہیں، علمی مواخذے کو معروضہ اور تطفل سے تعبیر کرتے ہیں، ادب کا

دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، فتاویٰ رضویہ کے خطبے میں فرماتے ہیں"یہ یاقوت و مرجان ہیں، جن کو مجھ سے پہلے کسی آدمی یا جن نے ہاتھ نہیں لگائے، نو پید چیزوں کے احکام اور مفصل تحقیقوں اور صحیح تنقیحوں اور شاندار دقیقوں اور یکتا تابندوں اور احکام کی مضبوطیوں اور اعتراضوں، جوابوں سے جو بڑے علم والے بادشاہ نے مجھے الہام کیے، علوم اکابر کی خدمت گزاری کی برکت سے، یہ جو میں کہہ رہا ہوں اس سے ہزاروں ہزار بیزاریاں ہیں، اپنی قوت و طاقت سے اور نتم تم کی التجائیں ہیں، عظمت والی قوت اور ازلی فضل و منت کی طرف...... الخ"
آگے فرماتے ہیں: "کبھی میرے دل میں خطرہ نہیں گزرا کہ میں عالم ہوں، فقہا کے گروہ سے ہوں یا اماموں کے مقابل مجھے کوئی لفظ کہنا پہنچتا ہے، یا علم و حکمت شرع میں مجھے ان کے ساتھ کچھ مجال ہے۔ میں تو ان کا نام لیوا ہوں اور ان کا طفیلی ہوں، انہیں سے لیتا ہوں اور فائدے پاتا ہوں، مجھ پر جو فیض آتا ہے انہیں سے آتا ہے، ان کی برکت سے مولیٰ نے مجھ پر دروازے کھول دئے اور اسباب آسان کیے اور خدا چاہے تو ہر مسئلہ میں حق کی طرف ہدایت فرمائے اور میں پہچانتا ہوں کہ مقلد کو کس جگہ اقوال کہنا روا ہے، تو میں اپنے ہی میدان میں جولان کرتا ہوں"

اے امام اہل سنت تاجدار علم و فن
خوب کی تجدید ملت تم نے اے سر و چمن
نائب شاہ دنی ہو جانشین اولیا
رونق بزم طریقت واقف سر و علن
یادگار بو حنیفہ غوثِ اعظم کے شبیہ
نازشِ مردان حق ہو زینتِ باغ و چمن
تم نے ہی البرٹ جیسے نامور کو دی شکست
جس کا شاہد ہے ابھی وہ نیر چرخ کہن
تیرے علم وفن کا ہے وہ دبدبہ جاہ و شکوہ
جھک گئے سب تیرے آگے فیلسوفان زمن
تھا تیرا سیفِ قلم اعدا کے حق میں خوں فشاں
رزم گاہِ حق و باطل میں رہا تو صف شکن
اے سراپا خیر و برکت رہبر حق زندہ باد
پیکرِ رشد و ہدایت خوبرو شیریں دہن
آپ کے اوصاف تک کس کی رسائی ہو بھلا
ہو نبی کے معجزہ بس ختم ہے اس پر سخن

مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ، فاضل بریلوی

ڈاکٹر سید محمد فاروق القادری

نہ سنتے جو تم غیروں کی زبانی
بہت دلچسپ تھی میری کہانی

قارئین یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ برصغیر کے مسلمان عوام کی اکثریت شروع سے مشائخ وصوفیا کی عقیدت منداور مسلک صوفیا صافیہ پر قائم ودائم ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تک سواد اعظم کا یہ دھارا فرمان نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق بلا اختلاف اپنی اصلی اور حقیقی لائن پر چلتا اور بہتا رہا۔ سوء اتفاق سے اسی خاندان کے ایک فرد نے اپنے بزرگوں کے بعد بالکل ایک نئی اور انوکھی تعبیر کو اپنی دعوت کا عنوان بنایا اور شدت سے اس پر اصرار کیا تو جس طرح ہر تحریک کو لوگ مل جاتے ہیں، اس فکر کو بھی ہم خیال لوگ میسر آنے لگے، اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ فکر اور انداز کچھ عرصہ قبل نجد و حجاز سے انتہائی شدت اور جارحیت کے ساتھ اپنا آغاز کر چکا تھا، اس دعوت اور فکر کا سارا مسالہ اسلام کے پیغام رحمت و رافت اور ادب و نیاز کے برعکس درشتی، گستاخی، بے احتیاطی اور بات بات پر مسلمانوں کو کافر و مشرک قرار دے کر ان کے جان و مال کو مباح قرار دینے پر مبنی تھا، برصغیر میں اس کی ابتدا بھی دراصل اسی کی صدائے بازگشت تھی۔

اسے حسن اتفاق کہنا اور سمجھنا چاہیے کہ قدرت نے اپنی فیاضی سے فاضل بریلوی جیسی قد آور علمی روحانی شخصیت کو پیدا کر دیا

جو اس اعتزالی، انحرافی فکر کے خلاف سینہ سپر ہو کر میدان عمل میں آ گئی اور اس نے بظاہر خوشنما مگر بہ باطن تباہ کن یلغار کے سامنے سد سکندری باندھ دیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ فاضل بریلوی اپنے علمی قد و قامت، صدری قوت، جوش ایمانی اور عشق نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دولت سے سرشاری میں صدیوں پر بھاری شخصیت تھے، وہ بلا شبہ عربی کے اس شعر کا مصداق ہے ۔

له همم لا منتهى لكبارها

و همة الصغرى اجل من الدهر

حاشا وکلا فاضل بریلوی نے کسی نئی فکر یا تحریک یا پارٹی کی بنیاد رکھی؟ کسی نئی پارٹی یا جماعت کو بے سروسامانی کے باوجود اس قدر ہمہ گیر مقبولیت ممکن ہے، کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ برصغیر میں "تقویۃ الایمان" کی گستاخ رسالت عبارات صراط مستقیم اور براہین قاطعہ وغیرہ کی جگر پاش عبارات سے مسلمانوں کے دل چھلنی ہو رہے تھے، کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اثر ابن عباس کے مسئلہ پر ایک چھوٹا سا ٹولہ جمہور مسلمانوں سے الگ ہو گیا تھا، اس سے کوئی انکار کر سکتا ہے کہ ۱۲۴۶ھ شاہی مسجد دہلی کے تاریخی مباحثہ میں بدایوں، خیر آباد اور دہلی کے سارے علما ایک طرف اور چند مولوی صاحبان دوسری طرف تھے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی امتناع النظیر اور ابطال الطغوی ایسی کتابیں یہیں لکھی تھیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ سواد اعظم کو جونہی اپنے عقائد و معمولات کی تائید و حمایت اور اسے نئے، اوپرے اور اجنبی نظریات سے بچانے کے لیے ایک انتہائی پر جوش، ہر قسم کی صلاحیت سے بہرہ ور اور حیرت انگیز صلاحیتوں کا حامل وکیل میسر آیا تو پورے برصغیر کے مسلمانوں نے اسے سر پر بٹھایا، آنکھوں میں جگہ دی۔ فاضل بریلوی عملی، علمی اور روحانی حوالہ سے کسی طرح بھی نامور اسلاف سے کم نہ تھے، مگر اس موڑ پر یہ اعزاز اور انفراد انہیں اور صرف انہیں عطا ہوا کہ برصغیر کے عوام و خواص اور تمام علمی و روحانی خانوادوں کے نزدیک وہ اہل سنت کا نشان، علم اور علامت قرار دیے گئے۔

برصغیر کا پورا مسلم معاشرہ اپنے پاؤں پر کھڑا رہا، انہیں یہ درآمد شدہ نظریات ہلا بھی نہ سکے، تو مخالفین نے انتہائی ہوشیاری اور منصوبہ بندی سے اپنا پینترا بدلا۔ اب صوفیا و مشائخ کے معمولات و معتقدات پر شدید الزامات لگانے والے خود مشائخ و صوفیا بن بیٹھے اور انہوں نے کشف و کرامات، درود و وظائف، من گھڑت حکایات اور غلط بخشی کے طور پر القاب و خطابات میں اہل سنت (ان کے بقول بریلویوں) کو کوسوں پیچھے چھوڑ دیا۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی جو سب کے مرشد ہیں، صرف شیخ العرب و العجم ہیں، جب کہ قطب عالم، قطب ارشاد، حکیم الامت، امام الہدیٰ، قاسم العلوم والخیرات، زندہ ولی وغیرہ ایسے سینکڑوں القاب ان لوگوں کو دیے گئے جو دور حاضر کے لوگ تھے اور جو اپنے معتقدین کو عمر بھر یہی درس دیتے رہے کہ غوث اعظم، داتا صاحب، گنج شکر، غریب نواز ایسے القاب نعوذ باللہ غیر اسلامی ہیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے بعد اپنے شیخ اپنے مرشد اپنے غوث اپنے قطب بنا کر ان کی تعریف و توصیف اور مبالغہ آمیز کرامات و حکایات پر مبنی سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو اتنی اہمیت کیوں نہ دی گئی؟ آخر "فیصلہ ہفت مسئلہ" ایسا بڑا جرم بھی تو ان سے صادر ہوا تھا؟ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا کیا جرم تھا کہ سید سلیمان ندوی نے یہاں تک فرما دیا کہ شاہ صاحب کا مطالعہ احتیاط سے کرنا چاہیے، کہیں کہیں وہ کفر کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ یہی جرم تھا نا کہ انہوں نے 'انفاس العارفین' 'فیوض الحرمین' 'الدر الثمین' وغیرہ لکھ کر وہی جرم کیا تھا جس کی تجدید بعد میں فاضل بریلوی نے کی، یوں مخالفین نے اپنی مقصد برآری کے لیے انتہائی باریک بینی اور ژرف نگاہی کے بعد اپنا پینترا بدلا، اگرچہ انہیں دوہرے معیار سے کام لینا پڑا۔

انتہائی کرب اور صدمے کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اگر

مخالفین نے دوہرا معیار اپنایا تو خود اہل سنت کے علما و مشائخ نے تہرا معیار اختیار کرلیا، ان کرم فرماؤں نے فاضل بریلوی کے ساتھ جو کچھ کیا، اس پر ان کی روح آج بھی فریاد کررہی ہے کہ ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہر چہ کرد آں آشنا کرد

یہ سوچنے کی کسی نے زحمت ہ گوارا نہیں کی کہ اگر آج تک فاضل بریلوی ضعیف الاعتقادی، بدعات اور نعوذ باللہ غلط عقائد کے کوسنے دئے جارہے ہیں، تو اس کا باعث خود فاضل بریلوی نہیں، بلکہ یہی ہمارے بعض علما اور جاہل پیروں کا وہ گروہ ہے، جو شریعت و سنت کی بالا دستی، علم و فضل اور تفقہ و تدبر کے میدان میں تو فاضل بریلوی کا حوالہ دیتا ہے، مگر جہاں اپنی پیری مریدی بڑھانے، اپنے اپنے حلقۂ فکر کو نمایاں کرنے اور صوفیہ کے طریق عزلت و گمنامی کو چھوڑ کر اپنے اپنے اظہار کا مسئلہ آتا ہے تو وہاں چھوٹے سے چھوٹا آدمی بھی فاضل بریلوی کو پرکاہ کی وقعت نہیں دیتا۔

اگر علمائے دیوبند کی متنازعہ گستاخانہ عبارات آسمان سے اترا ہوا صحیفہ نہیں ہیں کہ ان میں تبدیلی نہیں ہوسکتی تو ہماری خانقاہوں پر جو خرافات اعتقادی اور عملی طور پر رواج پاگئی ہیں، وہ بھی طریقت کا حصہ نہیں ہیں، کیا یہ ناچ بھنگڑے، جھومر، تھیٹر، بے قاعدہ قوالی اور راگ کی مجلسیں، قد آدم کے برابر اونچی قبریں، قبروں پر کروڑوں روپے کا ضیاع، قبروں کے سجدے طواف، مخلوق خدا کو اللہ کی بجائے اپنے سامنے سر جھکانے کا کاربے خیر آخر کس قاعدے قانون کا نتیجہ ہے؟

مجھے علم ہے کہ میری اس تحریر سے بعض جبینوں پر شکن پڑیں گے، مگر میں بہ بانگ دہل کہنا چاہتا ہوں کہ سنیت کا ٹھیکیدار کوئی نہ بنے، راقم السطور بحمد اللہ خاندانی اعتبار سے اہل سنت کے عظیم خانوادے سے تعلق رکھتا ہے، میرے جد امجد کے فاضل بریلوی کے ساتھ ذاتی تعلقات رہے ہیں، میں نے سنیت اور مسلک حقہ کی تائید و نصرت میں ہزاروں صفحات لکھے ہیں، ملک کا اہل علم طبقہ اچھی طرح جانتا ہے۔

میں یہاں پر یہ بات نہیں چھپانا چاہتا کہ دنیائے سنیت میں شتر مرغ پالیسی نہیں چلے گی، عمائدین اہل سنت اس آخرین دور میں فاضل بریلوی ایسا بلند مرتبہ فقیہ، شریعت و سنت کا پیکر، علم و فضل کا مالک اور عاشق رسول سامنے لے آئیں ورنہ افرایت من اتخذ الٰھہ ھوی کے مطابق چھوٹی چھوٹی ٹولیاں اور جتھے بنا کر اور اپنی خواہشات اور پسند کو سنیت کا لبادہ دے کر اس عظیم شخصیت کو بدنام کرنے کی روش ترک کردیں۔

خدا کے لیے کوئی ہمیں بتائے کہ اہل سنت کے اس صدی کے کتنے مجدد ہیں، کتنے امام ہیں کتنے مقتدا ہیں جس کی جو مرضی اور خواہش ہوتی ہے، اسی کے مطابق اپنی زنبیل سے وہ اپنے ممدوح کو القاب دے دیتا ہے کل حزب بما لدیه فرحون کا منظر ہے۔

گزشتہ سال راقم سطور ایک ضلع کے ڈپٹی کمشنر کے پاس گیا جو صاحب علم اور انتہائی لائق فطرت کے مالک تھے، ان کے سامنے ایک درخواست رکھی تھی، جو انہوں نے میری طرف بڑھادی، اس میں ایک معروف خانقاہ کے سجادہ نشین کی طرف سے گزارش کی گئی تھی کہ عرس کے موقع پر تھیٹر اور سرکس کی اجازت دی جائے اور لطف یہ کہ یہ درخواست لے کر سجادہ نشین صاحب خود ڈپٹی کمشنر کے پاس آئے تھے، ڈپٹی کمشنر نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا؟

ہر واعظ، مولوی اور عالم پیری مریدی کے چکر میں پڑا ہوا ہے، جو بھی فوت ہوتا ہے، اس کے روضے، آستانے، عرس شروع ہو جاتے ہیں، مریدین و معتقدین کو یہ زہر انڈیلا جاتا ہے کہ بس جو کچھ ہیں ہمارے حضرت ہیں، ان کے خلاف جو سوچتا ہے، عمل کرتا ہے، یا بات کرتا ہے وہ بے دین اور گمراہ ہے۔ یہاں ایسے ایسے لوگ بھی بڑے مشائخ میں شمار ہوتے ہیں اور کئی نام نہاد علما کو ہم نے ان کے پاؤں پر سر رگڑتے دیکھا ہے، جنہوں نے زندگی میں ایک نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی، کبھی جمعہ نہیں پڑھا، عیدین کی نماز میں

شامل نہیں ہوئے، فرض ہونے کے باوجود حج کی سعادت سے محروم ہیں، آخر یہ کیسی طریقت ہے، یہ تصوف وروحانیت کی کون سی قسم ہے؟ اگر ہم غلطی پر ہیں تو کوئی ہمیں سمجھائے۔

امام دار الہجرہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا وہ آب زر سے لکھنے کے لائق فرمودہ کہاں گیا جس میں آپ نے روضہ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

کل یوخذ عنه و یرد علیه الا صاحب هذا القبر

سوائے اس صاحب مزار (آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ہر شخص کی بات قبول بھی کی جاسکتی ہے اور رد بھی۔

ہمیں یہ بات تسلیم کر لینی چاہئے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تصوف وطریقت اور خانقاہی رسوم وآداب سے متعلق اہل سنت کے ہاں بے شمار کوتاہیاں اور خامیاں ہیں، خوش عقیدگی شخصیت پرستی کو چھو رہی ہے، ہمارے ذکر واذکار، وعظ وتبلیغ اور تصنیف وتالیف کی جہد وکاوش اپنے اپنے حلقوں تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔

یہ لے اس قدر بڑھ چکی ہے کہ بعض حضرات نے چشتیت قادریت کی افضلیت پر بحثیں شروع کر دی ہیں، قادری کا لفظ دیکھ کر کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ شاید راقم اسی خول میں گرفتار ہے میرے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے، میرے نزدیک سلاسل تصوف حقیقت واحدہ تک پہنچنے کے راستے ہیں، جو سب اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ مگر یہ کیا ہے یہ بات غوث اعظم کی تنقیص تک جا پہنچے؟ اگر شریعت وسنت کے اس مثالی علم بردار اور توحید کے سب سے بڑے مبلغ کو تصوف کی تاریخ سے الگ کر دیا جائے تو مخالفین تصوف کے سامنے پیش کرنے کو رہ کیا جاتا ہے؟ کیا یہ سلسلہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی تحریکیں تھیں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر آج سے کسی مولوی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ مسلم الثبوت مشائخ کے بارے میں ایسی گھٹیا زبان استعمال کرے اس کے باوجود گستاخ صرف دیوبندی ہی ہیں

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

ایسے لوگوں کو سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

پس چہ باید کرد

کئی سال کے مطالعے اور طویل غور وفکر کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ فاضل بریلوی کا اصول وفروع میں مسلک ہی وہ پرامن شاہراہ ہے جس کی مضبوط بنیادیں کتاب وسنت پر اٹھائی گئی ہیں، ہماری باقی رسمیں، ریتیں علم وخرد اور فقہ وسنت کی ہلکی سی آنچ بھی برداشت کرنے کے قابل نہیں ہیں، اگر اہل سنت کے کچھ افراد یا جماعتیں پیری، مریدی، کشف وکرامات اور سیاسی بازیگری کے کھیل تماشے سے الگ ہو کر صرف اصلاح اخلاق واعمال اور مثبت دینی لٹریچر کا بیڑا اٹھالیں تو شاید کچھ اصلاح احوال کی صورت نکل آئے، دوسری بات جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے، وہ یہ ہے کہ آخری حتمی اور یقینی فیصلہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے، لہٰذا غیر مشروط اطاعت صرف انہی کی ہونی چاہئے۔

فاضل بریلوی کا نام لینے والوں پر ان کا حق اور فرض ہے کہ وہ خاص طور پر اتباع سنت کے بارے میں انہیں صدق دل سے اپنا راہنما بنا کر اپنی کوتاہیاں دور کریں۔

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر وخواہ ملال

(بشکریہ: انوار رضا کا تاجدار بریلی نمبر ۲۰۰۳ء)

مسلک اعلیٰ حضرت سے انحراف کیوں؟

مولانا محمد ادریس رضوی (ایم۔اے)

..........گزشتہ سے پیوستہ

اعلیٰ حضرت پر اب تک کاموں کی فہرست کو بغور دیکھیے، جن گوشوں پر کام نہیں ہوا ہے یا تشنہ طلب ہیں، دیانتداری سے لکھیے، لکھوائیے، بدعات ومنکرات کی رد میں کام کم ہوئے ہیں جس کی بنا پر ''قبوری شریعت'' کی من گڑھت ٹوپی بریلویوں کے سر پر ڈال دی گئی ہے، اس موضوع کو وسیع کر دینے سے ''قبوری شریعت'' کی اصطلاح ختم ہو جائے گی تو بسم اللہ کیجیے، آپ کے ساتھ پوری ٹیم ہوگی اور آج نہیں تو کل پوری سنی برادری کے لوگ آپ کے ممنون رہیں گے۔ ویسے رد بدعات ومنکرات کے عنوان پر کئی علما نے کتابیں لکھی ہیں اور اس موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی بھی ہوئی ہیں۔ جو لوگ اہل سنت وجماعت بنام بریلوی کے سر پر بدعت کی ٹوکری رکھتے، خود ان کے سر پر ٹوکریاں رکھی ہوئی ہیں، پہلے وہ اپنے سر کا بوجھ اتاریں، پھر ہم پر طعن کریں، مگر معاملہ یہ ہے کہ ''بد اچھا بدنام برا'' کیا خانقاہوں کے سجادہ نشینوں، مزارات کے مجاوروں، اراکینوں، اور مخالف گروہوں کی ٹولیوں کی سماعت سے یہ باتیں نہیں ٹکرائیں اور ان کی بصارت نے اس تحریر کو نہیں دیکھا کہ اعلیٰ حضرت سے پوچھا گیا ''حضور اجمیر شریف میں خواجہ صاحب کے مزار پر عورتوں کو جانا جائز ہے یا نہیں؟'' اعلیٰ حضرت نے اس کا جواب عیاں کر دیا ''غنیۃ میں ہے: یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزار پر جانا جائز ہے یا نہیں، بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور کس قدر صاحب قبر کی جانب سے، جس وقت وہ گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں'' (الملفوظ حصہ دوم)

''بریلوی علما ان کے خلاف قطعاً کوئی آواز اٹھا نہیں سکتے''

ایسا لکھنے والے دیوبندی ناقد سے پورے طور پر اتفاق نہیں کیا جا سکتا، الحمد للہ متعدد علما کو اس تعلق سے آواز بلند کرتے ہوئے لوگوں نے سنا اور سنتے ہیں، شریعت اور سنت پر چلنے والے عمل بھی کرنے لگے ہیں، دینی مدارس سے فارغ شدہ عالمہ اور مبلغہ بھی اہم رول ادا کر رہی ہیں، جگہ جگہ اجتماع کر کے عورتوں کو ان کا مقام بتاتی، مردوں کے اختلاط سے باز رکھتی اور پردے کی اہمیت بتاتی ہیں۔ وہ طبقہ جو اپنے کو اپٹوڈیٹ کہلاتا، پردے کو دقیانوسی قرار دیتا، بے پردگی کو ترقی کا زینہ سمجھتا، مولویوں کی باتیں سننا اور دینی مجالس میں شرکت کرنا معیوب سمجھتا ہے، اس طبقہ کے چکنے گھڑے پر دین کی کوئی بات رکتی نہیں ہے، یہ بغیر رسی پگہے کے سانڈ

کی طرح آزاد نظر آتے ہیں، ان کو شریعت کی رسی میں باندھنا ضروری ہے اور اس کے لئے خاص جد و جہد کی ضرورت ہے، یہ تقریر و تحریر سے رام ہونے والے نہیں ہیں۔

اعلیٰ حضرت کے بہت سے نظریات کے عملاً مخالف کو اعلیٰ حضرت کے نظریات کا حامی و عامل بنانا ضروری ہے، مگر سوال یہ ہے کہ بلی کے گلے میں گھنٹی باندھے کون؟ اس پر ہم سب کو سوچنا، غور کرنا اور قدم آگے بڑھانا ہے تاکہ ان خرافات کا خاتمہ ہو جائے جس کا آپ نے شمار کرایا ہے، ان برائیوں کا ختم ہو جانا ہمارے لئے باعث مسرت ہوگا، لیکن کیا کسی کو یقین ہے کہ اس کے آگے ہمارے مخالفین اور کوئی مطالبہ نہیں کریں گے؟ جن کے یہاں مزار بنانا ہی شرک و بدعت ہے، وہ تنقید کرنا چھوڑ دیں گے؟ ان میں غیر اسلامی امور بڑے شوق سے انجام پا رہے ہیں، جس سے اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت سے ایک بڑا طبقہ دن بدن بیزار ہوتا جا رہا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے ''کرے کوئی بھرے کوئی'' والا معاملہ ہے، ان مجاوروں سے بیزار ہونے کے بجائے اعلیٰ حضرت سے بیزار ہونا بچ سے مکرنا ہے۔ خواہ مخواہ لوگ کڑی سے کڑی ملا کر کسی بھی معاملہ میں اعلیٰ حضرت کو گھسیٹ لیتے ہیں کہ ہر بدعت کا بانی اعلیٰ حضرت ہی ہیں۔ چند سال پیشتر مفتی شیخ ابن باز کی تالیف "التحذیر عن البدعة" کو صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی نے مفت تقسیم کیا تھا، اس کے تعاقب میں جناب سید عارف علی رضوی رکن رضا اکیڈمی شاخ کلیان نے دو صفحہ کا پمفلٹ لکھ کر تقسیم کیا تھا، اس میں ''گیارہویں شریف.........مفتی شیخ ابن باز کا جھوٹ'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے ''یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ گیارہویں شریف موجودہ دور کی ایجاد نہیں، بلکہ ہمارے اسلاف کرام کا طریقہ ہے اور صالحین عظام کا پسندیدہ عمل ہے، لیکن سعودی عربیہ کے سابق مفتی اعظم ابن باز نے اپنی تالیف "التحذیر عن البدعة" مطبوعہ "مکتبہ الرایہ بالریاض" میں گیارہویں شریف کے متعلق صریحاً جھوٹ لکھا ہے:

''اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ گیارہویں جیسی بدترین بدعت کا موجد احمد رضا بریلوی ہے''

کیا مفتی ابن باز کا لکھنا صحیح ہے یا جھوٹ؟ تو یقیناً جھوٹ ہے اور صرف بغض کی بنا پر ایسا لکھ مارا ہے۔ اس کے لئے حقیقت کا پتہ لگا کر جناب سید عارف علی رضوی نے ''گیارہویں شریف: صالحین کا عمل'' کے تحت لکھ دیا ہے ''یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دارالعلوم دیوبند اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے وجود سے پہلے ہی اسلامیان عالم کے نزدیک حضور غوث الاعظم علیہ الرحمہ کی سالانہ فاتحہ گیارہویں شریف کے نام سے مشہور ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اپنی کتاب ''ماثبت بالسنۃ'' میں نقل کرتے ہیں ''گیارہویں شریف ہمارے ملک میں مشہور ہے اور یہی ہمارے مشائخ کا معمول ہے'' اور علامہ یافعی علیہ الرحمہ اپنی کتاب "قرۃ الناظرین" میں لکھا ہے کہ ''ایک دفعہ حضور غوث پاک علیہ الرحمہ نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فاتحہ دلائی، وہ نیاز اس قدر مقبول ہوئی کہ آپ نے ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو یہ فاتحہ مقرر کر دی۔ آہستہ آہستہ یہ عمل آپ کی طرف منسوب ہوگیا۔ لہٰذا گیارہویں کی فاتحہ اصل میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فاتحہ خوانی ہے''۔

اعلیٰ حضرت کو مورد الزام ٹھہرانے، بیزار و متنفر ہونے والے اس بات پر غور کریں کہ مزارات پر چادر پوشی میں غلو، ڈھول تاشہ اور عورتوں کی حاضری اعلیٰ حضرت کی ایجاد ہیں یا آپ سے پہلے کی؟ یقیناً یہ فتنے اعلیٰ حضرت سے بہت پہلے کے ہیں تو اعلیٰ حضرت کی مخالفت کیوں کی جاتی ہے؟

شہد دکھا کر زہر پلانے کا عمل ایک سازش ہے۔ چنانچہ ایک سولہ صفحات کے کتابچہ کا نام ہے ''علمائے اہل سنت سے روح اعلیٰ حضرت کی فریاد'' اس کتابچہ کے لکھنے میں قلم کسی ظالم کا ہے، نام کسی مظلوم کا، ڈھونگ کا ساز میدان بدل بدل کر سامنے آتا رہتا ہے۔ کتابچہ کا پہلا صفحہ پڑھئے تو لکھنے والا اپنا معلوم ہوتا ہے، محسن، غمخوار کے طور پر سامنے آتا ہے، ہمارا ہمدرد لگتا ہے۔ لیکن دس قدم کے بعد ہی وہ ایسا تیر نکالتا ہے کہ قارئین کو کہنا پڑتا ہے کہ

''جس کو اپنا ہم نے سمجھا ابھی تک اپنا ہوا نہیں ہے''

اس کتابچہ سے پہلے شہد دیکھئے پھر شہد میں زہر چکھئے:

''رب تبارک و تعالیٰ نے سرزمین ہند کو ایک انتہائی جلیل

القدر آفتاب شریعت و ماہتاب طریقت عطا فرمایا، جن کا نام نامی اسم گرامی حضور پر نور اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔اس عطائے مولیٰ پر ہم جس قدر شکر الٰہی بجالائیں کم ہے،لیکن من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ (جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا ہے وہ بارگاہِ الٰہی میں بھی ناشکرا ٹھہرتا ہے)اس لیے ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات طیبہ اور کمالات علمیہ کا بھر پور تعارف نئی نسل میں کرائیں،کسی حد تک کوشش ضرور کی گئی ہے،لیکن حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا،اکثر شیدایان وفدایان مسلک احمد رضا خود ان کی پاکیزہ زندگی سے کماحقہٗ واقف نہیں ہیں،ان کی حیات طیبہ کو جدید تعلیم یافتہ حضرات کے ذہن وفکر کو مدنظر رکھ کر مرتب نہیں کیا جاسکا ہے۔اس رسالے کا مقصد اس خلا کو پر کرنے کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ ہمارے اس محسن عظیم کی خدمات جلیلہ اور بے مثال علمی کمالات کا اعتراف اور ان کی پاکیزہ زندگی کے حالات اس طرح مرتب کرنا ضروری ہیں کہ مخالفین کو کسی پہلو سے اعتراض کا موقع نہ مل سکے''

شہد دکھانے کا یہ سلسلہ دور تک چلتا ہے،اس کے بعد بڑی شائستگی اور ہنر مندی کے ساتھ زہر کی پڑیائیں کھول دی جاتی ہیں،یعنی اعلیٰ حضرت سے بیزار کرنے کا ایسا حربہ استعمال کیا گیا ہے کہ'' سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے'' کی روش کو اپنا کر کام کیا ہے۔احمد رضا بن نقی علی بن رضا علی بن کاظم علی کے تعلق سے لکھا ہے کہ''چوں کہ حسن اتفاق یا سوئے اتفاق سے نقی علی، رضا علی اور کاظم علی جیسے نام سنیوں میں رائج نہیں ہیں، بلکہ عموماً شیعہ حضرات ہی کے یہاں اس طرح کے نام ہوتے ہیں،کوئی بھی شخص شک میں پڑسکتا ہے کہ کیا معاذ اللہ! اعلیٰ حضرت شیعہ خاندان کے پروردہ تھے؟ لہٰذا بہتر یہ تھا کہ شجرۂ نسب نہیں دیا جاتا...... آئندہ ہر سوانح نگار اس امر کو ذہن میں رکھے اور والد، دادا اور پردادا کے نام پیش ہی نہ کرے'' تاکہ پردہ میں بیٹھے معصوم بھیڑیوں کو کھیل کھیلنے کا موقع ملے اور وہ کہیں کہ احمد رضا کے باپ، دادا اور پردادا شیعہ تھے اس لئے ان کا شجرۂ نسب نہیں لکھا جاتا ہے۔حسد کا مرض پرانا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک حریف بند کمرہ میں بیٹھ کر ایک کتاب مرتب کیا تھا،اس کتاب میں عبدالقادر بغدادی کو حسباً نسباً عملاً قولاً اور فعلاً شیعہ ٹھہرا کر کتاب اپنے بیٹے کے سپرد کر کے نصیحت کی تھی کہ میں تو مرجاؤں گا،عبدالقادر کے وصال کے دس بیس سال کے بعد اس کتاب کو چھپوانا،لوگ یقین کرنے لگیں گے کہ عبدالقادر واقعی شیعہ تھے، بیٹے نے باپ سے کہا یہ الزام اور بہتان تراشی ہے،عبدالقادر ایسے نہیں ہیں، باپ نے کہا حریف کے ساتھ ایسا ہی کیا جاتا ہے۔

چند سال پیشتر حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز کے ساتھ ایسا ہی طوفان اٹھایا گیا، دھوم مچایا گیا کہ گیسودراز شیعہ تھے،طوفان آیا اور گیا،لیکن سرپھرے کی پہچان تو ہوگئی۔ایسے لوگ اسلام کے راستے پر چل کر،شرک وبدعت کی دہائی دے کر کبھی باب نبوت ورسالت تک، کبھی درصحابہ تک،کبھی چوکھٹ ائمہ تک،کبھی اولیا اور علما کی گلی میں گھس کر ہربوبھونگ مچاتے، منطقی سوال گڑھتے ہیں،اس لئے کہ یہاں کوئی پکڑنے والا، پوچھنے والا نہیں ہے۔ ہمت ہے تو ذرا بال ٹھاکرے،راج ٹھاکرے اور توگڑیا کے خلاف لکھیں، بولیں،مسلمانوں کو ان کے سب و شتم اور ظلم وتشدد سے بچائیں،لیکن نہیں،ہمیں تو اپنے ہی گھر میں آگ لگانے، بزرگوں کے باندھے ہوئے بند کو توڑنے، سینچے ہوئے درختوں کو کاٹنے اور ان کی عزت وعظمت کی دھجیاں اڑانے میں مزہ آتا ہے۔ اس طرح نہ جانے کتنے کی پگڑی اچھلتی،عزت خاک میں ملتی، ناک کٹتی، ڈھکے ہوئے عیب کھلتے، پانی سر سے اونچا ہونے پر ہوش آتا تو افسوس کرنے کے سوا ہمارے پاس کچھ نہیں رہ جاتا ہے۔

ملاوٹ کے اس دور میں مالی منفعت کے پیش نظر بے ایمان بنیوں نے لوگوں کی صحت کے خیال کو بالائے طاق رکھ کر ہر چیز میں ملاوٹ کردی،سونے چاندی کے تاجروں نے بھی سونے کی اہمیت کو بھول کر اس میں ملاوٹ کرنے کا راستہ اپنالیا، کپڑے کے تاجروں نے بھی ادنیٰ کپڑوں پر اعلیٰ کپڑا کمپنیوں کی مہر ثبت کر کے لوگوں کو لوٹنے گھسوٹنے کے عمل میں ملوث پائے جاتے ہیں۔ مذہب اور مذہبی لوگوں کی قدریں مٹانے کے لئے یہودیوں نے اسلامی علوم کے علما

پیدا کر کے ان کو مسلمانوں کے درمیان پھیلا کر مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کا کھیل بہت پہلے شروع کئے اور ابھی تک جاری رکھے ہوئے ہیں۔ قرآن پاک میں بھی ملاوٹ کرنے کی سازشیں طشت از بام ہو چکیں ہیں۔ لیکن بھلا ہو ہماری ماؤں اور بہنوں کا کہ انہوں نے اپنے عمل سے ہمیں ایک بہترین درس دیا کہ کسی دوکان سے لائی ہوئی یا آئی ہوئی چیزوں کو یونہی علم وعمل اور عقیدے کی ہانڈی میں مت ڈالو، بلکہ ہماری طرح پہلے ان کو علم وعمل اور اسلاف کے طریقے کی سوپ میں ڈال کر پھٹک بنالو اور دیکھو کہ کہیں کوئی اس میں ملاوٹی اشیا تو شامل نہیں ہیں، اگر ہیں تو پھٹک کرا لگ کر دو اور آئندہ ان بنیوں کی دوکان سے سودا لانے، خریدنے سے پرہیز کرو۔ سونا چاندی خریدنے کے لئے ایمان دار اور امانت دار صرافہ کے پاس جاؤ، کپڑا خریدنے فٹ پاتھ پر نہ جا کر شہر کے مشہور تاجروں کے پاس جاؤ، مذہبی لبادہ اوڑھے ہوئے ہر شخص کو مذہب کا پاسدار مت سمجھو، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے، صحابۂ کرام اور ائمۂ مجتہدین، اولیاء اللہ اور علمائے حق سے محبت وعقیدت رکھنے والے کے پاس جاؤ تو ایمان وعقیدہ سلامت رہے گا، ورنہ دشمن کی سازشوں کے تانے بانے کے جال میں پھنس جاؤ گے۔ مذہبی معاملہ میں سچ میں جھوٹ، جھوٹ میں سچ، اعلیٰ میں ادنیٰ، ادنیٰ میں اعلیٰ کی ملاوٹ ہو رہی ہے، ''اونچے مکان پھیکے پکوان'' کی بات عام ہوتی جا رہی ہے۔

چند سال پہلے خوبصورت ٹائیٹل پیج کے ساتھ ''الملفوظ'' نام کی ایک کتاب منظر عام پر آئی، سرورق پر کتاب اور اس کے محرر کا نام دیکھ کر ہی گمان گزرتا ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جسے مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا نوری نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے ملفوظات کو لکھ کر مرتب کیا ہے۔ مگر کتاب کے اندرونی صفحات پر وہی ہذیان، بکواس، واہیات، خرافات، بم بارود، رقیبانہ اور حریفانہ ہتھکنڈے دیکھ کر، پڑھ کر صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ یہ کسی عیار ومکار کی عیاری ومکاری پر مبنی جھوٹ کا دفتر ہے۔

بد عقیدوں کی بدعقیدگی کو عیاں کرنے، اکھاڑنے، پچھاڑنے میں امام احمد رضا تنہا نہ تھے، بلکہ علمائے اہل سنت وجماعت کی ایک بھاری جمیعت تھی، بات صحیح اور درست ہے تو پھر بدعقیدوں کی جانب سے صرف امام احمد رضا پر ہی حملے کیوں ہوتے ہیں؟ اگر دوسری کسی شخصیت پر حملے ہوتے بھی ہیں تو ان کو اعلیٰ حضرت کا حاشیہ بنا کر حملے ہوتے ہیں، بدعقیدے بھی جانتے ہیں کہ سردار، سپہ سالار، قائد و امام احمد رضا ہیں۔ امام احمد رضا کی استقامت کو سلام کہ انہوں نے اپنی زندگی میں طعنے سہہ کر، گالیاں سن کر، برصغیر ہند و پاک میں عظمت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سکہ بٹھایا، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عزت و پاکی کا درس دیا، اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے ادب ولحاظ کے مشن کو تازہ کیا، کتابیں لکھیں، فتاوے لکھے، بڑے بڑے علمانے ان کے قول وعمل، فعل اور تحریر وتقریر کی تائید کیں، دور دور تک آپ کا شہرہ ہوا، بعد کے علما اسی روش پر رہے، ہیں اور رہیں گے۔ بعض مالی طور پر کمزور، ضعیف، ناتواں اور لاغر نے امام احمد رضا کے نام پر اپنا سکہ جمایا، کمایا، کھایا، بچایا پھر وہ لوگ مالی طور پر مضبوط ہو گئے تو رسی پگہا توڑ کر میدان میں آکر کود پھاند کرنے لگے، مگر قوم نے ان کی خوراک کم دی تو کسی کونے میں دبک گئے۔ بہتوں نے توبہ تلا کر کے پھر آ ملے، بہتوں نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں بنا کر خود ہی امام و مؤذن ومصلی بن کر آواز دینے لگے کہ مجھ سے بڑا کون ہے؟ سونا چاندی کی تخلیق زمین کے اندر ہوتی ہے، طلسماتی عمل سے پیتل تانبے کو سونا بنانے والے اپنے گھر میں رکھے ہوئے پیتل اور چاندی کو بھی برباد کر چکے ہیں، عزت ومرتبہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے، خود سے عزت دار نہیں ہو سکتا ہے، ایسے عمل سے رہی سہی عزت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

امام احمد رضا اور مفتی اعظم ہند سے فروعی مسائل میں اختلاف کا قفل توڑ کر داخل ہونے کا مقصد صرف امام احمد رضا اور مفتی اعظم ہند کی شخصیتیں ہی کیوں؟ امام احمد رضا نے اکیلے رد وہابیہ نہیں کیا ہے، پوری ٹیم تھی تو اس پوری ٹیم کو اس فہرست میں شامل کرنا چاہئے۔ اس سے پہلے بھی فروعی مسائل میں اختلاف کا علم بلند کرنے کی کوششیں ہوئیں، مگر لوگوں نے علم بلند کرنے والے کو میدان سے گھر لوٹنے پر مجبور کر دیا، وہ لوگ رضوی نہیں تھے، لیکن مسلک اعلیٰ حضرت کے ماننے والے تھے، یہ نہ خیال کیا کہ یہ اعلان میرے پیر نے کیا ہے

یا استاذ نے، یا کسی عظیم خانقاہ کے سجادہ نشین نے، بلکہ بانگ دہل اعلان کر دیا کہ ہم نے مسلک اعلیٰ حضرت کا پابند سمجھ کر ان کے ہاتھ پر ہاتھ دیا تھا کہ ان کے ہاتھوں میں احمد رضا کا دامن تھا، اب جب کہ ان کے ہاتھوں سے احمد رضا کا دامن چھوٹ گیا ہے ہم بھی ان کا دامن چھوڑ رہے ہیں اور چھوڑ دیا۔

فروعی مسائل کو علما اور فقہا ''توسع'' پر مبنی مانتے ہیں اور قرون اولیٰ تک اس کا سلسلہ دراز ہے۔ ''توسع'' کا راستہ برقرار ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جو شخص چاہے اپنے مطلب کا ہتھوڑا اٹھا کر فروعی مسائل کو کوٹ پیٹ کر اپنے مطلب کی دیوار کھڑی کر لے، آج کے دور کے معتبر و معتمد علما کو چاہئے کہ ہوا کا رخ دیکھ کر فروعی مسائل کے کھونٹے گاڑیں، بلکہ فروعی مسائل کو لا حاصل مسائل کہہ کر ہوا میں اچھال دیں تا کہ ہر ایرے غیرے کو اسلام کی شاہراہ پر سرپٹ دوڑنے کا موقع مل جائے۔ ہر معتمد عالم اپنا خیمہ الگ الگ لگا کر فروعی مسائل کے الگ الگ تیر چھوڑیں اور شرط یہ بھی ہے کہ کوئی ان پر اعتراض بھی نہ کرے۔

اولوالعزم پیغمبروں کا مذاق اڑانے والے کون لوگ ہیں؟ وہ پیغمبروں کا مذاق اڑا کر مسلمان ہی ہیں؟ ان کے ایمان پر کسی قسم کی ضرب نہیں پہنچی؟ سننے والے نے کسی قسم کا احتجاج نہیں کیا، توبہ کرنے اور پھر سے کلمہ پڑھنے کی تلقین نہیں کی، دارالافتا تک نہیں پہنچے، آخر کیوں؟ اتنے بڑے جرم پر پتا بھی نہیں کھڑکھڑایا، بات حلق سے نیچے نہیں اترتی ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اختلافات باعث رحمت ہیں، اختلافات کی بات عام ہیں، لیکن نازیبا کلمات کی جز نئی ہے، کون شافعی حضرات کا گڑھ ہے، یہاں شافعی امام کے پیچھے حنفی اور حنفیوں کی اقتدا میں شافعی حضرات نمازیں پڑھتے ہیں، رمضان شریف میں حنفیوں کی مسجدوں میں جن میں شافعی حضرات بھی مقتدی ہوتے ہیں، ان کے لئے وتر کی نماز کے لئے الگ سے امام کا انتخاب ہوتا ہے، بڑی ہی محبت والفت سے حنفی، شافعی رہتے ہیں، ایک دوسرے کی تقریب میں شرکت کرتے، دعوتیں دیتے، لیتے، کھاتے، کھلاتے ہیں۔ اگر کہیں کسی نے نازیبا کلمات کہے ہیں تو اس کے ذمے دار اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم ہند نہیں ہیں۔ آنجناب گھوم پھر کر تنقید کی چھری کھول کر اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم ہند پر چلا دیتے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم ہند سے آپ کو خاص بیر ہے، کیوں کہ آنجناب قلم کی تلوار کو دائیں، بائیں چمکائے ہوئے پھر اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم ہند کی طرف گھما دیتے ہیں کہ ''اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور مفتی اعظم ہند کے بارے میں بہت سے ایسے لوگ مل جائیں گے جو یہ خیال رکھتے ہیں کہ کسی بھی مسئلہ میں ان سے معمولی انحراف بھی جہالت و گمراہی ہے، جہاں کسی نے ان کے کسی فتویٰ کے خلاف فتویٰ دیا تو اس کی دارو گیر شروع ہوگئی''۔

آپ یہ بار بار، گھوم پھر کر اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم پر ہی حملہ کیوں کرتے، ان دونوں شخصیتوں کے فتاویٰ سے اختلاف کی باتیں کیوں لاتے ہیں، کیا آپ چاہتے ہیں کہ ان عظیم ستونوں کو گرادیں گے تو پھر ان کے بعد چھوٹے ستونوں کو مسمار کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی؟ فتاویٰ میں اختلاف ہونا یا کسی کے فتاویٰ سے اختلاف کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے، لیکن آپ کی تحریر میں لفظ ''انحراف'' معنی خیز ہے۔

برکاتی اور رضوی دوسری خانقاہوں کے مریدوں کی تحقیر و تذلیل کرتے ہیں، ایمان و انصاف سے اپنے مشاہدے کی روشنی میں بتائیے کہ صرف رضوی ہی دوسری خانقاہوں اور ان کے پیروں کی تحقیر و تذلیل کرتے ہیں۔ دوسری خانقاہ والے یا ان سے منسلک حضرات برکاتی اور رضوی پر طعن نہیں کرتے ہیں؟ رضویوں کے خلاف لب نہیں کھولتے، برا بھلا نہیں کہتے ہیں، ضرور کہتے ہیں اور یہ باتیں نئی نہیں ہیں، زمانہ سے ایسا ہوتا آیا ہے اور شاید ہوتا رہے گا، اس بات کو تحریری شکل میں لانے کا مقصد صرف اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم ہند کو بدنام کرنا اور رضویوں کو مطعون کرنا ہے کہ ایسے ہی ہوتے ہیں رضوی حضرات، لہٰذا اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم ہند اور بریلی کا نام لینا چھوڑ دو۔

اس رجحان کے سبب دوسری مصیبت یہ آن پڑی کہ یہ خیال زور پکڑنے لگا کہ بریلوی انتہائی شدت پسند اور قدامت پرست ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی زبان سے مسلمانوں کے تئیں نکلی ہوئی گالی ''شدت پسند اور قدامت پرست''، مسلمان مسلمانوں کے لئے چٹخارے لے

لے کر استعمال کر رہا ہے۔ اپنی راہ چلنا، اپنے اثاثے کی حفاظت کرنا، اپنے گھر میں ٹھہرنا شدت پسندی اور قدامت پرستی ہے تو اچھی بات ہے، ہمیں یہ شدت پسندی اور قدامت پرستی مبارک ہو، ایک داڑھی والے شخص کو کوئی ظالم یہ کہے کہ داڑھی نکلوا دو یہ قدامت پرستی ہے، جدت کا رنگ اختیار کرو اور داڑھی والا یہ کہے کہ نہیں یہ میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت، صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا شعار، سلف کا طریقہ رہا ہے تو اس کو شدت پسندی اور قدامت پرستی کہا جائے تو کہنے دیجئے، ہم میں ایسی ہی شدت پسندی اور قدامت پرستی ہونی چاہئے جو شریعت وسنت سے ہٹنے نہ دے، اگر کوئی شخص ہمارے گھر کا مال واثاثہ لوٹنے آئے اور ہم شور مچائیں تو ہمیں ہی قدامت پرست اور شدت پسند کہا جائے اور جدت کی دہائی دی جائے کہ اس کو گھر لوٹنے دو، شدت کا راستہ اختیار نہ کرو، قدامت پرستی کا مظاہرہ نہ کرو، نئے زمانے میں یہی سب ہوتا ہے۔ ذیشان صاحب کی طرح ایک صاحب شدت، جدت اور قدامت پرستی کا راگ آلاپتے آلاپتے اب کہتے ہیں کہ مولوی حضرات قوم کو دھوکے میں رکھے ہوئے ہیں، وضو سے متعلق قرآن میں صرف ہاتھ، چہرہ، پاؤں دھونے اور سر کے مسح کا حکم ہے، کلی کرنے، غرارہ کرنے، ناک میں پانی ڈالنے، کان، گردن اور انگلیوں میں خلال کرنے کا حکم نہیں ہے اور یہ کوئی ایسی سنت نہیں ہے کہ ان کے چھوڑنے سے کوئی شخص گنہگار ہو جائے گا، مصروفیت کے اس دور میں قدامت پرستی اور شدت پسندی کا راستہ ترک کر دینا چاہئے۔ دیکھئے یہ جدت پسندی کا روگ جدیدیوں کو کس قبرستان میں دفن کرتا ہے۔ قوالی مع مزامیر کو ہی لے لیجئے، عہد قدیم سے ہی اسلاف میں اختلاف رہا ہے، آنجناب قوالی مع مزامیر کو قدیم بتاتے ہیں اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر قوالی سے متعلق فرماتے ہیں ''آپ کے مزار شریف پر مجلس سماع قوالی ہو رہی تھی، آج کل لوگوں نے بہت اختراع کر لئے ہیں، ناچ وغیرہ بھی کراتے ہیں، حالاں کہ اس وقت بارگاہوں میں مزامیر بھی نہ تھے'' (الملفوظ حصہ اول، ص ۸۱)

عوام کی محفل سے نکل کر خواص کی بارگاہ میں مزامیر کیسے پہنچا، کس نے پہنچایا؟ تحقیق طلب بات ہے۔ تاریخ سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ حضرت مولانا عبدالحئی متوفی ۱۳۳۹ھ چاٹگام مدرس مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پوری نے مزامیر کے ساتھ قوالی سننا شروع کیا تو زبردست چہ میگوئیاں ہونے لگی، چنانچہ آپ کے مرید خاص اور سوانح نگار حکیم سید سکندر شاہ صاحب لکھتے ہیں ''ان حالات نادرہ نے شہر بھر میں ایک ہل چل ڈال دی اور شہر کے اکثر ذی علم، سماع ومزامیر کے مسئلہ میں باہم گفتگو اور تعجب کرنے لگے کہ آپ ایسے جید، ایسے عالم متبحر اور مدرسہ چشمۂ رحمت کے اعلیٰ مدرس ہوتے ہوئے سماع ومزامیر کو کس طرح جائز رکھتے ہیں؟'' (سیرت فخر العارفین، ص ۵۲)

جب طعن وتشنیع کا بازار زیادہ گرم ہونے لگا تو ''چنانچہ آپ نے عربی میں (عربی اس لئے کہ علمی بحث ہے، علما تک ہی محدود رہے) ایک رسالہ "تحقیق الاضابیر فی سماع المزامیر' تحریر فرمایا" (ایضا ۵۳)

قصہ المختصر یہ کہ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا کہ اس کو اچھالا جائے، اعلیٰ حضرت سے قبل بھی علما نے قوالی مع مزامیر کو ناجائز وحرام قرار دیا، اعلیٰ حضرت کے علاوہ آپ کے ہم عصر اور آپ کے بعد کے علما نے بھی۔ قوالی مزامیر کے ساتھ بھی اب وہ باتیں نہیں رہیں جو صوفیا میں تھیں، حضرت مولانا عبدالحئی نے قوالی مع مزامیر سنا اور اس کے جواز میں کتاب بھی تحریر فرمائی، لیکن آداب سماع کے تحت یہ تحریر فرمایا کہ ''سماع کے آداب سے یہ ہے کہ باوضو رہے، مؤدب بیٹھے اور دوران سماع کچھ نہ کھائے اور کلام نہ کرے، وقت سماع ذکر وفکر میں مشغول رہے، لوگوں کے حال وقال کی طرف تماشائی کی طرح نہ دیکھے''۔ (ایضا، حصہ سوم ص ۱۶۳)

آج جس طرح قوالی ہوتی اور لوگ سنتے ہیں اس پر اعلیٰ حضرت کا فرمان وفتویٰ بالکل درست ہے۔ بڑی سنجیدگی اور متانت سے مبلغانہ انداز میں موصوف نے تیر چھوڑا ہے کہ ''کیا یہ باتیں ایسی نہیں کہ لوگ مسلک اعلیٰ حضرت سے بیزار ہوں اور یہ سمجھیں کہ بریلویت اعلیٰ حضرت بریلوی کا خانہ زاد فرقہ ہے''۔

ایک مصباحی کے قلم سے ایسی تحریر کا منصۂ شہود پر آنا معنی خیز بھی ہے اور حیرت انگیز بھی اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ

انگلیوں پر گنے جانے والے جو اعلیٰ حضرت سے برگشتہ ہو کر اعلیٰ حضرت کے خلاف بول کر منظر سے غائب ہو گئے وہ یا تو کینہ و بغض کی بنیاد پر یا اپنی دوکان چمکانے کے لئے یا کسی لالچ کے تئیں یا کسی فتوے کی زد میں آنے کی وجہ سے یا بریلی اور خاندان اعلیٰ حضرت سے بیر رکھنے کی وجہ سے، نہیں تو جو لوگ باطل عقیدہ چھوڑ کر سنی بنے ہیں وہ بریلوی کو حق سمجھ کر سنی بنے ہیں، اگر وہ لوگ بریلوی یا بریلویت کو خانہ زاد فرقہ سمجھتے تو کبھی بریلویت میں شامل نہیں ہوتے، علامہ و مولانا سعید احمد صاحب کا توبہ نامہ ایک پمفلٹ کی صورت میں راقم کے پیش نظر ہے، جو مکتبۂ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ پاکستان سے شائع ہوا ہے۔ علامہ سعید احمد صاحب اپنے توبہ نامہ میں لکھتے ہیں:

''یاد رہے کہ ۲۵ رسال دیوبندی مذہب میں رہ کر میں ان کے عقائد کی ترجمانی کرتا رہا ہوں، آخر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور محبوب دو عالم کی نگاہ کرم سے مناظر اسلام حضرت علامہ پیر مولانا محمد عبدالعزیز صاحب نوری مہتمم مرکزی دارالعلوم غوثیہ حویلی لکھا ضلع اوکاڑہ کے ساتھ تمام متنازعہ عبارت پر گفتگو ہوتی رہی، بالآخر حضرت مولانا علامہ پیر محمد عبدالعزیز صاحب نوری نے میری رہنمائی فرمائی، جس سے مجھے یقین ہو چکا ہے کہ دیوبندیوں کی تمام عبارات کفریہ اور غلط ہیں، میری جتنی بھی تصنیفات ہیں میں نے ان کو منسوخ کر دیا ہے۔ آج سے لے کر میری کسی تصنیف کو کوئی دیوبندی نہ چھاپے اور نہ اس کا حوالہ دے، تمام کفریہ عبارات اور اپنی مطبوعہ کتب کو میں نے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا ہے اور عقیدۂ حق سنی بریلوی کو دل و جان سے قبول کر کے علمائے حق مسلک بریلوی کے ساتھ شامل ہونے کا اعلان کر دیا ہے اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے نورِ مجسم حبیب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اولیائے کاملین کے صدقے معاف فرما کر اپنی پناہ میں رکھے (آمین) اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مناظر اسلام حضرت مولانا پیر محمد عبدالعزیز صاحب نوری کے علم و عمل اور عمر میں برکت فرمائے اور ان کا سایہ تا دیر ہم پر قائم و دائم فرمائے (آمین) انشاء اللہ آئندہ کے لئے میں اپنے بیانات و پروگراموں میں دیوبندیوں کے عقائد کی بیخ کنی کروں گا تا کہ مسلمانوں کو حق و باطل کا پتہ چل سکے اور یہ واضح ہو جائے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا پیغام حق محض عشق رسالت، تحفظ ناموس رسالت کا پیغام ہے، اسی لئے علمائے دیوبند نے بھی اعلیٰ حضرت کو عاشق رسول تسلیم کیا ہے اور اکابر علمائے دیوبند میں سے مولوی مرتضیٰ حسن دیوبندی نے بھی اس بات کا اعتراف کیا کہ اگر مولانا احمد رضا خان صاحب کے نزدیک بعض علمائے دیوبند ایسے ہی تھے جیسا کہ انہوں نے انہیں سمجھا تو خاں صاحب پر ان علمائے دیوبند کی تکفیر فرض تھی، اگر وہ ان کو کافر نہ کہتے تو خود کافر ہو جاتے۔ (کتاب اشد العذاب ص۱۲) اس اعتراف کے بعد اہل علم و انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کے خلاف علمائے دیوبند کا پراپیگنڈہ بالکل جھوٹ اور غلط ہے''۔

(مولانا) سعید احمد قادری

صدیق اکبر ٹاؤن، گوجرانوالہ

مولانا سعید احمد قادری نے مذکورہ بالا تحریر میں ''سنی بریلوی'' اور ''مسلک بریلوی'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ بریلوی کو عقیدۂ حق سنی بریلوی لکھا ہے جب کہ ذیشان صاحب کو بریلوی سے الرجی ہے، وہابی دیوبندی کے کاندھے پر بندوق رکھ کر سینہ پیٹ پیٹ کر کبھی کہتے ہیں کہ انہوں نے علمائے اہل سنت کو بریلوی سے متعارف کرایا، کبھی چلاتے ہیں کہ اس سے ایک غلط تاثر یہ پیدا ہوا کہ ''بریلویت'' ایک جدا اسلامی فرقہ ہے، کبھی روتے ہیں کہ ایک عام تعلیم یافتہ کو یہ شبہ بھی نہیں ہوگا کہ دیوبندیت وہابیت اور قادیانیت کی طرح بریلویت بھی ایک نیا فرقہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

موصوف بریلوی اور بریلویت سے اظہار ناپسندیدگی مسلک اعلیٰ حضرت سے بیزاریت کا اظہار کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت کی

ذات وشخصیت اور نام تک آخر پہنچ ہی گئے، وہ بھی سری لنکا کے حوالے سے کہ ایک ذمہ دار عالم دین اور مبلغ ومفتی سے وہاں کے لوگوں نے تشدد برتا کہ تقریر میں آپ نے اعلیٰ حضرت کا نام کیوں نہ لیا؟ مفتی صاحب نے آخر جھنجلا کر کہہ دیا کہ تم لوگ جلد ہی نماز میں بھی اعلیٰ حضرت کا نام لینے کی فرمائش کروگے۔

اسی کو کہتے ہیں کہ ''مارے گھٹنہ پھوٹے آنکھ'' سوال کیا ہے، جواب کیا دیا جاتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ سوال ویسے ہی لوگوں سے ہوتا ہے جو اعلیٰ حضرت کے نام کی روٹی کھا کر اعلیٰ حضرت کے تئیں مخلص نہیں ہیں، ہوسکتا ہے کہ سری لنکا کے لوگوں نے مفتی صاحب کو اعلیٰ حضرت کے تعلق سے مخلص نہ پایا اور سوال کیا ہو کہ آپ نے اعلیٰ حضرت کا شعر نہیں پڑھا یا اعلیٰ حضرت کا نام نہیں لیا، اس پر مفتی صاحب کا جواب کہ ''تم لوگ جلد ہی نماز میں بھی اعلیٰ حضرت کا نام لینے کی فرمائش کروگے'' واضح کرتا ہے کہ مفتی صاحب اعلیٰ حضرت کے تعلق سے مخلص نہیں تھے، کیوں کہ اعلیٰ حضرت کا نام دور حاضر میں سنیت کی پہچان ہوگیا ہے، اس پہچان کو مٹا کر معجون مرکب یا اپنی الگ ٹولی بنانے والے طرح طرح کے شوشے چھوڑتے رہتے ہیں، اعلیٰ حضرت کے نام کو نماز تک پہنچانے کا مطلب ہے اعلیٰ حضرت سے لوگوں کو بیزار کرنا، ہر سنی جانتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کا نام نماز میں نہیں لیا جاسکتا ہے، نہ کوئی شخص لے سکتا ہے۔ یہاں تو ''کھسیائی بلی کھمبا نوچے'' والا معاملہ ہے۔ اعلیٰ حضرت کی مقبولیت کو کم کرنا ہے، چاہے طعن وتشنیع کرکے، مطعون کرکے، برا بھلا کہہ کے، ہو، کرنا ہے۔

ذیشان احمد صاحب کا مزید تبصرہ ہے ''ہندوستان میں یوپی، بہار خصوصاً کرناٹک، ناگپور اور راجستھان کے کئی علاقوں میں ایسی ذہنیت کے لوگ موجود ہیں''۔

''ایسی ذہنیت'' کا لفظ واضح کرتا ہے کہ ''ایسی ذہنیت'' کوئی بہت بڑا گناہ ہے، کیا ایسی ذہنیت آج کی پیداوار ہے؟ تو پھر ہمارے اداروں کے دستور میں اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت پر چلنے، رہنے اور مسلک اعلیٰ حضرت کی تشہیر کی بات تو بیکار ہی لکھی ہوئی ہے، کیوں کہ بقول ذیشان احمد کے ایسی ذہنیت نے عام تعلیم یافتہ اور انصاف پسند لوگوں کو ہم سے دور کردیا ہے۔ یہ بار بار ''ہم سے دور کردیا ہے'' کی رٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف مسلک اعلیٰ حضرت کے بہت بڑے ہمدرد ہیں، جب کہ حقیقت اور کچھ ہے، ورنہ بریلوی، بریلویت، مسلک اعلیٰ حضرت اور اعلیٰ حضرت کے نام پر اس طرح سے قلم نہیں دوڑاتے۔

درمیان میں آنجناب نے مولانا الیاس قادری صاحب کا ان کی تائید یا حوالہ کے طور پر نام لکھا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سری لنکا جانے والے مفتی صاحب مولانا الیاس قادری کے گروہ کے ہیں، یہ گروہ بھی کھیل کھیلنے میں لگا ہوا ہے، مولانا الیاس قادری اپنے کو شیدائے اعلیٰ حضرت لکھتے اور ان کے گروہ میں شامل لوگ اعلیٰ حضرت کا عرس بھی مناتے، جگہ جگہ پروگرام بھی کرتے، ساتھ ہی ساتھ چپکے چپکے آپس میں اعلیٰ حضرت پر تنقید بھی کرتے ہیں، مثلاً یہ کہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے کتابیں تو بہت لکھیں لیکن مبلغ پیدا نہیں کیے، کتابوں کی اشاعت کا ذریعہ نہیں بنایا، یہ لوگ بظاہر اصلاحی باتیں کرکے پھر بھیانک موڑ پر پہنچتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''اعلیٰ حضرت اگر عاشق رسول ہوتے تو مدینہ پاک میں مرتے''، بہت خوب ابھی تو یہ باتیں اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، کل کوئی دیوانہ اٹھے گا اور کہے گا کہ اگر حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی ولی وعاشق رسول ہوتے تو ہندوستان میں انتقال نہیں کرتے، اسی طرح بڑھتے بڑھتے خواجہ غریب نواز اور غوث پاک تک بات بڑھے گی کہ یہ لوگ اگر ولی ہوتے تو مدینہ پاک میں پردہ فرماتے، ابھی ابتدائے عشق ہے روتا کیا ہے، آگے آگے دیکھ ہوتا کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت نے ایسے ایسے مبلغین پیدا کئے اور ان مبلغین نے ایسے ایسے کارنامے انجام دئے ہیں کہ یہ دودھ پینے والے بچے خواب وخیال میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ اعلیٰ حضرت نے کتاب کی اشاعت کے بندوبست کے لئے انتظام فرمایا اور آپ کے بھتیجے نے بریلی میں پریس لگایا تھا، اگر نہیں معلوم ہے تو اناپ شناپ نہ بکو، بزرگوں کے خلاف زبان نہ کھولو، پہلے تعلیم حاصل کرو پھر مطالعہ کرو پھر بولو، آپس میں اختلاف کو ہوا نہ دو، قوم کو سکون سے رہنے دو، خود بھی سکون سے رہو، اتحاد کی دعوت دو، لوگوں کو ٹولیوں میں نہ بانٹو، اپنے کو برتر اور دوسروں کو کم تر نہ سمجھو، اللہ تعالیٰ سے خوف کھاؤ۔

☆☆☆

(بقیہ آئندہ)

مکتوباتی ادب اور امام احمد رضا

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری

اس وقت دنیا میں دیگر اصناف ادب کی طرح مکتوباتی ادب کی بھی گونج سنائی دیتی ہے، بڑے بڑے دانشوروں کے خطوط مطالعہ کی میز پر موضوع بحث بنے ہوئے ہیں اور حسن و قبح کے پارکھ، تنقید کی کسوٹی پر پرکھنے میں مصروف ہیں۔ امام احمد رضا جو ایک دبستان ادب اور جہان علم تھے، آیئے دیکھیں کہ مکتوباتی ادب کو ان کی عروس فکر نے کیسے کیسے جلووں سے آباد کیا ہے، مگر پہلے مکتوباتی ادب کی تاریخی حیثیت پر ایک نظر ڈال لیں تاکہ اس کی اہمیت کا ہر پہلو آشکار ہو جائے۔

دنیا میں ربط باہمی کے اظہار کے لیے جو سلسلہ شروع ہوا اس کے لیے سب سے پہلے ہمیں ''رقعہ'' کا لفظ ملتا ہے بعد میں اس کی جگہ ''خط'' نے لے لی اور اب جدیدیت نے لفظ مکتوب کو اپنی آغوش کی زینت بنالیا ہے۔ مگر عوام وخواص کی زبان پر مجموعی انداز سے خط ہی کا لفظ زیادہ مستعمل ہے۔ بہرحال خط ہو یا مکتوب دو اشخاص کے درمیان ترسیل خیال کے تحریری ذریعہ کو کہا جاتا ہے، ڈاکٹر خورشید الاسلام کا خیال ہے ''خط لکھتے وقت صرف دو انسان زندہ رہتے ہیں ان کے علاوہ ساری دنیا غنودگی کے عالم میں رہتی ہے'' .... وہ مزید لکھتے ہیں: وہ خطوط جن میں استدلال کا زور ہو، فلسفے پر باقاعدہ بحثیں ہوں اور بالارادہ فنکاری ہو، خطوط نہیں ہیں .... خطوط نگاری کی ابتدا کہاں سے ہوئی، انگریزی مفکر سسرو کا کہنا ہے کہ مکتوب نگاری کی ابتدا روم سے ہوئی۔ ۱۸۶۷ قبل مسیح خطوط نویسی کی روایت کا پتہ نہیں چلتا۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے بعض حقائق کی تصدیق ہوتی ہے، مثلاً حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے چھوٹے بیٹے بنیامین کی رہائی کے لیے عزیز مصر کو ایک خط لکھا تھا، اگر اس روایت کو تسلیم کریں تو خطوط نویسی کی یہی ابتدا ہوگی۔ اسلام کے ابتدائی دور میں یہ فن، ادب کی ترویج واشاعت کے لیے نہیں، بلکہ مذہب کی تبلیغ کے لیے رائج وجود میں آیا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں خطوط سے کام لیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں حکومتی سطح پر خطوط کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

اردو ادب میں مکتوب نگاری کا موجد کون ہے؟ بعض لوگوں کا خیال غالب پر جاکر رک گیا تھا، لیکن جدید تحقیق کی رو سے غوث بے خبر نام کا ایک شخص اس کا موجد ہے، جس نے اردو خطوط نویسی کو فارسی خطوط کے خلاف رواج دیا تھا، خواجہ احمد فاروقی بھی اسی خیال کی تائید میں ہیں۔ غوث بے خبر کے خطوط کو مرتضیٰ حسین بلگرامی نے ۱۹۶۰ء میں انشائے بے خبر کے نام سے شائع کیا ہے، واجد علی شاہ اور ان کی بیگمات کے بھی خطوط ملتے ہیں۔ یہ خطوط لکھنؤ کی تہذیب کے آئینہ دار ہیں، ان میں لکھنؤ کی مٹتی ہوئی تہذیب کے نقوش ملتے ہیں۔

غالب کے خطوط اردو نثر کا بے بہا خزانہ ہیں، ان کی مکتوب نگاری کا زمانہ ۱۸۴۶ء سے ۱۸۵۷ء تک کا ہے، لیکن جتنے بھی خطوط ملتے ہیں ان خطوط میں جو پختگی اور فنی رچاؤ ہے وہ کسی اور کے یہاں نہیں ملتے، غالب کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے...... دیگر اصناف کے مقابلے میں مکاتیب میں شخصی عناصر زیادہ ہوتے ہیں، ایک اچھے خط کو شخصیت کا عکس کہا جاتا ہے، اچھا یا معیاری خط یوں ہی وجود میں نہیں آتا، اس کے لیے جگر کاوی اور جاں سوزی کی ضرورت پڑتی ہے، صحیح معنی میں مکتوب نگاری کا پہلا مقصد ترسیل خیالات وجذبات ہے، لیکن آج یہ مستقل صنف کی شکل میں متعارف ہو چکی ہے اور اس سے معرکہ ہائے تخیل سر کیے جا رہے ہیں...... امام احمد رضا محدث بریلوی جو اپنے عہد (۱۸۵۶ء/۱۹۲۱ء) کی عبقری، انقلابی شخصیت تھے، جنہوں نے علم کی ہر شاخ اور ادب کے ہر گوشے کو

خطیب وامام ماپ خاں قبرستان مسجد، مرول ناکہ، ممبئی۔ موبائل:9867801680

اپنے متنوع تخیل سے مالا مال کیا، بلکہ جس فن کو ان کے نوکِ قلم نے چوم لیا وہ اپنی قسمت پر جھوم اٹھا۔ بھلا مکتوباتی ادب ان کی عقابی نظر سے اوجھل رہ جائے، کیسے ممکن تھا؟ باوجودیکہ وہ خالص دینی شخصیت تھے، مگر اپنی فکری گونا گونی کا وہ دبستان انہوں نے سجایا کہ قدیم علوم سے جدید علوم تک کی بنجر زمین گل ولالہ کی امین بن گئی۔ جن فنون کو ان کی فکر نے نو بہار کیا ہے ان میں مکتوباتی ادب بھی ہے۔ امام احمد رضا کے علمی، تجدیدی کارناموں کا شاہکار ۱۲ ضخیم جلدوں پر مشتمل ''فتاویٰ رضویہ'' ہے، لیکن غور کیجئے تو وہ بھی از اول تا آخر مکتوباتی ادب کا آئینہ دار ہی نہیں بلکہ تاجدار بھی ہے۔

بحیثیت سائل کسی نے اپنی الجھن تحریر کی ہے اور بحیثیت مجیب آپ نے اپنے جواب سے اس کی تسلی فرمائی ہے۔ لیکن یہ خود آپ بحیثیت سائل پیش آمدہ یا پیش کردہ مسئلہ سے متعلق وضاحت چاہ رہے ہیں اور آپ کا مخاطب وضاحت میں مصروف ہے۔ اس لیے ایک طرف اگر یہ فتاوے ہیں تو دوسری طرف مکتوباتی ادب کے حسین نمونے۔

امام احمد رضا چوں کہ عالمی عالم دین تھے، اس لیے ان کے روابط کا دائرہ پوری دنیا پر محیط تھا، علمی حلقوں میں آپ کا نام احترام سے لیا جاتا تھا اور کام کا اچھا شہرہ تھا، یہ بات سب کو معلوم تھی کہ اس وقت آفاق میں صرف ان کی دہلیز علم ہے جہاں الجھے مسائل کی گتھیاں سلجھتی ہیں، یہی وجہ تھی کہ اپنی ہر قسم کی الجھنیں دور کرنے کے لیے ہر طرف سے مایوس ہو کر لوگ آپ کی بارگاہ کا رخ کرتے تھے، انہوں نے خود ذکر فرمایا ہے کہ ایک ایک وقت میں چار چار پانچ پانچ سو استفتے جمع ہو جایا کرتے ہیں، یہ اس بات کا اعلامیہ ہیں کہ اپنے عہد میں امام احمد رضا تنہا عالم اسلام کے مرجع اور مرکز تھے، اس چوکھی رابطہ کو سامنے رکھیے تو امام احمد رضا کے مکاتیب کا سلسلہ شرق تا غرب اور شمال تا جنوب دراز سے دراز تر نظر آتا ہے اور چوں کہ آپ کی شخصیت کثیر الجہات، وسیع الصفات تھی، اس لیے آپ کے مکاتیب میں وہ اوصاف جگمگ کرتے نظر آتے ہیں جنہیں مکاتیب کے لازمی عناصر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حق یہ ہے کہ ان مکاتیب میں علم کی شمع فروزاں بھی ہے، عمل کا لعل بدخشاں بھی...... تخیل کی کہکشاں بھی ہے، تدبر کا ہفت آسماں بھی...... درد بھی ہے، دل بھی...... دوا بھی ہے، دعا بھی...... اپنائیت بھی ہے اجنبیت بھی...... محبت کے پھول بھی ہیں، نفرت کے کانٹے بھی...... دوری بھی ہے، حضوری بھی...... جلوت کی ہما ہمی بھی ہے، خلوت کی سنسان فضا بھی...... رازِ نہاں بھی ہے اور حقائق عیاں بھی...... ظاہر ہے، اتنے بکھرے جلوؤں کو سامنے رکھیے اور غور کیجئے تو کام کی نوعیت سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

امام احمد رضا کے مخاطبین ومکتوب الیہم میں نوکر ومزدور بھی دکھائی دیتے ہیں اور کسان نوجوان بھی۔ جہاں ریاستوں کے والیان و نوابان سائلوں کی صف میں کھڑے ہیں وہیں عدالتوں کے وکلا و جج صاحبان بھی۔ اس قطار میں ماہرین تعلیم بھی ہیں تو سیاست ومعیشت کے واقف کاران بھی۔ خانقاہوں کے اربابانِ جبہ ودستار بھی ہیں، تو اس دور کے بڑے بڑے کجکلاہانِ علم وفن بھی، غرض ان کے حلقۂ تعارف و احباب میں تمام شعبہ ہائے زندگی کے لوگ نظر آتے ہیں جن کا وطنی تعلق دنیا کے بیشتر خطوں اور حلقوں سے ہے۔

ایک ایسا عالم جس کی ایک نظر اپنے اساتذہ پر ہو تو دوسری نظر اپنے تلامذہ پر، ایک ایسا پیر جس کا ایک ہاتھ اپنے پیروں کے ہاتھ میں ہو تو دوسرا اپنے مریدوں کے ہاتھ میں، ایک ایسا قائد جو ایک طرف شمع بزم آقا ہو تو دوسری طرف خورشید افق اصاغر، جو اپنے بڑوں سے نور وسرور لیتا اور اپنے چھوٹوں کو معمور و پرنور کرتا ہو، ایک ایسا محسن جس کا دامن امتیاز من وتو کی گرد سے ایسا پاک ہو کہ اس کا دل عالم اسلام کے مسلمانوں کا نمائندہ بن کر دھڑکتا اور ٹھہرتا ہو، ایک ایسا عاشق رسول جو مسلمانوں کا رشتۂ غلامی نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جوڑنے میں پل پل ڈوبا اور ڈٹا ہو، ذرا سوچئے اس کے خطوط کے کتنے رنگ و آہنگ ہوں گے، ان میں کیسا سوز وساز اور کیسی رنگا رنگی ہوگی اور وہ ان خطوط میں ''وہی ایک جلوہ ہزار ہے'' کا کیسا شاہکار ہوگا۔ بفحوائے ''کل اناء یترشح بما فیہ'' وہ مکاتیب ایک طرف علوم وفنون کے دریائے ذخار ہیں تو دوسری طرف اصناف ادب کے گلشن وگلزار بھی، مکتوباتی ادب کے حوالہ سے امام احمد رضا کے وہ فکری شہ پارے جو ادب عالیہ کا آئیڈیل اور نمونہ ہیں، ان کی تصنیفات ونگارشات میں جگہ جگہ موتی کے دانوں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں، وہ اب کتابی شکل میں بھی آ گئے ہیں۔ ویسے اس فن پر یکسوئی کے ساتھ کسی ماہر فن کو کام کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ ان کے تمام مکتوبات ایک جگہ جمع ہو جائیں اور اس پہ باضابطہ ریسرچ تحقیق کی بنیاد رکھی جا سکے۔ ☆☆☆

امام احمد رضا

اور چھوٹوں پر شفقت

مولانا قمر الزماں مصباحی ایم اے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی قدس سرہٗ کی شخصیت کا ہر پہلو تہہ دار، متنوع اور گلہائے رنگا رنگ سے مزین ہے۔ آپ کی ذات میں جہاں امام رازی کی شان تفسیر، امام اعظم کا حسن فقاہت اور امام بخاری کے جمال حدیث کی رعنائی سمٹی ہوئی ہے وہیں عجز و انکساری، کسر نفسی، اخلاقی رواداری اصاغر نوازی کی دلفریب کرنیں بھی موجود ہیں۔ مگر برا ہو جوش تعصب کا کہ جن کے گلستانِ حیات میں احسان و سلوک، ایثار و اخلاص، خدمت خلق، بیماروں کی عیادت، حسن مروت اور خلوص وللٰہیت کے نہ جانے کتنے گلاب مسکرا رہے ہوں انھیں اغیار شدت پسندی، جھگڑالو اور اس طرح کے بے جا القاب سے یاد کرتے ہیں مگر یہ ایک سچائی ہے کہ چراغ حقیقت کو باد مخالف کا کوئی بھی جھونکا ہرگز بجھا نہیں سکتا۔

تری شمع حق نما میں ہے وہ زور رہنمائی
کہ ہزار آندھیوں میں نہ بجھی نہ جھلملائی

بلا شبہ امام احمد رضا اس شمع عشق مصطفیٰ کا نام ہے جو طوفانوں کی زد پر کل بھی روشن تھی اور آج بھی روشن ہے جسکی تجلیات عشق کا سورج آج بھی جگمگا رہا ہے اور جمال عشق کی تابشوں سے مستیز ہے۔ یوں تو حیات پاک کی ہر ساعت دینی خدمات، شرعی معمولات اور مذہبی اقدار و روایات سے عبارت ہے مگر یہاں اصاغر نوازی کی

لکچرر محسن ملت طبیہ کالج، رائے پور، سی۔ جی

ایک جھلک پیش کردوں تاکہ متعصب، متشدد اور جھگڑالو کہنے والی جماعت انکی شفقت وعنایات اور الطاف ونوازشات کے صاف وشفاف آئینے میں اپنا مکروہ چہرہ دیکھ سکیں۔

ملک العلما حضرت علامہ سید ظفر الدین بہاری قدس سرہٗ لکھتے ہیں کہ میں نے سب سے پہلا فتویٰ ۱۳۲۲ھ میں لکھا اور بغرض اصلاح سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خدمت بابرکت میں پیش کیا حسن اتفاق بالکل صحیح نکلا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اس فتویٰ کو لیے ہوئے خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دست مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا مولانا سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا والد ماجد نے مجھے شرینی کھانے کے لئے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا آج آپ نے جو فتویٰ لکھا یہ پہلا فتویٰ ہے اور ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے۔ اس لئے اسی اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شرینی کھانے کے لئے دیتا ہوں خوشی کی وجہ سے میری زبان بند ہوگئی اور میں کچھ نہ بول سکا اس لئے کہ فتویٰ پیش کرتے وقت میں خیال کررہا تھا خدا جانے جواب صحیح لکھا ہے یا غلط مگر خدا کے فضل سے وہ صحیح اور بالکل صحیح نکلا اور پھر اس پر انعام اور وہ بھی ان الفاظ کریمہ سے کہ میرے والد ماجد صاحب نے مجھے اول فتویٰ صحیح پر آپ کو انعام دیا تھا اسلئے اول فتویٰ صحیح پر انعام دیتا ہوں حق یہ کہ ایک خادم کی وہ عزت افزائی ہے جس کی حد نہیں اور اس کے بعد اس کو ہمیشہ برقرار رکھا۔ میرے پاس چالیس مکاتب ہیں جو وقتاً فوقتاً بریلی شریف سے امضا فرمائے اس میں برابر ولدی اعز مولانا مولوی ظفر الدین جعلہٗ اللہ تعالیٰ کاسمہٗ ظفر الدین سے شروع فرمایا۔ فتاویٰ رضویہ شریف جلد اول میں میرا نام انہیں لفظوں سے تحریر فرمایا۔

طالب علمی کے زمانے میں جب کبھی ماہ مبارک رمضان شریف میں بریلی شریف رہنا ہوا اور اس تعطیل میں مکان نہ آیا تو عید الفطر کے دن جس طرح تمام عزیزوں کو عیدی تقسیم فرماتے، مجھے اور دوسرے طلبہ کو علیٰ قدر مراتب تہواری عطا فرماتے۔

(حیات اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۱۵۴۔۱۵۵)

جناب مولانا مولوی مقبول احمد خان صاحب صدر مدرس مدرسہ حمیدیہ دربھنگہ نے فرمایا کہ میرے طالب علمی کا زمانہ تھا، میں ٹونک میں پڑھتا تھا، وہاں ایک بزرگ تشریف لائے، جن کی دعا اور تعویذات کا بہت ہی شہرہ اور حد سے زیادہ چرچا تھا، جس کو جس مقصد کے لیے تعویذ دیا، تیر بہدف ثابت ہوا۔ جو جس مقصد کے لیے تعویذ مانگتا، کامیابی اس کا قدم چومتی، کامیاب ہونے کے بعد وہ نذر بھی کافی پیش کرتا، ایک دن خود ہی مجھ سے فرمایا کہ تم کوئی تعویذ نہیں مانگتے، میں نے کہا کہ میرے پاس نذر دینے کو روپے کہاں ہیں کہ اس کی ہمت کروں۔ فرمایا: تم سے کچھ نذر نہیں، اس کے بعد مجھے نقش عطا فرمایا اور فرمایا کہ سونے کے پتر پر شرف آفتاب میں کندہ کرا کے انگوٹھی میں جڑا کر پہننا، تکسیر واکسیر ہوگی۔ خدا کی شان کندہ کرانے والے بھی مل گئے، اس قدر سونے کا سامان بھی ہوگیا، رہا شرف آفتاب، معلوم کرنے کا مسئلہ مجھے معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی مدظلہ اس فن میں کامل ہیں، چنانچہ ان کی خدمت میں عریضہ عرض کیا اور دریافت کیا کہ امسال شرف آفتاب کب ہے اور کس وقت سے اور کب تک رہے گا؟ خدا کی شان کہ جس دن یہ عریضہ وہاں پہنچا اس کے دوسرے ہی دن شرف آفتاب تھا اور ظاہر ہے کہ اگر بواپسی ڈاک بھی اعلیٰ حضرت جواب تحریر فرماتے تو بریلی سے ٹونک شرف آفتاب ختم ہوجانے کے بعد خط ملتا، اس وقت مجھے جو صدمہ ہوتا، ہر عقل والا اندازہ کرسکتا ہے۔ ایک سال کامل پھر اس وقت کا انتظار کرنا پڑتا۔ اعلیٰ حضرت نے ایک طالب علم کی اس تکلیف وصدمہ کا خیال فرماتے ہوئے اپنے پاس سے تار پر جواب دیا کہ کل نو بجے سے شروع ہوگا اور ایک رات دن رہے گا۔ ٹھیک وقت پر مجھے تار مل گیا اور میں وقت مقررہ پر تعویذ کندہ کرا سکا۔ اس تعویذ کی انگوٹھی ہر وقت میرے

ہاتھ میں رہتی ہے، جس وقت انگوٹھی کو دیکھتا ہوں، اعلیٰ حضرت کی اس شفقت اور احسان کو یاد کرتا ہوں کہ ایک طالب علم کی ضرورت کا انہوں نے کس درجہ خیال کیا، ورنہ اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ معمولی غیر شناس آدمی جوابی خط لکھتا تب بھی اس کو جواب دینے کی زحمت برداشت نہیں کی جاتی، نہ کہ اپنے پاس سے تار دینا اور یہ خیال کرنا کہ وقت گزر جانے کے بعد اگر جواب دیا گیا تو کس کام کا، واقعی بڑوں کی بڑی بات ہے۔ (ایضاص ۱۵۸۔۱۵۹۔۱۶۰)

۱۳۲۴ھ میں جب میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں مدرس اول تھا، رمضان شریف کی تعطیل میں اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا، اس زمانہ میں اعلیٰ حضرت علم ہیئت میں ایک کتاب تصنیف فرمارہے تھے اور میں اسے صاف کر رہا تھا، ارادہ تھا کہ ماہ رمضان شریف تمام کر کے بعد شش عید کے جب مدرسہ کھلے گا، پٹنہ واپس ہوں گا، لیکن اواخر رمضان شریف میں جناب حاجی لعل محمد خان صاحب مرحوم کا خط پہنچا کہ یہاں ولی اللہ نامی ایک وہابی آیا ہوا ہے اور جگہ جگہ مناظرہ کا چیلنج دیتا ہے، حضور والا مولانا ظفر الدین صاحب کو روانہ فرمادیں، اس وقت وہ کتاب قریب ختم کے تھی، اعلیٰ حضرت نے اس کو دو دن میں تمام کر دیا لیکن مجھے نقل کرنا اور صاف کرنا بہت باقی تھا، اس لیے حضرت نے فرمایا کہ آپ اس کو اپنے ساتھ لیتے جایئے اور نقل کرنے کے بعد اصل اور نقل دونوں رجسٹری سے واپس کر دیجئے گا۔ جب چلنے کا وقت ہوا اور اسٹیشن جانے کے لیے سواری آگئی، اعلیٰ حضرت باہر تشریف لائے اور دو نوٹ دس دس روپے کے مجھے عنایت فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ امسال عید میں آپ یہیں رہیں گے، بچوں کے لیے کپڑے بنواؤں گا تو آپ کے لیے بھی بنواؤں گا، لیکن آپ دینی ضرورت سے کلکتہ جا رہے ہیں، اس لیے یہ روپے آپ کی نذر ہیں، مجھے بہت شرم آئی کہ طالب علمی کا زمانہ تو ضرورت کا زمانہ تھا، اب تو میں نوکر ہوں۔ میں پیر کی خدمت کیا کرتا اور ان کی نذر کرتا کہ الٹے پیر ہی سے روپے وصول کروں۔ میں نے تامل کیا، اعلیٰ حضرت نے کچھ باصرار عنایت فرمایا۔ میں نے قدم بوسی کرتے ہوئے وہ روپے لے لیے اور کلکتہ روانہ ہو گیا۔ میرے پہنچنے کی خبر ملتے ہی سارا جوش ٹھنڈا ہو گیا، اب کس میں مناظرہ کا دم ہے، اعلیٰ حضرت کی دعا کا اثر ہے۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

(ایضاص ۱۵۸۔۱۵۷)

آج کے اس بحرانی دور میں جب کہ ہر شعبے پر قحط کی حکمرانی ہے، روحانیت پر مادیت، کسر نفسی پر تفاخر نسبی اور اعلیٰ ظرفی پر تنگ نظری کی دبیز چادر تنی ہوئی ہے، صلہ رحمی، اخلاقی برتری اور خردہ نوازی جیسے الفاظ صرف اور صرف اوراق کی زینت بن کے رہ گئے ہیں اور پیکر محسوس ہیں، ان لفظوں کا وجود اب عنقا ہے، ایسے میں ضرورت ہے کہ امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی سیرت کے اس رخ کو پیش کیا جائے، جس میں ان کے اخلاق و عادات اور الطاف و عنایات کی کلیاں چٹک چٹک کر ایک عالم کو مہکا رہی ہیں۔

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لیے

مکتوبات

ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی.................. شعبۂ اردو پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ

گرامی قدر مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب........................ سلام مسنون

خدا کرے آپ بخیر و عافیت ہوں

حکم کے مطابق مولانا سید اولاد رسول قدسی صاحب کی شاعری پر ایک مضمون بعنوان ''عہد نو کا سب رنگ شاعر قدسی مصباحی'' ارسال کر رہا ہوں، شاید آپ لوگوں کو میری ٹوٹی پھوٹی تحریر پسند آجائے۔ مولانا کو یہ تحریر بھجوا دیجیے اور کہیے کہ وہ اپنے تأثرات سے نوازیں، تاکہ مجھے اپنی کم علمی اور کوتاہیوں کے سلسلے میں واقفیت حاصل ہو سکے۔

آپ کا موقر جریدہ ''پیغام رضا'' موصول ہوا تھا، شکریہ۔ آپ کا رسالہ دینی ادب کے ذخیرے میں گراں قدر اضافہ ہے، صوری اور معنوی طور پر اس کے معیار، حسن و جمال اور افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، مگر میرا، ایک حقیر مشورہ یہ ہے کہ اختلافات اور منفی رجحانات سے پرہیز کریں اور موضوعات میں تنوع پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ مثبت رویئے اور وسیع المشربی سے نہ صرف آپ کی پہنچ دور تک ہوگی، بلکہ غیر بھی آپ کے مسلک، خیالات اور افکار کی جانب متوجہ ہوں گے۔ شگفتہ اسلوب، شائستہ انداز اور تعمیری نقطۂ نظر مقصد کی تکمیل میں آسانی اور منزل کو قریب کرنے کے وسیلے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ان وسائل سے کام لیتے رہیں گے اور مذہبی صحافت میں ''پیغام رضا'' سے ایک نیا نشان قائم کریں گے۔

نیاز مند
شہاب ظفر اعظمی

☆☆☆

مفتی ولی محمد رضوی نوری.................. سربراہ سنی تبلیغی جماعت، باسنی ناگور

مردان حق، پاسبان دین و محافظین شریعت کے لیے دل میں کدورت و بغض ایک ایسا مرض ہے، جس کا علاج نہ ہونے کے ساتھ حرماں نصیبی میں اضافے کا سبب ہے اور پھر ذلت و رسوائی کے کٹہرے میں ڈھکیلنے والا ہے، خدائے قدیر اپنے مخلص بندوں پر زبان درازی کرنے والوں کے لیے کسی بندے کو کھڑا کرتا ہے اور وہ مرد خدا نفع و ضرر سے بے نیاز ہو کر پیاروں کے دامن سے وابستگی کا علمبردار بن کر کمر باندھ لیتا ہے، انہیں میں سے ایک ہماری جماعت کے عالم جفاکش اور قلم کار کا نام مولانا رحمت اللہ صدیقی ہے، آپ نے شر کے دفاع کے لیے اور خیر کی اشاعت کے

لیے کافی سرگرمی دکھائی ہے اور وہ قابل قدر حضرات میں شامل ہو گئے ہیں۔

موصوف نے اس بار پھر سالنامہ ''پیغام رضا'' مرتب کیا ہے، جو قابل یادگار کارنامہ ہے، امام احمد رضا کی حیات وکارناموں کو اجاگر کرنے والا اور مسلک رضا کی افادیت بتانے والا یہ شمارہ کئی ایک علما وفضلا کے مقالات سے پر ہے، مدیر اعلیٰ مولانا رحمت اللہ صدیقی کا اداریہ ملی درد سے بھرا ہے، اس میں اس قدر اثر انگیزی ہے کہ آخری کلمات نے تو قلب کو گرما دیا ہے اور تپش اتنی بڑھی کہ اس کا اظہار آنکھوں کے قطرات نے کیا ہے۔

مفتی اختر حسین علیمی صاحب نے جو تحقیقی فتویٰ لکھا ہے، حقیقت حال یہ ہے کہ لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے، رخنہ گروں، تخریب کاروں کا محاسبہ عالمانہ انداز میں کیا ہے، ان کی فریب کاریوں کی گرفت کی ہے، نیز علما ومفتیان کرام کی تصدیقات سے ان کے فتویٰ کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔

حضور سیدی آل رسول حسنین میاں نظمی میاں دام ظلہ کا مقالہ دلی جذبات سے مزین ہے، انہوں نے مسلک رضا کی ضرورت پر وہ گوہر لٹائے ہیں، جو بہت درخشندہ ہیں، مگر ''گرنہ بیند بروز شپرۂ چشم چشمۂ آفتاب راچہ گناہ'' والی صورت حال ہے، حضرت والا نے محققانہ طرز اپنایا ہے، حکیمانہ اسلوب بھی اختیار کیا ہے، خانوادۂ برکات کا امام احمد رضا سے قلبی تعلق بھی سطر سطر سے عیاں ہے، فکری آوارگی کے شکار مدیروں کو راہ حقیقت کا چراغ دکھایا ہے، خدا کرے یہ لوگ نفسانیت وانانیت کے شر سے جلد از جلد باز آجائیں اور راست بازوں کا دامن پکڑ لیں۔

خلاف دشمن ودوست از خدا داں　　　　کہ دل ہر دو در تصرف اوست

یادگار اسلاف علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی دام ظلہ العالی کا فتویٰ مبارک تو دلائل قرآن وسنت کا مینار ہے، آپ نے مسلک اعلیٰ حضرت کی حقانیت پر جو تحقیق نادر فرمائی ہے، وہ آنکھوں کا نور دل کا سرور ہے، کاش! کہ ناپختہ جوانوں کو ہوش وخرد سے واسطہ وتعلق ہو جائے تو یہ مقالہ ان کے امراض قلبی کے علاج کا ذریعہ بن جائے۔

نصیحت کہ خالی بود از غرض　　　　چوں داروئے تلخ است دفع مرض

محقق اہل سنت مولانا ڈاکٹر نجم القادری زید مجدہٗ نے ''جام نور'' کے جملوں کو چھانٹ چھانٹ کر جو علمی وفکری تجزیہ کیا ہے اور ان آزاد خیالوں کی جو گرفت کی ہے، وہ ایک دردمند دل کی آواز ہے، مدبرانہ طرز تحریر سے ایک مریض کے علاج کی مساعی کی ہیں، متضاد تحریروں پر جو محاکمہ فرمایا ہے، وہ بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے، جن سے خوشتر وذیشان کی ناتجربہ کاری کا اظہار ہو رہا ہے، موصوف نے ان کو آئینۂ حقیقت دکھانے کی ٹھنڈے دل سے پیارے انداز میں کوشش کی ہے۔

مولانا سید اولاد رسول قدسی صاحب قبلہ نے اپنے والد ماجد علامہ سید شاہ عبدالقدوس صاحب مفتی اعظم اڑیسہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی مسلک اعلیٰ حضرت سے قلبی وابستگی کی جو مثالیں پیش فرمائی ہیں، وہ بھی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہیں۔ بے شک وہ اکابر میں سے تھے اور ان میں ایسے اوصاف تھے، جنہیں اکابر کہا جائے، گل محبت رضا سے ان کی کتاب زندگی کا ورق ورق معطر ومعنبر ہے، درحقیقت ایسے مقدس حضرات ہی مسلک اعلیٰ حضرت کے دانا وبینا تھے، خود سید صاحب نے فتاویٰ رضویہ شریف سے جو گل چینی بار بار کی ہے، وہ سچے عقیدت کیش کا نادر نمونہ ہے، والد ماجد اور شہزادۂ گرامی اعلیٰ حضرت کے سچے عاشق اور مسلک رضا کے سچے ترجمان ہیں۔

مدیر اعلیٰ نے مسلک اعلیٰ حضرت اور حضور احسن العلما علیہ الرحمۃ والرضوان کے عنوان سے یادوں کا حسین گلشن سجایا ہے، جس سے قلبی راحت ملتی ہے، خانوادۂ برکات کے اس عظیم فرد کی زندگی کے شب وروز، خلوت وجلوت اور خطاب وبیان آج اہل سنت کو پیغام دے رہے ہیں کہ میں بظاہر موجود نہیں ہوں، مگر میری مسلک رضا سے وابستگی اور عقیدت میرے خطابات وملفوظات اور مجالس خیر میں بیان کئے جملوں سے ظاہر ہے، وہ اپنے وفاداروں کو اسی مسلک سے وابستہ رہنے کی محبت بھری نصیحت ووصیت فرماتے رہے، ان حضرات کی رگ وپے میں دین وملت کا درد اور محبت تھی، نظر نظر فکر فکر میں دین کی شیدائیت کے جلوے تھے، افسوس کہ آج جبہ ودستار سجا کر تقریریں کرنے والے جلسہ سے جانے کے بعد ماڈرن بن جاتے ہیں، جد محترم کی کمائی پر مفت میں قبضہ چاہتے ہیں۔ ع　　عزت جد بخواہی مثل جد خدمت بیار

یہ جواہر پارے جو احسن العلما نے عطا فرمائے، اگر کسی کی آنکھوں کا سرمہ بن جائیں تو دل کی آنکھ روشن ہو جائے اور وہ اپنی خطاؤں سے تائب ہو جائیں تو سارے اہل سنت انہیں اپنی مجالس ومحافل میں عزت دیں گے۔ حضرت مولانا انیس عالم سیوانی کی فکری تحریر سے حقیقت کے پھول بکھر رہے ہیں، ان کے مضمون میں صدام یونیورسٹی بغداد کے ایک آوارہ لکچرار کا یہ جملہ ''حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی المولیٰ عنہ کا مقام اسلام لانے کے بعد کم ہوا'' (نعوذ باللہ) جہاں صرف ادب ہوتا ہے، دینداری فکر ونظر پر غالب نہیں ہوتی، ان کے ایسے بے لگام جملے ہوتے ہیں، جن سے دل کو چوٹ لگتی ہے، موصوف نے ان کی جو گرفتیں فرما کر حقیقت بیانی کا ثبوت دیا ہے، وہ عرفان ومحبت کے کلمات ہیں، مولانا سید سلیمان اشرف جائسی نے کہا کہ اس شاعری اور ادب کو ہم لے کر کیا کریں جو ہمیں صحابۂ کرام کی عزت وعظمت کی پاسداری سے روک دے۔ کتنے سعادت مند جملے ہیں ان کے، بلاشبہ ملت کو ایسے سپوتوں کی ضرورت ہے، وفا شعار حضرات اگر اس طرح لکھتے رہیں گے تو ان تنگ نظر لوگوں کو دن میں تارے نظر آئیں گے۔

وہ احباب جو ابھی تک اس مدیر کے خدوخال سے پوری طرح واقف نہیں، وہ ناتجربہ کاری سے خوش فہمی میں مبتلا ہیں، باطن بھی دیکھ لیں کہ نام خوشتر ہے یا حقیقت میں بھی خوشتر ہے، بلکہ میں کہوں کہ ''خشک تر'' ہے۔ آؤ دیکھو، ایک رنگ دیکھا ہے، دوسرا رنگ بھی دیکھ لو۔ لکھا ہے:

''جام نور کے ذریعہ مذکورہ تینوں مقاصد میں کامیابی کے بعد آج ہمیں آپ کو یہ بتاتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ یہ ہماری منزل نہیں، بلکہ منزل تک پہنچنے کا پہلا زینہ ہے۔ عالمی سطح پر بڑی بڑی مذہبی، اصلاحی، سیاسی اور سماجی تحریکوں کے قائدین نے اپنی اپنی تحریکوں کا آغاز رسائل و جرائد ہی سے کیا ہے، بنیادی مقاصد کی تکمیل اور رائے عامہ ہموار کرنے کے بعد انہوں نے منزل کی طرف پیش قدمی کی، جمال الدین افغانی کا جریدہ العروۃ الوثقیٰ، سرسید کا تہذیب الاخلاق، آزاد کا البلاغ اور الہلال، ظفر علی کا زمیندار، مودودی کا ترجمۃ القرآن اور علامہ ارشد القادری کا جام نور اور جام کوثر اس کی زندہ مثالیں ہیں اور کسی تحریک کو ملکی سطح پر کامران کرنے کے لیے چراغانِ راہ منزل'' (جام نور ستمبر ۲۰۰۷ء)

افغانی آزاد خیال کا دوسرا نام ہے، جو ائمہ تقلید کا پابند نہیں، بلکہ چاروں اماموں میں سے جو اس کی آزاد طبیعت سے میل کھاتا، اسے قبول کرتا تھا اور سرسید نیچریت کا بانی تھا، جس کا عقیدہ تھا ''خدا بھان متی کا کا تماشہ گرہ ہے، جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی وجود نہیں''، ابوالکلام آزاد اور ظفر علی خان کے عقائد جگ ظاہر ہیں، مودودی جماعت اسلامی کے بانی تھے، جس کے عقائد ونظریات گمراہ کن ہیں۔

ہاں! علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان تاحیات مذکورہ حضرات کے افکار ونظریات کے خلاف برسر پیکار رہے، لیکن خوشتر آج انہیں گمگشتگانِ راہ سے اجالوں کی بھیک مانگ رہے ہیں اور ان کی ناپاک ڈگر کو چراغانِ منزل سمجھ رہے ہیں۔ یقیناً علامہ کی روح اس ناخلف آزاد خیال اور آوارہ فکر پوتے کی شر انگیزی سے پرملال ہوگی۔

مولائے کریم ان کے درجات بلند فرمائے، ''پیغام رضا'' کے مدیر اور قلمکاروں کے علم وفضل اور فکر وشعور میں اضافہ فرمائے، ان اہل محبت کے چراغ محبت رضا میں تابانی عطا فرمائے اور اہل حسد وبغض کے شر سے انہیں اور ہمیں محفوظ فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر صابر سنبھلی .... سیف خاں سرائے، سنبھل، مراد آباد

(۱) برادرم مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب .... السلام علیکم

میں نے مسلک اعلیٰ حضرت کے مخالفین ومعاندین کے بارے میں تین عدد مراسلے (برائے اشاعت) ۲۲؍اپریل ۲۰۰۸ء کو بہ ذریعہ Speed-post روانہ کیے تھے، آپ کے گونڈی کے پتے پر انگریزی ہجے سامنے نہ ہونے کے باعث اس کے ہجے Gondi لکھے، شبہ ہے کہ اسی وجہ سے اسپیڈ پوسٹ لفافہ کا پتہ ناکافی یا درست نہ ہونے کے عذر کے ساتھ ۱۴؍مئی کو میرے پاس واپس آ گیا۔ افسوس!

اب وہ سارا مواد آپ کو مانخورد کے پتے پر ارسال کر رہا ہوں، بہ ذریعہ Speed-post ہی ہے۔ خدا کرے اس بار مل جائے۔ میں شیطانوں اور بدمعاشوں کا تعاقب کرنے کے مشغلے کو بہت عزیز رکھتا ہوں، لیکن جب عوام تک میری بات نہ پہنچ سکے تو مجبور ہو جاتا ہوں، اب ایسا

بہت دنوں میں ہوا ہے۔
میرا کام صرف بھیجنا ہے، اس سے آگے میں کچھ نہیں کرسکتا۔ اب جیسا آپ پسند کریں اختیار کرلیں۔ میں مضمون نہ لکھنے کا عہد تو پہلے ہی کر چکا ہوں، مراسلے کی بات الگ ہے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بہ عافیت ہوگا۔
نعتیہ دیوان ''دیوانِ صابرؔ'' ابھی چھپا ہے، ۱۱؍ مئی کو رسم اجرا سے فارغ ہوا ہوں، آپ کا صحیح پتہ معلوم ہو جائے تو تبصرے کے لیے کتاب بھیجوں۔ ایک کتاب اور بھی چھپی ہے ''ادبیات رضا: ایک جائزہ'' وہ بھی تبصرے کے لیے بھیجنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ کئی رسالوں کو دونوں کتابیں بھیج چکا ہوں۔

فقط والسلام

ڈاکٹر صابر سنبھلی، سنبھل، مرادآباد

☆☆☆☆☆

(۲) بخدمت عالی حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب، مدیر اعلیٰ سہ ماہی پیغام رضا، ممبئی............... السلام علیکم ورحمۃ اللہ
عرس رضوی میں امجدیہ کتب خانہ کی اسٹال سے پیغام رضا کا تازہ شمارہ (بابت اپریل تا جون ۲۰۰۸ء) حاصل کیا، سرورق کی عبارتیں پڑھ کر ہی طبیعت باغ باغ ہوگئی، عزیزی محمد زبیر قادری صاحب آپ سے ملاقات کرانا چاہتے تھے، مگر آپ اس وقت وہاں موجود نہیں تھے، کچھ دیر آپ کا انتظار بھی کیا، چوں کہ درگاہ کی حاضری کے لیے تاخیر ہو رہی تھی اس لیے اس وقت چلا گیا، لیکن درگاہ سے واپسی پر زبیر صاحب نہیں ملے اور ملے تو اس وقت ملے جب گھر آنے کے لیے اسلامیہ کالج سے نکل رہا تھا۔
ماہ نامہ ''جام نور'' نے بظاہر آپ پر اور درحقیقت مسلک اعلیٰ حضرت پر جو حملہ کیا تھا اس کے بعد کہیں سے کوئی آواز نہیں آئی، میں یہ سمجھا کہ آپ جام نور کی سختی کے سامنے سپر انداز ہو گئے، میں نے عزیزی زبیر قادری کو لکھا تھا کہ اگر صدیقی صاحب جواب دینے کی تیاری کر رہے ہوں تو مجھے بھی مطلع فرمائیں، میں بھی کچھ لکھوں گا (حالاں کہ اب تو کچھ نہ لکھنے کا عہد کرلیا ہے) زبیر صاحب نے تو کوئی جواب نہیں دیا، مگر آپ کی خاموشی طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، مسلک اعلیٰ حضرت کی جگہ مسلک علامہ ظفر ادیبی کھڑا کرنے والوں کی سازش کو بھانپ کر آپ نے ان کو ایسا بے نقاب کیا کہ شاید یہ ناگ آئندہ کبھی پھن نہ اٹھا پائے۔ مبارکباد
آپ کے استفتا پر جب مسٹر خوشتر نورانی نے کچکچا کر حملہ کیا تھا تو شاید ان کو اپنی سازش کے کھل جانے کا کچھ اندازہ ہو گیا تھا، اس لیے وہ بری طرح بوکھلائے ہوئے تھے، انہوں نے آپ کے پروگرام کو سبوتاژ کرنے کے لیے آپ پر جو الزام لگایا تھا اس سے وہ پوری جماعت کی ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتے تھے، انہوں نے لکھا تھا کہ یہ ان کا خفیہ مشن تھا، جس کو آپ کی مخالفت کی وجہ سے ظاہر کرنا پڑا، اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی اگر اس خفیہ مشن کے آڑے نہ آتے تو وہابیت دیوبندیت کا جنازہ نکل جاتا، اب اگر دنیا میں کہیں وہابیت دیوبندیت باقی رہے گی تو اس کی ذمے داری مولانا رحمت اللہ صدیقی پر ہوگی اور وہی اس کے لیے گنہگار ہوں گے، کیوں کہ انہی کی وجہ سے خوشتر میاں کو اپنا خفیہ مشن عام کرنا پڑا، معلوم ہوتا ہے کہ خوشتر نورانی صاحب ساری جماعت کو بے وقوف سمجھتے ہیں۔
خوشتر صاحب کے سُر میں سُر ملاتے ہوئے حکیم جی شرر مصباحی نے بھی تحریر فرمایا تھا ''ایسا لگتا ہے کہ ان دنوں مولانا صدیقی پریشانیوں کے گھیرے میں آگئے ہیں اور ایسے لوگوں کے ہتھے چڑھ گئے ہیں جو براہِ راست جام نور کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے'' (جام نور جنوری ۲۰۰۸ء ص ۴۶)
حکیم جی کا پہلا جملہ بالکل درست ہے، مولانا رحمت اللہ صدیقی کو تو اس پریشانی نے گھیر لیا تھا کہ مسلک ظفر ادیبی مسلک اعلیٰ حضرت کو ہڑپنے کے لیے منہ کھول کر آگے بڑھ رہا تھا، مگر حکیم جی شرر کی پریشانی کو کوئی نہیں جانتا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد حکیم جی کی پنشن تنخواہ کی آدھی یا اس سے بھی کم رہ گئی ہے، دلی کے بڑھے ہوئے خرچے کفایت شعاری سے پورے نہیں کیے جاسکتے، اس لیے آمدنی بڑھانے کی فکر میں رہتے ہیں، ایسے آدمی کا خریدنا کسی کے لیے بھی کیا دشوار ہے۔ (رہا دوسرا جملہ تو بے چارے حکیم جی کو کیا خبر کہ اب جام نور کا کیا حال ہے، اب وہ خود کسی کا سامنا کرنے کے قابل نہیں ہے)

عام طور سے لوگ جانتے نہیں کہ جب حکیم جی لکھتے ہیں

اعلیٰ حضرت ہیں میرے آقا میں قسمت کا بڑا دھنی ہوں

تو اعلیٰ حضرت سے مراد یقیناً امام احمد رضا کے علاوہ کوئی دوسری شخصیت ہوتی ہے، ہو سکتا ہے وہ شخصیت علامہ ظفر ادیبی کی ہو اور جب وہ فرماتے ہیں ''مجھے اس قول سے اتفاق نہیں کہ .... اعلیٰ حضرت کی زبان و قلم سے سر مو خطا سرزد ہو، مولا تعالیٰ نے اسے ناممکن بنا دیا ہے'' (جام نور دہلی بابت اگست ۲۰۰۶ء صفحہ ۳۴) تو یہاں ان کی مراد یقیناً امام احمد رضا ہوتے ہیں۔ نیز جب وہ یہ لکھتے ہیں کہ ''یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ناموزوں مصرع علی میاں نہیں لکھ سکتے تھے'' (محاسبہ، ص ۵۷) تو نہ صرف یہ کہ درج بالا دونوں باتوں کی تصدیق ہوتی ہے، بلکہ یہ بھی صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کی عقیدت کا قبلہ کس سمت ہے۔ ایسا شخص امام احمد رضا کے بارے میں جو بھی توہین آمیز کلمات لکھ دے حیرت کی بات نہ ہوگی۔

خوشتر صاحب ابتدا سے ہی کچھ ایسا طریقہ لے کر چلے تھے کہ ان کی ٹیم کا قارئین پر رعب طاری ہو گیا، شرر صاحب نے ان کی تحریک پر میرے نام سے ایک عبارت گڑھ کر خوشتر صاحب کو دی، خوشتر صاحب نے اس توہین آمیز عبارت کو بلا تصدیق شائع کیا، میں نے بہت چیخ پکار کی، مگر کسی میں یہ ہمت نہیں ہوئی کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر یہ پوچھ لیتا کہ اے ڈانگدھر! تجھے اس کا حق کہاں سے حاصل ہو گیا اور نہ کسی نے خوشتر صاحب سے یہ کہا کہ یا تو وہ اس کو میرا قول ثابت کریں یا پھر معافی مانگیں۔

دوسری طرف یہ ہوا کہ چونکا دینے والے مضامین کی اشاعت اور لوگوں کی پگڑیاں اچھالنے سے رسالہ چل نکلا، تعداد اشاعت ذرا اچھی ہو گئی تو انہیں یہ خوش فہمی، بلکہ غلط فہمی ہو گئی کہ وہ ہندو پاک کے تمام اہل سنت کے ذہنوں پر قابض ہو چکے ہیں، جدھر چاہیں گے موڑ دیں گے، بس یہی سوچ کر پہلے تو انہوں نے ریاست بہار میں جنرل الیکشن کے ایام میں آر۔ جے۔ ڈی کی قصیدہ خوانی میں سارا زور قلم صرف کر دیا، مگر خدا کا کرنا یہ ہوا کہ آر۔ جے۔ ڈی کو ایسی شکست فاش کا منہ کبھی نہیں دیکھنا پڑا تھا جیسی شکست فاش سے خوشتر صاحب کی حمایت کے بعد روبرو ہوئی۔ خوشتر صاحب کا یہ بڑا نقصان ہوا کہ راجیہ سبھا کی سیٹ جھولی میں آتے آتے رہ گئی، باقی نفع نقصان جو بھی ہونا تھا وہ رسالے نکالنے سے پہلے اور ووٹ پڑنے سے بھی پہلے ہو چکا تھا۔

خوشتر صاحب اگر اس وقت اس بات پر غور فرما لیتے کہ جماعت میں ان کا کتنا وقار ہے تو ایک منظم سازش کے تحت مسلک اعلیٰ حضرت پر نشانہ نہ سادھتے، یہ سودا خوشتر صاحب کو بہت مہنگا پڑا، ان کی برسوں پرانی اسکیم تاش کے پتوں کی طرح بکھر گئی، اب وہ خوب سمجھ چکے ہیں کہ اہل سنت میں ان کا کتنا وقار ہے، پیغام رضا میں ان کے موقف کی تردید ہوئی اور خوب ہوئی، مگر مئی ۲۰۰۸ء کے جام نور میں انہوں نے اس شکست فاش کا ذکر بھی نہیں کیا، جب کہ حکیم جی شرر جام نور کا سامنا نہ کر پانے کا راگ الاپ کر دل کو خوش کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ حکیم جی مٹیا محل اور جامع مسجد پر ہر جگہ دھتکارے جا رہے ہیں، صرف ماہ نور کے دفتر میں بیٹھنے کو جگہ مل جاتی ہے، انشاء اللہ ابھی مزید خواری ہوگی۔

بلا شبہ مسلک اعلیٰ حضرت ایسی روشن حقیقت ہے جس کو گرد و غبار کیا، بڑی بڑی دبیز اور سیاہ گھٹائیں بھی نہیں چھپا سکتیں۔ اب یہی نہیں کہ یہ دونوں ہی بلکہ جماعت کی نظر میں جام نور کی پوری ٹیم بے اعتبار اور بے وقار ہو چکی ہے اور اب انشاء اللہ تا قیامت اس پر کوئی بھروسہ نہیں کرے گا۔ یاد رہے کہ سنی سب کچھ بھول سکتا ہے، مگر مسلک اعلیٰ حضرت سے منحرف نہیں ہو سکتا اور جنہوں نے ایسا کیا وہ کچھ زمانے کے بعد شومئ تقدیر سے کچھ اور ہی ہو گئے، سنی نہ رہے۔ بقول شخصے: بریلی سے وہی ٹکراتا ہے جو خود جھوجرا ہوتا ہے۔

گزشتہ صدی عیسوی کی آخری دہائی میں (غلط یا صحیح) یہ عام شہرت تھی کہ علامہ ارشد القادری کا پوتا جو لیبیا میں ریسرچ کر رہا ہے، وہابی ہو گیا ہے۔ اس وقت یہ بات کسی کو معلوم نہیں تھی کہ خوشتر صاحب تھے یا کوئی اور، یہ بھی مشہور تھا کہ وہ دادا سے مناظرہ کرنے کے خواہاں بھی ہیں اور کہتے ہیں کہ دادا میاں نے لالہ زار اور تبلیغی جماعت لکھ کر کون سا تیر مار لیا، جام نور کے دوبارہ اجرا سے پہلے سنبھل کے ایک صاحب سے یہ بھی فرمایا تھا کہ میرے دادا نے کتابوں میں نہ جانے کیا کیا لکھ دیا ہے، کچھ اقوال اس سے بھی بدتر سماعت میں آئے ہیں، سنبھل کے مولانا نفیس اختر نعیمی صاحب کا بیان خاص خوشتر صاحب کے بارے میں ہے کہ ان کے والد نے بھی ایک بار ان کو ڈانٹا اور کہا کہ ہم جس کے نام کا کھا رہے ہیں تو انہی کی

برائی کرتا ہے۔ بعد میں سنبھل کے ایک اور مولانا (جو خود خوشتر صاحب کا دوست کہتے ہیں) سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے نہایت مختصر جواب دیا''ہاں وہ یہی تھا''معلوم ہوتا ہے کہ جناب جو لیبیا میں تھے وہی اب بھی ہیں، مگر تقیہ کر کے اہل سنت کے اذہان کو بدلنے میں لگے ہیں۔

یونانی طریقۂ علاج کے ناکام معالج حکیم جی شرر مصباحی (جو ڈاکٹر نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے دستخط میں بھی ڈاکٹر لکھتے ہیں) سے میرے نام سے ایک جھوٹی عبارت گڑھوا کر اور اس کو رسالے میں چھاپ کر حکیم شرر کی حمایت بے جا کا حق بھی انہوں نے ادا کر دیا۔ وہ اس طرح کہ حکیم شرر کے جواب میں میرے مضامین جہاں تک ممکن ہو سکا شائع نہیں ہونے دیے۔ دھونس، دھمکی، خوشامد سے جیسے بھی کام نکلا مدیر رسالہ جات کو متاثر کر کے کمپوز ہو چکے مضامین کو بھی رکوا دیا (حالاں کہ اب بھی شرر مصباحی پر میرے دو مضمون قرض ہیں، ایک سہ ماہی افکار رضا ممبئی بابت اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا اور دوسرا ماہ نامہ سنی دنیا بریلی شریف بابت جولائی ۲۰۰۷ء میں۔ انشاء اللہ حکیم جی ان کا جواب تا حیات نہیں دے سکیں گے)

میرے مضامین کو چھپنے سے روکنے کا خوشتر صاحب تحریری اعتراف بھی کر چکے ہیں، میرے مضامین کی زبان کو انہوں نے غیر مہذب قرار دیا اور میرے نام سے عبارت گڑھوانا اور اس کو چھاپنا ان کے نزدیک مہذب کام ہے۔ حکیم شرر تو پھر بھی علامہ ظفر ادیبی کے شاگرد تھے، مگر جام نور کی باقی ٹیم بھی ایسی ہے کہ اس کے جس ممبر کا ماضی غور سے دیکھ جائے، کہیں نہ کہیں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی مخالفت سے ضرور داغدار نظر آئے گا۔ پیغام رضا کے تازہ شمارے سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے، آپ نے ان کو خوب پہچانا۔

مسلک اعلیٰ حضرت کی حمایت اور اس کے دفاع کے لیے ہمہ وقت تیار رہئے کہ یہی دین حق ہے اور فتنہ ابھی بالکل ختم نہیں ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ مردہ چوہے کو اگر گوبر سنگھا دیا جائے تو وہ پھر سے زندہ ہو جاتا ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ فتنہ بھی پھر زور مارے، کیل کانٹے سے لیس رہئے گا۔ مولا تعالیٰ آپ کو اس کی جزا عطا فرمائے گا۔

دو مراسلے اور بھی ارسال کر رہا ہوں، یہ سنی دعوتِ اسلامی، اعلیٰ حضرت اور سنی دنیا کو برائے اشاعت بھیج چکا ہوں، مگر چھپنا تو الگ، کہیں سے کوئی جواب بھی نہیں آیا۔ خوشتر نورانی اور حکیم شرر کا Terror ہر جگہ ہے۔

پریس کی طاقت کو دنیا نے مانا ہے اور اس طاقت پر خوشتر نورانی صاحب نہ صرف نازاں ہیں، بلکہ مغرور بھی ہیں، انہیں ہر وقت اکبر الہ آبادی کا یہ مصرع یاد رہتا ہے　　ع　　جب توپ مقابل ہو تو اخبار نکالو

مگر وہ یہ بھولے ہوئے ہیں جب اکبر الہ آبادی نے یہ مصرع کہا تھا پریس کونسل آف انڈیا کا وجود نہیں تھا اور اب یہ ادارہ بہت فعال ہے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بہ عافیت ہوگا۔　　فقط والسلام　　**ڈاکٹر صابر سنبھلی، سنبھل، مراد آباد، یوپی**

☆☆☆☆☆

(۳) مکرمی مدیر محترم سہ ماہی پیغام رضا ممبئی.. السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب عالی! جب بھی ترجمۂ کنز الایمان کی خوبیوں کا ذکر آتا ہے تو تمام اہل سنت و جماعت (خواہ وہ علما ہوں یا عوام) اس ترجمہ کی خوبیوں میں ایک یہ خوبی بھی بیان کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے بسم اللہ شریف کا ترجمہ''اللہ'' کے نام سے شروع کیا ہے، جب کہ دیگر تمام مترجمین اس کا ترجمہ لفظ شروع سے شروع کرتے رہے ہیں، یعنی''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے''۔ ظاہر ہے کہ یہ اللہ کے نام سے شروع نہیں ہوتا؟ بلکہ لفظ شروع سے شروع ہوتا ہے، اب تک اس خوبی کا ایسا اعتراف کیا گیا کہ دیو بندی، غیر مقلد، اور شیعہ، غرض کہ کسی فرقے نے اس خوبی کی تردید نہیں کی۔ حتیٰ کہ انہوں نے بھی اس کا انکار نہیں کیا جنہوں نے اس ترجمہ کے رد میں لکھا، بلکہ کسی نے اس ترجمہ کو ہلکا کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ مگر مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور سے فارغ ایک مولوی صاحب نے ۲۰۰۶ء میں نہ صرف اس کو ہلکا کر کے لیا، بلکہ اس کی ایسی تردید کی کہ مجھ جیسے کج مج زبان اور کم گو کا ناطقہ بند ہو گیا۔ وہ مولوی صاحب ہیں حکیم جی محمد فضل الرحمٰن شرر مصباحی صاحب، جنہوں نے اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر لکھنے کے شوق میں نام کا پہلا جز''محمد'' دائمی طور پر نام سے خارج کر دیا ہے تاکہ نام زیادہ طویل نہ ہو جائے۔ جبکہ جناب ڈاکٹر کہیں سے کہیں تک نہیں ہیں۔ دور دور تک نہیں ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کے خلاف ان کے دلائل کا خلاصہ اس طرح ہے۔ (۱) فارسی کے سارے معتمد اور مستند ترجمہ نگاروں نے

بسم اللہ کا ترجمہ بنام ایزد یا بنام خدا وغیرہ سے کیا ہے۔ (۲) شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین علیہما الرحمہ کا زمانہ اردو کا عہد طفلی سہی لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ لفظ اللہ کو لفظ شروع پر مقدم نہیں کر سکتے تھے۔ (۳) اعلیٰ حضرت کے بعد حضرت محدث اعظم ہند نے ''معارف القرآن'' کے نام سے قرآن حکیم کا ترجمہ کیا، مگر انہوں نے بھی کنز الایمان کی تاسی نہیں کی۔ (۴) کیا لفظ ''شروع'' سے ترجمہ کا آغاز ترجمہ کی خامی ہے؟ (۵) کنز الایمان میں بسم اللہ شریف کا جو ترجمہ کیا گیا ہے اس کو دوسرے تراجم پر فوقیت دینا وہابی مترجمین قرآن کی ضد میں اپنے اسلاف کی پگڑی اچھالنی ہوئی، جس کی مذمت کی جانی چاہئے۔ (۶) باری تعالیٰ کا کلام مقدس خود اللہ کے بجائے بسم اللہ سے شروع ہوا ہے۔ اس لیے ترجمہ میں اللہ کو مقدم نہ کرنا اور شروع کو مقدم کرنا ترجمہ کی خامی کیوں کر ہوئی؟ (ماہ نامہ جام نور دہلی بابت ستمبر ۲۰۰۶ء، ص ۴۶) (۷) معلوم ہوا ہے کہ خود کنز الایمان میں بھی ایک سے زائد مقامات پر بسم اللہ کا ترجمہ اللہ کے بجائے شروع سے شروع ہوا ہے۔ (ماہ نامہ جام نور دہلی بابت نومبر ۲۰۰۶ء، ۴۵ کالم ۲/)

ان میں سے نمبر ۲/ نمبر ۴/ اور نمبر ۷/ لفاظی، سینہ زوری اور فریب دہی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ان کو پڑھ کر فقیر کو بھی بے اختیار ہنسی آ گئی۔ اس لیے کہ (الف) اگر وہ حضرات لفظ اللہ کو لفظ شروع پر مقدم کر سکتے تھے تو انہوں نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ کیا لفظ اللہ کو مقدم کرنا ''شروع'' کو مقدم کرنے سے بہتر نہیں ہے؟ (ب) یہ کسی نے نہیں کہا کہ لفظ ''شروع'' سے ترجمہ کا آغاز خامی ہے اور اسی بات کو نہ سمجھ پانے کی وجہ سے یہ بے بنیاد عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ (ج) کنز الایمان میں دو سورتوں کے آغاز میں ترجمہ لفظ ''شروع'' سے شروع ہوا ہے، وہ ہیں سورۂ انبیا اور سورۂ نور۔ بات درست ہے، مگر یہ دونوں سہو کاتب ہیں۔

ان کے علاوہ باقی چار دلائل کا فقیر کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ حکیم جی دھوکا دینے کے فن میں بھی ماہر ہیں، ہوسکتا ہے کہ مندرجہ بالا اعتراضات میں بھی اعلیٰ درجے کی لفاظی یا کوئی بڑا دھوکا ہو (حکیم جی کی غیر معتبریت تو کھل کر سامنے آ ہی چکی ہے) علمائے منطق کو اس طرف توجہ دینی چاہئے۔

ہٹ دھرمی یوں بھی اہل حق کا شیوہ نہیں ہے، اگر حکیم جی کے یہ دلائل نا قابل تردید ہیں تو ہمیں خلوص دل سے ان کے شکریہ کے ساتھ ان کی رائے کو تسلیم کر لینا چاہئے، پہل کرنے کے لیے یہ فقیر تیار ہے، مگر یہ تو طے ہو جائے کہ حکیم جی نے جو کچھ فرمایا ہے قابل تسلیم ہے یا نہیں۔ یہ محض الفاظ کی شعبدہ بازی ہے یا ان کا پسندیدہ طریقہ ''لٹکے بازی'' تو نہیں، اہل قلم کو اس طرف متوجہ کرنے کے لیے یہ مراسلہ قلم بند کیا گیا ہے۔

حضرات محترم مولانا محمد حسن علی رضوی میلسی، مفتی شمشاد حسین رضوی، ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، مفتی مطیع الرحمٰن پورنوی، محمد سراج الدین شریفی، مولانا غلام مصطفیٰ نجم القادری، مفتی عاشق الرحمٰن حبیبی، خود مدیر محترم اور تمام عاشقان کنز الایمان سے اظہار رائے کی درخواست کرتا ہوں، امید ہے کہ توجہ دی جائے گی۔

فقط والسلام — **ڈاکٹر صابر سنبھلی، سنبھل، مرادآباد، یوپی**

☆☆☆☆☆

غلام مصطفی مصباحی .... مرادآباد

پیغام رضا اپریل، مئی، جون ۲۰۰۸ء کا شمارہ موصول ہوا، مطالعہ کے بعد آپ کی جدو جہد کا اندازہ ہوا اور دل کی گہرائی سے دعا نکلی۔

افسوس جن قوتوں کو دشمنانِ دین کے خلاف برسرِ پیکار ہونا چاہئے تھا، آج وہی قوتیں منظم سازش کے تحت اپنے ہی ماحول کو مسموم کر رہی ہیں، اکابر علمائے کرام نے جس لفظ (مسلک اعلیٰ حضرت) کو دوسرے فرقوں کے مقابلے میں اپنی جماعت کا امتیازی نشان قرار دیا تھا، آج اسی کے خلاف لایعنی بحثیں اٹھ رہی ہیں، جن سے اہل سنت میں افتراق و انتشار کے دروازے کھل رہے ہیں، خدا جانے ایسی بحثیں قوم کے سامنے لا کر دین و ملت کی کون سی خدمت انجام دی جا رہی ہے؟ خدا انہیں توفیق تعمیر دے۔

آپ نے بڑی جرات کے ساتھ ان تخریب کاروں کی سازشوں کو بے نقاب کیا ہے، خدا آپ کی فکر و نظر کو توانائی عطا فرمائے۔ اور

ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

☆☆☆☆☆

محمد نصیر احمد رضوی قادری .... ناگور، راجستھان

پیغام رضا کا شمارہ اپریل تا جون ۲۰۰۸ء بریلی شریف میں گرامی قدر حضرت مولانا انوار احمد صاحب امجدی نے عنایت فرمایا، آپ نے اہم وقت میں جو اہم قدم اٹھایا ہے، یقیناً وہ بہت اہمیت رکھتا ہے، آج کج رو مدیر اور ان کے ہمراہی بریلی شریف اور مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگانے پر اپنی دل کی جلن اور گھٹن کا اظہار کر رہے ہیں، بریلی شریف میں عرس رضوی میں علمائے کرام نے ان کی مکاریوں کا خوب پردہ فاش کیا، عوام اہل سنت کو حالات سے آگاہ کیا اور لوگوں سے اپیل کی کہ ان کی ممبر سازی ختم کی جائے۔ جام نور اگر تمہارے پاس آئے تو اس کے بنڈل کو واپس کر دیا جائے، یہی قدم ان کے حوصلوں کو پست کر دے گا۔ ہم اپنے روپیہ پیسہ دے کر اپنے ہی بزرگوں کے خلاف لکھواتے ہیں، یہ کیسی دانشمندی ہے؟

حضرت مولانا مفتی ولی محمد صاحب اور ہم نے یہاں پر اپنے احباب سے ممبر سازی ختم کرادی ہے اور دیگر جگہوں پر بھی حضرت مفتی اختر حسین کا فتویٰ ارسال کیا ہے، آپ بھی ایسی ہی تحریک چلائیں۔ مولا کریم ہم سب کو مسلک اعلیٰ حضرت پر قائم و دائم رکھے۔ آمین

محمد علی حیدر مشاہدی .... شاہ جہاں پور، یوپی

پاسبانِ مسلک اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا صدیقی صاحب!

شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا مفتی حشمت علی خاں علیہ الرحمہ یقیناً مظہر اعلیٰ حضرت تھے، ان کی کتاب حیات کے ہر ورق سے اعلیٰ حضرت کی محبت کا آب زمزم ٹپکتا ہے اور یہی خصوصیت ان کے پورے خاندان کو حاصل ہے۔ ان کے شہزادگان اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت سے سچی محبت رکھتے ہیں، وہ جس طرح جلوت میں اعلیٰ حضرت کا ذکر خیر کرتے ہیں، اسی طرح خلوت میں بھی کرتے ہیں، پیلی بھیت شریف میں ہر سال حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کا عرس منایا جاتا ہے، مارہرہ شریف کے بعد ملک کا یہ واحد عرس ہے جس میں تذکار رضا چھایا رہتا ہے، کبھی کبھی اجنبی لوگ یہ سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں کہ یہ عرس شیر بیشۂ اہل سنت ہے یا عرس اعلیٰ حضرت۔ امسال عرس میں پیغام رضا کا تذکرہ چھایا رہا، آپ کی گل پوشی کے مناظر بھی دیکھنے کو ملے، بارگاہ شیر بیشۂ اہل سنت میں آپ کی یہ پذیرائی آپ کی بے حد مقبولیت کی دلیل ہے۔ جام نور اور اس سے وابستہ افراد کی بڑے پیمانہ پر مذمت کی گئی، میں نے اسی دن سمجھ لیا کہ جام نور اب جماعت میں کبھی اپنا مقام نہ بنا سکے گا۔ پھر عرس اعلیٰ حضرت میں بھی جام نور کے خلاف مسلسل بیانات ہوتے رہے، قریب قریب ہر عالم وخطیب نے قوم سے جام نور کے مطالعہ سے باز رہنے کی اپیل کی، پیغام رضا کو خوب سراہا گیا اور آپ کے لیے دعائیں کی گئیں۔ میں نے بڑے بڑے عالموں کے ہاتھوں میں پیغام رضا دیکھا اور ان کی زبان سے آپ کا ذکر خیر سنا۔ پیغام رضا کے ذریعہ آپ کو جو شہرت و مقبولیت ملی ہے شاید آئندہ کسی کو نہ مل سکے۔ جو نیک نیتی کے ساتھ حق کی حمایت کے لیے کھڑا ہوتا ہے حق پرستوں میں اس کی اسی انداز میں پذیرائی ہوتی ہے۔ اگر خوشتر صاحب میں تھوڑی بھی غیرت ہوتی تو وہ فوراً توبہ و رجوع نامہ شائع کر دیتے، مگر اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود انہوں نے اب تک اپنی صفائی میں کوئی بیان نہیں دیا ہے، اس سے ان کی نیت کا اندازہ ہوتا ہے، ان کے بارے میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے، بالکل سچ لکھا ہے، خوشتر صاحب نے رئیس القلم کے کارناموں پر سیاہی پوت دی ہے، اب وہ تاحیات جماعت اہل سنت میں اپنا مقام نہ بنا پائیں گے۔ جو لوگ ان کی حمایت کر رہے ہیں، بہت جلد انہیں اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت پڑے گی۔ اللہ رب العزت ہمیں حق بولنے اور حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ پیغام رضا کی اشاعت پر ہم آپ کو بے پناہ مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

سید نوازش حسین .... کانپور، یوپی

مکرمی! .... تسلیمات

آپ کی تحریک، تحریک تحفظ مسلک اعلیٰ حضرت کامیاب رہی، جام نور خلق میں بری طرح ذلیل وخوار ہوا، آپ دعاؤں کی سیج پر مسکرا رہے ہیں اور جام نور لعنت و ملامت کی آگ میں جل رہا ہے، تاریخی مشاہدات ہیں۔ جو اللہ والوں کے وقار سے کھیلنے کی کوشش کرتا ہے، خود اس کا

کھیل ختم کردیا جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی کا اپنے عہد کے ممتاز عشاق رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں شمار ہوتا ہے، ان کی پروقار شخصیت پر جو دھول جھونکنے کی کوشش کرے گا، دنیا و آخرت میں اس کے لیے نامرادی لکھی ہوئی ہے۔ یہ نظام قدرت ہے کہ جب اللہ کسی سے انتقام لینا چاہتا ہے تو اسے اپنے کسی محبوب بندے سے الجھا دیتا ہے۔ جام نور کے پاپ کا گھڑا ابھر چکا تھا، اس لیے اللہ نے اسے اپنے محبوب بندے امام احمد رضا سے الجھا دیا۔ آج ملک کے ہر حصے میں دردمند دل جام نور سے اپنی بیزاری کا اظہار کر رہا ہے۔ پیغام رضا کی ستائش ہو رہی ہے اور پیغام رضا ہر اعتبار سے ستائش کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے دنیا کے ہر خطے میں قبولیت عامہ عطا فرمائے۔ آپ نے جس سنجیدہ انداز میں جام نور کا محاسبہ کیا ہے، وہ قابل تعریف ہے، آپ نے ایک تاریخ مرتب کی ہے۔ آپ اس تاریخ کے ساتھ زندہ رہیں گے، جن حضرات نے جام نور کی حمایت کی تھی، وہ ندامت کے شکار ہیں۔ ہم سب آپ کی صحت کے لیے دعا گو ہیں، پیغام رضا کے آنے والے شمارے کا شدت سے انتظار ہے۔ اپنے متعلقین سے پرخلوص سلام پیش کریں۔

فقط ☆☆☆☆☆

محمد اسلم رضا قادری .... باسنی، ناگور شریف، راجستھان

مجاہد سنیت، ناشر مسلک اعلیٰ حضرت حضرت علامہ مولانا محمد رحمت اللہ صاحب صدیقی مدیر پیغام رضا

اس پرآشوب دور میں خلوص وللّٰہیت کے ساتھ دین وسنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمات کی انجام دہی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، لیکن اہل عقیدت حضرات ان راہوں کے مسافر بن کر خارزار وادیوں، آبادیوں سے گزرتے ہوئے منزل مقصود تک پہونچنے کی تگ ودو میں ہمہ دم مصروف عمل نظر آتے ہیں۔ انہی میں بلند ہمت، عزم واستقلال کے پیکر مجاہدین سنیت میں آپ بھی ہیں، افکارِ رضا کے حوالے سے آپ کی خدمات کو ارباب دانش فراموش نہیں کر سکتے۔

کچھ دنوں سے نعرۂ مسلک اعلیٰ حضرت کے متعلق فضائی اور ہوائی فائرنگ کی جارہی ہے اور لوگوں کو امام احمد رضا بریلوی اور مفتی اعظم کے فقہی وتحقیقی خدمات دینیہ سے دور رکھنے کی ترغیب دی جارہی ہے، جس کا بروقت جواب دے کر موصوف نے ایک عظیم کارنامہ انجام دیا ہے اور ان لوگوں کے روبرو مسلک اعلیٰ حضرت کی صحیح تعبیر وتشریح پیش کردی ہے، یقیناً آپ نے پیغام رضا کی شکل میں امام احمد رضا بریلوی کا حقیقی پیغام لوگوں تک پہنچایا ہے، مولیٰ عزوجل ان حضرات کو عقل سلیم اور وسعت فکر عطا فرمائے۔ اسلاف کرام کے دینی وعلمی کارناموں کو پھیلانے کی ہم سب کو مزید توفیق دے۔ اللہ عزوجل ہم سب کو مسلک اعلیٰ حضرت کو پھیلانے کی توفیق بخشے۔ آمین۔ والد ماجد حضرت مولانا مفتی ولی محمد صاحب قبلہ رضوی سلام پیش کرتے ہیں۔

فقط والسلام ☆☆☆☆☆

مولانا انیس عالم سیوانی .... لکھنو، یوپی

گرامی قدر حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب چیف ایڈیٹر پیغام رضا ممبئی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ آپ کی عمر اور خدمات میں برکتیں عطا فرمائے اور غیب سے آپ کی مدد فرمائے۔ آمین

کم از کم ۱۲/۱۳ سالوں سے اخبارات ورسائل کے لیے تھوڑا بہت لکھتا رہا ہوں، لیکن جہاں تک یاد آرہا ہے، شاید پہلی مرتبہ کسی رسالہ کے مدیر کو تہنیتی خط لکھ رہا ہوں، اس لیے کہ مدیروں کے نام لکھے جانے والے خطوط کا کوئی خاص مقصد نہیں ہوتا، سوائے تملق اور چاپلوسی کے۔

بہرحال میں نے یہ خط آپ کو ایک مخلص رضوی ہونے کی حیثیت سے لکھنا چاہا ہے اور آپ کے لیے دل میں اگر کچھ محبت واحترام ہے تو صرف اس لیے کہ آپ پیغام رضا کے ذریعہ شاتمانِ اعلیٰ حضرت کی خبر لے رہے ہیں، میں نہیں بلکہ شہزادۂ شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا ادریس رضا خان صاحب پیلی بھیتی مدظلہ النورانی نے فرمایا کہ مولانا صدیقی نے پوری جماعت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کردیا ہے۔ پیغام رضا کا تازہ شمارہ دیکھ کر طبیعت باغ باغ ہوگئی اور ناامیدی کے ماحول میں پیغام رضا صبح امید کی کرن بن کر چمکا۔

دشمنانِ رضا کے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے، اس لیے کہ بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ بریلی، اعلیٰ حضرت اور اسلاف پر یلغار کرنے والوں کو آپ نے جواب دیا ہے، آپ کے اس اقدام سے وہ ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ رہے ہیں، آپ کی اس کوشش کی سراہنا میں کن لفظوں میں کروں؟ ادیب کہوں، صحافی کہوں، قلمکار کہوں۔ نہیں، اس لیے کہ ان لفظوں سے آپ کا حق نہیں ادا ہوتا، آپ صف شکن مجاہد اور سنیت کے بے باک ترجمان ہیں اور جب تک آپ کا قلم حق پسند اور بے باک رہے گا، ہم غلامان رضا ہر قدم پر آپ کے شریک رہیں گے اور مفاد پرست، حریص اور فریبی لوگوں کی قلعی کھولنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھیں گے۔

پیغام رضا میں ڈاکٹر نجم القادری، ڈاکٹر امجد رضا امجد، بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ اعظمی، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، مولانا ادریس رضوی اور مفتی اختر حسین قادری کے مضامین پسند آئے اور اداریہ میں جس سنجیدگی کا آپ نے مظاہرہ کیا ہے وہ قابل تعریف ہے۔

ایک مفصل تحریر ''فقہی اختلاف کا حق'' ارسال کر رہا ہوں، اگر قابل توجہ ہو تو شامل فرمائیں۔

☆☆☆☆☆

مولانا کوثر امام قادری .... مدرسہ قدوسیہ، مہراج گنج یوپی

مجاہد رضویت حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب قبلہ چیف ایڈیٹر پیغام رضا ممبئی .... سلام مسنون

امید ہے کہ شگفتہ مزاج ہوں گے

باعث تحریر ایں کہ حسب حکم ایک مضمون بعنوان ''روحانی انقلاب کا داعی'' حاضر خدمت ہے، بعجلت تمام لکھا، اس لیے اصول تحریر کی پابندی نہ ہو سکی، سرخیاں بعد میں وضع کیں، جسے جلی قلم کرنا تھا، نہ کر سکا۔ نظر ثانی بھی نہ کر سکا۔ گویا اس طرح ناقص ہی روانہ کر رہا ہوں، وقت کی قلت ہے، معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ تھوڑی توجہ کے ساتھ اسے ملاحظہ کر لیں۔

بحمد اللہ احقر الانام اپنے قرطاس وقلم کے ساتھ وقف راہ خدا ہے، جب چاہیں جہاں چاہیں دین متین کے تحفظ کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ مرویات امام اعظم کی جمع وتالیف کا کام جاری ہے، اس کے بعد تخریج وتعلیق کا دشوار ترین مرحلہ بھی طے کرنا ہے۔ انشاء اللہ یہ کتاب کم از کم دس جلدوں پر مشتمل ہوگی، دعاؤں کی درخواست ہے کہ مولیٰ تعالیٰ دشواریوں کو دور فرمائے اور اس عمل مسعود کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

آنجناب کی ارسال کردہ دونوں کتابیں دستیاب ہو گئیں، ذرہ نوازی کا شکریہ، جملہ احباب کو سلام، خصوصاً مفتی اشرف رضا صاحب قبلہ کو ہدیہ سلام پیش ہے۔

☆☆☆☆☆

محمد ندیم الزماں مصباحی ایم۔اے .... مظفر پور بہار

گرامی قدر حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب .... سلام ورحمت

خدا آپ کو سلامت رکھے، پیغام رضا کا تازہ شمارہ مطالعہ کی دہلیز پر عقیدتوں کے سوغات لٹا رہا ہے، آپ نے ان بیمار ذہنوں کا خوب تعاقب کیا ہے، جو لفظ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' پر ایک نئی جنگ چھیڑ کر سنیت کے پر سکون ماحول کو پراگندہ کرنے کے درپے تھے، آپ نے ان کی آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا جو غیر صالح فکر کی ریت پر تاج محل سجانے کی ناپاک سعی کر رہے تھے۔ اداریئے میں آپ نے مجرموں کے چہرے سے جو پردہ اٹھایا ہے میں آپ کے اس بے باک قلم کو سلام پیش کرتا ہوں جس کی بوند، بوند سے مسلکی درد اور اخلاص کی خوشبو پھوٹ رہی ہے۔ امام احمد رضا قادری محدث بریلوی قافلۂ عشق کے اس میر کارواں کا نام ہے جن کے قدموں کی دھول کو اپنے چہرہ پر ملنا ہم اپنے عشق کی معراج تصور کرتے ہیں اور اب جن کا نام نامی عشق مصطفیٰ کا بن چکا ہے آج ان کے مسلک سے انحراف اپنی مذہبی شناخت کھونا ہے۔ بر وقت آپ کے اس اقدام نے سنیت کو بہت بڑے طوفان سے بچا لیا۔ خدائے لم یزل آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ ☆☆☆☆☆☆

محمد قمر الزماں مصباحی ایم۔اے..رائے پور، ۳۶ گڑھ

محترم المقام مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب قبلہ زید مجدہ..تسلیمات فراواں!

پیغام رضا کا ''مسلک اعلیٰ حضرت نمبر'' کوتاہ فکروں کیلئے ضرب کلیم ثابت ہوا۔ آپ نے اداریئے میں جس خوب صورتی کے ساتھ مجرموں کی خبر لی ہے وہ قابل ستائش ہے۔ حضرت مفتی اختر حسین صاحب قادری کا فتویٰ کی زبان میں تفصیلی جواب اور اس پر اکابر فقہاء کی تصدیقات نے جماعت میں پیدا ہونے والے بہت بڑے فتنہ کا سدِّ باب کیا۔

سنیت پہلے سے ہی داخلی انتشار میں مبتلا تھی جس کے نقصان کی بھرپائی ابھی تک نہیں ہوسکی۔ مزید مسلک اعلیٰ حضرت کے لفظ پر ایک نیا قضیہ کھڑا کر کے جماعت کو ایک نئے طوفان کی دعوت دینا اور فکری دیوالیہ پن کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ مگر بروقت آپ اور آپ کے رفقائے فکر نے اس کے دفاع میں قلم کی ایسی تلوار چلائی کہ اس کا زخم ہمیشہ تازہ رہے گا۔ خدا آپ کے جذبۂ حق کو قبول فرمائے۔

حضرت ڈاکٹر نجم القادری صاحب قبلہ بمبئی کی تحریر مضمون نگاری اصلاح فکر کیلئے مینارۂ نور سے کم نہیں ہے جناب ڈاکٹر امجد رضا پٹنہ نے جام نور کی پانچ سالہ صحافتی خدمات کا جو جائزہ پیش کیا ہے جام نور کی ٹیم کو اس پر نہایت سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے، فقط والسلام

☆☆☆☆☆

عبدالقادر برھانی..رائے پور، سی جی

مخلص گرامی حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب مدیر اعلیٰ پیغام رضا ممبئی..سلام مسنون!

اس سال عرس رضوی کے موقع سے مرکز اہل سنت بریلی شریف حاضری کی سعادت میسر آئی، کتب و رسائل کی بھیڑ میں نظر پیغام رضا پر ٹک گئی، خریدا اور وہیں پنڈال کے اندر پڑھنا شروع کر دیا۔ اہل قلم، اصحاب فکر و دانش اور ارباب شریعت و طریقت کی تحریرات سے مزین اور معلوماتی گل بوٹوں کی نکہتوں سے مشکبار آپ کا اصلاحی رسالہ لحہ لحہ ذہن و فکر کو کیف و سرور بخشتا رہا۔ مسلک اعلیٰ حضرت کے تحفظ و دفاع میں پیغام رضا نے جو کلیدی رول ادا کیا ہے، وہ تاریخ کا سنہرا باب ہے۔ لفظ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کا تنازع کھڑا کر کے سنیت کو ایک نئی جنگ میں جھونکنا یہ کہاں کی عقلمندی ہے۔ خدا آپ کا بھلا کرے کہ آپ نے بروقت نوٹس لی، جام نور نے اکابر مخالف جو فضا قائم کی تھی، آپ نے اس کی باغیانہ روش کو کچل کر رکھ دیا۔ آپ کی اس جرأت کو سلام۔ اس شمارے میں سبھی مضامین لائق مطالعہ ہیں۔ ادیب شہیر مولانا محمد قمر الزماں صاحب قبلہ مصباحی لکچرار محسن ملت یونانی میڈیکل کالج، رائے پور نے بزرگوں کے اقوال کی روشنی میں مسلک اعلیٰ حضرت کو جو ثابت کیا، یقیناً یہ ان کے وسیع مطالعہ کا غماز ہے۔ پروردگار آپ کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور پیغام رضا کو عروج و ارتقا کی منزلوں سے ہمکنار کرے۔

آمین بجاہ سید المرسلین علیہ اکرم الصلوٰۃ و افضل التسلیم

☆☆☆☆☆

محمد شمیم اشرفی نعیمی..مراد آباد، یوپی

محترم مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب..سلام مسنون، دعائیں

طالب خیر بخیر وعافیت ہے

پیغام رضا کی اشاعت کے بعد جام نور کو اپنی اوقات خوب اچھی طرح سمجھ میں آگئی، راقم پابندی سے جام نور کا مطالعہ کرتا تھا، اس میں اسلاف بیزاری کے جراثیم ہوتے تھے، خصوصاً اعلیٰ حضرت پر شدید تنقیدیں کی جاتی تھیں، اس سلسلے میں ڈاکٹر شرر مصباحی صاحب اور مولانا رکن الدین اصدق کی تحریروں کو بطور ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے۔ پیغام رضا (اپریل تا جون ۲۰۰۸ء) میں ان دونوں حضرات کی اچھی خبر لی گئی ہے، رکن

الدین صاحب سے تو میں پہلے بھی واقف تھا کہ اعلیٰ حضرت سے ان کے دل میں شدید عداوت ہے، لیکن ان کے افعال و کردار سے زیادہ واقفیت نہ تھی، پیغام رضا نے ان کی حقیقت کو خوب اچھی طرح بے نقاب کر دیا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ لوگ جبہ و دستار کے لبادے میں کیسی کیسی گھناؤنی حرکتیں کر جاتے ہیں، ایسے لوگوں سے قوم کو ہوشیار کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے۔ آپ کی ہمت و جرأت کو داد دینی پڑتی ہے، آپ نے قرطاس وقلم کا سہارا نہ لیا ہوتا اور ایک بے باک صحافی کا رول ادا نہ کیا ہوتا تو نہ جانے آگے یہ لوگ کیسے کیسے گل کھلاتے۔ آپ کے قلم کے نوک سے ان کے چہرے لہولہان ہو چکے ہیں، اب ان میں قوم کا سامنا کرنے کی طاقت نہیں رہ گئی ہے، ضرورت ہے کہ پیغام رضا کو زیادہ سے زیادہ عام وتام کیا جائے، تاکہ لوگوں کو ایسے مکروہ چہروں کی شناخت میں زیادہ دشواری نہ ہو۔ بریلی شریف میں اسلامک پبلشر سے ہم نے پیغام رضا کی ایک کاپی حاصل کی تھی، یہاں لوگ اسی ایک کاپی سے استفادہ کر رہے ہیں، درجنوں ہاتھوں میں جانے کے باعث اس کی حالت خستہ ہوگئی ہے، اگر تکلیف نہ ہو تو چند کاپی بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک جلد سے جلد بھیج دیں، اس کی جو واجبی قیمت ہوگی، بھیج دی جائے گی۔ اگر تازہ شمارہ آ گیا ہے تو ساتھ میں اس کی بھی کچھ کاپی بھیج دیں، یہاں لوگوں نے جام نور کا پڑھنا بند کر دیا ہے۔ آپ اپنا سفر جاری رکھیں، بزرگوں کا روحانی فیضان آپ کی دستگیری کرتا رہے گا۔ اکثر لوگ آپ کی صحت وسلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ احباب ادارہ سے سلام عرض ہے۔

☆☆☆☆

کیف الحسن قادری..مظفر پور، بہار

آبروئے صحافت ناشر مسلک اعلیٰ حضرت ادیب شہیر حضرت علامہ مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے

اس سے پیشتر حضور والا کو بتا چکا ہوں کہ میں کنز الایمان وخزائن العرفان کی روشنی میں قرآن مجید کا منظوم ترجمہ وتفسیر کر رہا ہوں اور بفضلہ تعالیٰ تادم تحریر سات پارہ تک کا کام چودہ سو صفحات پر مکمل ہو چکا ہے۔ جب کہ مجموعی طور پر اسے فی جلد پانچ پارے کے حساب سے کل چھ جلدوں میں پورا کرنے کا ارادہ ہے۔ اس طرح جلد اول سمیت جلد ثانی کے دو پارے تک سلسلہ جا پہونچا ہے۔

آپ سے گزارش ہے کہ فی الحال جلد اول کی اشاعت کے تعلق سے میری رہنمائی فرمائیں اور کسی اشاعتی ادارے کے ذریعہ اس کو منظر عام پر لانے کا انتظام کر کے میری حوصلہ افزائی فرمائیں۔ میں آپ کے جواب کا شدت سے منتظر ہوں۔

سردست آپ کے موقر جریدہ پیغام رضا کے لیے سورۂ فاتحہ کا منظوم تحفہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

ع گر قبول افتد زہے عز وشرف

☆☆☆☆

تعاقبات

فقہی اختلاف کا حق کس معیار کے لوگوں کو ہے اور کب ہے؟

مولانا انیس عالم سیوانی

ماہنامہ کنزالایمان دہلی شمارہ اپریل ۲۰۰۸ء میں ایک تحریر بعنوان ہدایات وتوضیحات اور دوسری ایک اہم اور قابل توجہ گزارش کے عنوان سے شائع ہوئی ہے اور ماہنامہ اشرفیہ اپریل ۲۰۰۸ء میں صرف پہلی تحریر شائع ہوئی ہے، ان دونوں تحریروں کا پس منظر تحریروں ہی سے ظاہر ہے۔ اطلاعات کے مطابق جامعہ اشرفیہ کے پندرہویں فقہی سیمنار کے موقع پر مندوبین سے ان تحریروں پر جنگی پیمانے پر دستخط حاصل کرنے کی مہم چلائی گئی۔

حالاں کہ ان تحریروں پہ جامعہ اشرفیہ کے کسی ذمہ دار کا دستخط نہیں ہے، جن لوگوں کے دستخط ہیں معلوم نہیں ان حضرات نے ان تحریروں کو پڑھا بھی ہے یا نہیں، یا فقط رعایۃً دستخط کر دیا ہے، اس لئے کہ ان دستخط کرنے والوں میں سے بہت سے مفتیان کرام نے حضرت مولانا مفتی اختر حسین قادری (مفتی دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی) کے اس فتوے کی بھی تصدیق وتائید کی ہے جس میں انہوں نے جام نور دہلی کے اہل سنت مخالف اقتباسات کو پیش کر کے جام نور کو نہ پڑھنے کا مشورہ دیا ہے۔

ہدایات وتوضیحات اور قابل توجہ گزارش کے بعض حصوں کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے اور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آیا یہ فرامین عالیہ انتشار و اختلاف کو دور کرنے کی کوشش ہے یا جام نور پر لگے شرعی الزامات کی پردہ داری؟ ماہنامہ جام نور دہلی جو اپنے آغاز کے پہلے ہی دن سے قابل اعتراض مضامین شائع کر رہا ہے، جس کی وجہ سے جماعت میں اضطراب و انتشار کا پیدا ہونا یقینی امر تھا، جام نور میں جب مسلک اعلیٰ حضرت کے استعمال کے تعلق سے ایک نہایت ہی دلخراش مضمون شائع

سکریٹری امام احمد رضا فاؤنڈیشن، لکھنؤ، یوپی

ہوا، جس نے پوری دنیائے سنیت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، ہر طرف بے چینی اور اضطراب کی آہٹ سنائی دینے لگی، اخیر کار عاشق مسلک اعلیٰ حضرت، ناشر اہل سنت حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی مدیر اعلیٰ پیغام رضا ممبئی نے ایک استفتا کر کے ہندوستان بھر کے دارالافتاؤں کی طرف رجوع کیا تاکہ علمائے حق اور فقہائے امت اپنی دینی اور شرعی ذمہ داریوں کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے جام نور کے سلسلے میں حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں، یہ استفتا دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور کے دارالافتا کو بھی مولانا صدیقی نے ارسال کیا تھا، جواب نہیں آنے پر جب مولانا صدیقی نے دارالافتا سے جواب دینے کی درخواست کی تو حکم شرعی سے آگاہ تو نہیں کیا گیا، اس کی بجائے اس عظیم ادارے سے مولانا صدیقی کو زجر و توبیخ کیا گیا، شاید یہ سزا تھی جام نور کے خلاف استفتا کرنے کی، حالاں کہ مفتی صاحب قبلہ سے یہ درخواست نہیں کی گئی تھی کہ آپ جام نور کے خلاف ہی فتویٰ دیں، بلکہ مطالبہ یہ کیا گیا تھا کہ جام نور کے مشمولات خلاف شرع ہیں یا نہیں؟ اگر خلاف شرع ہیں تو اس رسالے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اگر خلاف شرع نہیں ہیں تو بھی حکم شرعی کیا ہوگا؟ اگر جام نور کا موقف درست ہے تو فقہا کی شان کے خلاف ہے کہ اس کی حمایت نہ کریں اور اگر جام نور اہل سنت کے متوارث اور مروج افکار و خیالات اور اتحاد کے خلاف زمین کاشت کر رہا ہے تو پھر اظہار بیزاری سے کون سی چیز مانع تھی، جامعہ اشرفیہ سے جواب تو نہیں آیا، مگر دیگر اداروں سے جوابات موصول ہوئے، ان میں قدرے مفصل اور مدلل جواب حضرت مولانا مفتی اختر حسین قادری مدظلہ العالی کا تھا جس پر ہندوستان کے دیگر علما اور مشائخ کے ساتھ شہزادۂ صدر الشریعہ ممتاز الفقہا حضور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری دام ظلہ العالی اور آبروئے خانوادۂ برکات بقیۃ السلف شہزادۂ سید العلما سید شاہ حسنین میاں نظمی مدظلہ النورانی مارہرہ شریف، جامع معقول و منقول حضرت مفتی شبیر حسن رضوی، فقیہ النفس حضرت مفتی قدرت اللہ صاحب رضوی، سراج ملت حضرت سید شاہ سراج اظہر صاحب قبلہ ممبئی، دارالعلوم محمدیہ ممبئی کے شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی توکل حسین حشمتی، دارالعلوم علیمیہ کے سینئر اور قابل فخر اساتذہ حضرت مولانا تفسیر القادری و حضرت مولانا قمر عالم اشرفی اور اطلاع کے مطابق اسلام وسنیت کی مرکزی شخصیت فقیہ اسلام جانشین مفتی اعظم ہند تاج الشریعہ حضور ازہری میاں صاحب قبلہ حفظہ اللہ ورعاہ بریلی شریف نے اپنی پرزور تائید و تصدیق فرمائی، مذکورہ فتویٰ ماہنامہ سنی دنیا (بریلی شریف) ماہنامہ اعلیٰ حضرت (بریلی شریف) اور پیغام رضا ممبئی میں شائع ہوا، پیغام رضا میں مزید کئی مضامین کے ذریعہ جام نور کے اہل سنت مخالف نظریات کا سنجیدہ محاسبہ بھی کیا گیا، عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر بریلی شریف میں خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے تمام شہزادگان اور پوری دنیا سے شرکت فرمانے والے علما، مشائخ اور خصوصاً قاضی القضاۃ حضور تاج الشریعہ ازہری میاں صاحب قبلہ کی طرف سے جام نور کے رویے کی مذمت اور تردید کی گئی، اسی طرح پیلی بھیت شریف میں شہزادگان شیر بیشۂ اہل سنت نے تمام صلح کلی مولویوں اور جام نور کے جارحانہ انداز تحریر کی سخت تردید کی اور بائیکاٹ کا اعلان کیا، نیز مولانا رحمت اللہ صدیقی مدیر اعلیٰ پیغام رضا کے مجاہدانہ کردار کی خوب خوب پذیرائی و گل پوشی فرمائی، ظاہر ہے اس کے بعد دو ہی راستے بچ جاتے تھے یا تو جام نور کے اعوان و انصار جام نور سے اپنی برأت کا برملا اعلان فرما کر اتحاد ملت کا فریضہ انجام دیتے یا پھر جام نور کے مدیر پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے مشفقانہ انداز میں ان کو دعوت فکر دیتے کہ وہ اپنے انداز سے باز آئیں اور سابقہ کارکردگیوں پر کم از کم اظہار تأسف کر لیں، میرے خیال میں اس سے زیادہ نہ علما کو کچھ مطلوب تھا نہ مولانا صدیقی کو، لیکن ایسا نہیں ہوا، بلکہ اس کے بعد کنز الایمان اور ماہنامہ اشرفیہ میں ہدایات و توضیحات کی اشاعت کرائی گئی، میرے خیال میں ہدایات دینے کے لئے حضور تاج الشریعہ، حضور نظمی میاں صاحب، بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی صاحب، حضور امین ملت اور حضور محدث کبیر دامت فیوضہم العالیہ کی شخصیات ہی اہل تھیں، نہ یہ کہ جسے من میں آئے ہدایت

دے ڈالے، میں سمجھتا ہوں کہ اس ہدایات میں ایک اور کمی کا احساس ہوا کہ جامعہ اشرفیہ کے ذمہ داروں سے بھی اس پر معلوم نہیں کس مصلحت کے پیش نظر دستخط نہیں کرایا گیا، حد تو یہ کہ اس پر مفکر اسلام علامہ یٰسین اختر مصباحی کا بھی دستخط نہیں، جن اساتذۂ اشرفیہ کا اس پر دستخط ہے بھی تو ان کے ناموں کے آگے جامعہ اشرفیہ کے استاذ کی بجائے ان مدرسوں کا نام لکھا ہوا ہے جنہیں شاید ہی لوگ جانتے ہوں، ممکن ہے یہ عمل نمائندگی بڑھانے کے لئے کیا گیا ہو تا کہ لوگ سمجھیں کہ کئی مدارس کے نمائندوں نے اس کی تائید و اپیل کی ہے اور بعض وہ نام ہیں جن کی تائید کا ایک طرح سے کوئی فائدہ نہیں، اس لئے کہ ان حضرات نے ادھر مفتی اختر حسین کے فتوے کی بھی حمایت کی ہے اور سب سے بڑی کمی اس ہدایت نامہ اور گزارش میں ہے وہ یہ کہ گواہوں کے دستخط تو صحیح یا غلط نظر نواز ہوئے مگر اس کے مرتب کا کوئی نام پتہ نہیں کہ کس نے اسے پیش کیا ہے، جن پر علمائے کرام نے اپنے دستخط فرمائے ہیں اور اگر یہ جامعہ اشرفیہ کے فقہی سمینار میں مشترکہ طور پر علما نے مرتب کر کے دستخط فرمایا تھا بلا زور زبردستی تو اس کا تذکرہ ہونا چاہئے تھا، حالاں کہ موجودہ حالات میں کسی اعلان اور اشتہار کی کوئی ضرورت نہیں تھی، بلکہ فقہی سمینار کے موقع پر آئے مندوبین کے سامنے اپنے درد و کرب کو رکھنا چاہئے تھا اور ذمہ دار علما کی ایک کمیٹی مقرر کر دی جاتی اور اسے وقت دے دیا جاتا کہ جام نور سے جن اقتباسات کو لے کر استفتا کیا گیا اور مفتی نے جواب دیا ہے اس کو کمیٹی مطالعہ کرے اور اکابر علما اور تمام مراکز اہل سنت کی ذمہ دار ہستیوں کی رائے معلوم کر کے اپنا آخری فیصلہ مرکزی شخصیات کی منظوری کے بعد شائع کر دے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اختلافات ختم ہو جاتے، لیکن جس طرح سے ہدایات و توضیحات کو مرتب کیا گیا ہے اس سے کھلم کھلا جام نور کے بیجا اعتراضات اور بے لگام انداز بیان کی حمایت ہوتی ہے اور گویا کہ ان علما نے اس بات کی دلیل فراہم کر دی ہے کہ ہر چھوٹا بڑا جس سے چاہے اختلاف کر سکتا ہے، کسی بھی عالم، علامہ کی عزت و حرمت کا سودا سر عام کر سکتا ہے، مذہب اہل سنت مسلک اعلیٰ حضرت کے معمولات کی کھلے دل سے تنقید کر سکتا ہے، انداز وہی ہو جو وہابیہ دیابنہ اور سیکولر ذہن کے لوگ ہمیشہ تھوڑے فرق کے ساتھ کہتے آئے ہیں کہ اختلافات ہمیشہ ہوتے رہے ہیں، ہم سب کو مل کر رہنا چاہئے، حالاں کہ اس میں یہ نہیں واضح کیا گیا کہ کس طرح کے لوگوں کو فقہی مسائل میں اختلاف کا حق ہے اور کب اور کن بنیادوں پر؟ اور کیا جام نور کے اختلافات بھی اختلاف فقہا کے زمرے میں آتے ہیں اور اگر اختلاف کا دروازہ اور کھڑکی سب اتنی آزادی کے ساتھ کھلی ہوئی ہے تو پھر یہ آزادی کیوں نہیں کہ کوئی دوسرا رسالہ خوشتر صاحب پر اور ان کے اعوان پر تنقید کر سکے، واہ آپ قتل کریں تو رحمت اور ہم آہ کریں تو زحمت، چہرے بدل جاتے ہیں تو انصاف کا پیمانہ کیوں بدل جاتا ہے؟ آج جام نور کے لئے رحم و کرم کی فریاد لگائی جا رہی ہے، حالاں کہ مسلک و مذہب کی طرف سے اسی وقت فریاد طلب کرنے کی ضرورت تھی جب لاکھوں کے مجمع میں مولانا ظہیر الدین صاحب نے ممبئی میں کہا کہ قبر میں مسلک کے بارے میں سوال نہیں پوچھا جائے گا۔ مسلک کے بارے میں سوال، ہو سکتا ہے جام نور کے دردمندوں سے نہ ہو، اس لئے کہ آپ کے ہاتھوں میں قبر سے اٹھتے ہی جام نور کا ایک ایک شمارہ مدیر صاحب پکڑا دیں گے اور آپ کا بیڑا پار ہو جائے گا، لیکن یہ رائے دینے کا حق مولانا کو کس نے دیا تھا اور یہ بات ابھی ہی سمجھ میں کیسے آئی؟ رحم و کرم اس وقت طلب کرنا چاہئے تھا جب مولانا عبید اللہ اعظمی صاحب نے دار العلوم علیمیہ کے سالانہ جلسۂ دستار بندی کے موقع پر ۲۰۰۰ء میں سر عام مفتیوں اور جبہ و دستار کی دھجیاں اڑائی تھی، جب ان جناب نے ممبئی کی ایک تقریر میں فرمایا کہ آج کل وہابیوں دیوبندیوں کے ساتھ ملنا جلنا مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف نہیں، آپ ہی نے جامعہ اشرفیہ عرس حافظ ملت کے موقع پر جب پوری سنی دنیا برکات حضور حافظ ملت لوٹنے کے لئے مجتمع ہوتی ہے، جامعہ اشرفیہ ہی کے شیخ الحدیث، استاذ الاساتذہ اور حضور حافظ ملت کے تلمیذ ارشد محدث کبیر کے خلاف تقریر فرمائی اور حد تو جب ہو گئی کہ نیا گاؤں لکھنؤ

کے ایک جلسہ میں جس میں عبدالعلیم فاروقی پاٹانالوی، سلمان ندوی استاذ ندوۃ العلما، منظور نعمانی کا بیٹا سجاد نعمانی جیسے وہابیہ شریک تھے، مولانا اعظمی شریک ہوئے اور خود آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے سلمان ندوی سے مصافحہ کیا اور جہانِ وہابیہ اپنے علما کا نام بڑے بڑے القاب کے ساتھ لے رہے تھے جب جناب کی باری آئی تو آپ نے فرمایا اگر مولانا احمد رضا بریلوی مرحوم کی زبان میں کہوں تو یوں کہوں............

یہی جملہ ایک مرتبہ اسلامیہ کالج کے جشن رحمۃ للعالمین کے جلسے میں بھی آپ نے کہا (لکھنؤ میں) اس جملہ کو ریکارڈ کر کے حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی کو جب الحاج قاری محمد صابر علی رضوی نے پُل گاما بازار والی مسجد میں سنایا تو آپ کو یقین نہ آیا، آپ نے دوبارہ سنا اور حیرت زدہ رہ گئے، آپ کو یقین نہیں ہو رہا تھا کہ کیا یہ وہی شیر سنیان ہند ہیں جو بریلی میں تقریر کریں تو وہ اعلیٰ حضرت وہ اعلیٰ حضرت کہیں اور لکھنؤ میں اتنے ہراساں کہ مولانا احمد رضا کہیں، جب ڈاکٹر شرر مصباحی نے ظفر ادیبی صاحب کے مسئلے کو فروعی بتایا، جام نور نے علما کو علمائے حیض و نفاس کہا تو نہ کسی نے ان لوگوں کو سمجھانا مناسب سمجھا اور نہ ہدایت و توضیح فرمائی اور نہ ہی آداب اختلاف بتایا، نہ بزرگوں کا طریقہ سکھایا، اب آپ ہی بتائیں کہ موجودہ توضیحات و ہدایات کو کس پس منظر میں دیکھا جائے اور اس سے کیا امید رکھی جائے، بہتر تو یہ ہوتا کہ اکابرین امت نیک نیتی اور صاف دلی کے ساتھ خود آگے بڑھتے، اپنی اپنی انا کو بالائے طاق رکھ کر اور ایسے لوگوں سے احتساب فرماتے جو پوری جماعت کو منتشر کرنے میں شب و روز ایک کئے ہوئے ہیں، قارئین کو یہ بھی پتہ لگانے کی ضرورت ہے کہ ادھر پچیس تیس سالوں میں کچھوچھہ بریلی کا اختلاف، عبید اللہ اعظمی صاحب کا بیشتر علما اور مشائخ سے اختلاف، حضور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری دام ظلہ العالی اور جامعہ اشرفیہ کے معاملات، فقیہ عصر مفتی نظام الدین صاحب رضوی کے لاؤڈ اسپیکر پہ جواز کے حکم کے بعد کا اختلاف، مسئلۂ صاع پہ خواجہ مظفر حسین رضوی صاحب کی تحقیق کے بعد کا اختلاف ان چھوٹے بڑے اختلافات کے اسباب و عوامل کیا ہیں اور موجودہ اختلاف کے اسباب و محرکات کیا ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ کوئی ایسا طبقہ ہے جو وقتاً فوقتاً مشائخ اور مراکز کو لڑا کر اپنا اُلّو سیدھا کرنا چاہتا ہے اور اپنے کو ظاہر بھی نہیں کرتا۔ ۔

صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں
خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں

جو توضیحات و تنبیہات اور خاتمہ بالشر کی دھمکیاں اس وقت صادر کی گئی ہیں ان کو بہت پہلے نازل ہو جانا چاہئے تھا کہ وہ تمام لوگ جو ان اختلافات کا حصہ تھے اور اسی حال میں اس دنیا سے کوچ کر گئے اور انہیں کسی نے یہ نہیں بتایا کہ اختلافات سے پہلے ہی چلے آرہے ہیں اور اس میں رحمت ہی رحمت ہے، اس قسم کے اختلافات کی بنیاد پر کوئی حکم آپ لوگ نہ لگائیں اور اگر کسی پر حکم کفر لگا بھی دیا یا یہی فرما دیا کہ فلاں نئی شریعت کی داغ بیل ڈالنے والا ہے اور پھر جب کسی غرض سے مصالحت کرنی پڑے تو ان احکام کو آپسی تو تو میں میں کے درجہ میں رکھ کر اتحاد و اتفاق کر لینا چاہئے۔

توضیحات کے اندر چند مثالیں پیش کر کے یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضور تاج الشریعہ ازہری میاں، فقیہ اعظم مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ، علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ اور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ وغیرہ نے بھی مسائل فقہیہ میں اعلیٰ حضرت سے اختلاف کیا ہے، اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے ذیل میں ہم ان مسائل کی وضاحت کر رہے ہیں کہ کس طرح سے ہدایات و توضیحات کے مرتب نے غیر اختلافی مسائل کو بھی زبردستی اختلافیات کے ضمن میں پیش کر کے جام نور کی پردہ داری فرمائی ہے، جن مسائل میں حقیقۃً اعلیٰ حضرت سے کوئی اختلاف نہ ہو اس کو اختلافی کہنا اور لکھنا کتنا بڑا ظلم ہے، حضور محدث کبیر مدظلہ العالی نے خلل پڑنے کی تقدیر پر صلوٰۃ و سلام بلند آواز سے پڑھنے کی اجازت کہیں نہیں دی، سہ ماہی امجدیہ کا جو فتویٰ حوالہ میں پیش کیا گیا ہے، اس میں تو کہیں یہ حکم موجود

نہیں، بلکہ حضور محدث کبیر نے اپنے فتویٰ کے ذریعہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے موقف کی تائید ہی کی ہے نہ کہ اختلاف کیا ہے، فتویٰ میں موجود یہ عبارت اس پر روشن دلیل ہے ''آواز کے ساتھ اوراد و وظائف سے کسی کی نماز، تلاوت یا نیند میں خلل آئے، یا مریض کو ایذا پہنچے تو ناجائز ہے''۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ خلل کی تقدیر پر حضرت محدث کبیر بھی عدم جواز کے قائل ہیں اور یہی اعلیٰ حضرت کا موقف ہے، بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھنے سے خلل کا وقوع لازمی نہیں، جیسا کہ درجۂ حفظ کے طلبہ سب زور زور سے پڑھتے ہیں اور جب کوئی استاذ کو سناتا ہے تو استاذ اسباق سن لیتا ہے نہ طلبہ کو خلل ہوتا ہے نہ استاذ کو، محدث کبیر کا یہ فتویٰ اس پس منظر میں ہے کہ آج کل آئے دن وہابیہ دیابنہ سنی مساجد میں آکر نماز کا بہانہ بنا کر صلوٰۃ وسلام بند کرانا چاہتے ہیں، اگر ان کے کہنے پر سلام بند کر دیا جائے تو رہی سہی سنیت بھی ختم ہو جائے گی اور اس میں وہابیوں کی حوصلہ افزائی ہوگی۔

اسی طرح شناختی کارڈ کے مسئلے کو مثال میں پیش کیا گیا ہے، اصل واقعہ یہ ہے کہ جامعہ اشرفیہ کے دوسرے فقہی سیمینار کے موقع پر علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی تحریک پر جو فیصلہ ہوا تھا وہ ضرورت شدیدہ کی قید سے مقید تھا، یعنی اگر گورمنٹ شناختی کارڈ کا مطالبہ کرے اور اس بات کا ظن غالب ہو کہ شناختی کارڈ نہ بنوانے کی صورت میں اس کی شہریت ختم کر دی جائے گی اور اسے کوئی دوسرا ملک قبول بھی نہیں کرے گا تو اس اضطرار و اکراہ کی صورت میں فوٹو کھچوانے کی اجازت ہے۔ مگر ان تمام قیود کو حذف کر کے ''عند الطلب'' جیسے ہلکے لفظ سے تعبیر کرنا خواہ مخواہ اعلیٰ حضرت سے اختلاف کی ایک مثال گڑھنا ہے، اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں کہ اضطرار و اکراہ کی صورتیں بالکل الگ ہوتی ہیں، اس صورت میں حرام کے ارتکاب کی شرعاً اجازت و رخصت ہوتی ہے، پھر اس قسم کے مسائل کو اختلافیات کے زمرے میں شمار کرنا کہاں کی دیانت داری ہے۔ کیا ضرورت حاجت اور اسباب ستہ کی بنیادوں پر سیمناروں میں جواز کے فیصلے نہیں ہو رہے ہیں؟ تو کیا ان کو بھی اعلیٰ حضرت سے اختلافی مسائل کی فہرست میں شمار کیا جائے گا، جب مواضع ضرورت کو شرع نے مستثنیٰ فرما دیا ہے اور خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اسباب ستہ کی بنا پر تغیر حکم کو اختلاف کی بجائے اسے امام کا قول ضروری قرار دیا ہے تو پھر شناختی کارڈ کے لئے فوٹو کا جواز اعلیٰ حضرت کے موقف کے خلاف کیسے ہوگیا؟

کتابت نسواں کی مثال بھی غیر موزوں ہے، اعلیٰ حضرت نے کتابت نسواں کو منع لکھا ہے، حرام یا مکروہ تحریمی نہیں کہا ہے، منع سے زیادہ سے زیادہ کراہت تنزیہی مراد ہو سکتی ہے، کلیۃ البنات کو ہی ارتکاب کراہت کے لئے مثال میں پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی، بہت پہلے سے بہت سارے بڑے مدرسے اور علما لڑکیوں کے اسکول کھول رکھے ہیں، ان کو مثال میں کیوں نہیں پیش کیا جاتا۔

ایک اہم اور قابل توجہ گزارش کے عنوان سے جو دوسرا اعلامیہ جاری کیا گیا ہے، بظاہر اس کو جاری کر کے جماعتی انتشار کو دور کرنے کی ایک مخلصانہ کوشش کی گئی ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس میں جام نور کے مسئلے کو ہلکا کر کے پیش کرنے کی بے پناہ کوشش کارفرما نظر آتی ہے۔ گزشتہ چند ماہ سے جاری اس افسوسناک اور باعث تشویش واضطراب سلسلے کی روک تھام ضروری ہے، گویا کہ حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی نے جام نور کے تعلق سے جب استفتا کیا اور متعدد علمائے کرام نے فتویٰ دیا جب ہی سے جماعت میں انتشار پیدا ہوگیا، حالاں کہ سچائی یہ ہے کہ جام نور اپنی پیدائش کے اول روز ہی سے ایسے مضامین شائع کر رہا ہے جن سے علما اور مشائخ کی توہین وتحقیر ہوتی ہے، مدارس اور طلبائے مدارس کا مذاق اڑانا اس کا معمول ہے، مدارس کے نصاب و نظام کا استہزا اس کی فطرت ہے، معمولات اہل سنت اور مسلک اعلیٰ حضرت پر انگشت نمائی اس کی عادت ہے، صلح کلیت کو بڑھاوا دینا، صلح کلیوں کے مضامین و مقالات کو جام نور کی انجمن میں شامل کرنا، انٹرویوز کے لئے انہیں بلانا، اس کے لئے عزت کی بات ہے، انہیں اسباب وعوامل کی بنیاد پر جام نور کے آغاز ہی سے جماعت

اہل سنت میں اضطراب و بے چینی پائی جارہی تھی، علمائے کرام نے جام نور کی اس روش پر اپنی ناراضگی کا اظہار بھی کیا، بہت سے علما نے سمجھانے کی کوشش بھی کی، لیکن انداز بدلنے کی بجائے مزید کڑواہی ہوتا گیا، جب پانی سر سے اونچا ہوگیا، بات مسلک اعلیٰ حضرت تک پہنچ گئی تو ایک مرد مجاہد نفع ونقصان سے بے نیاز ہوکر کھڑا ہوگیا اور جام نور کے شرعی محاسبہ کے لئے میدان عمل میں کود پڑا، جب مولانا رحمت اللہ صدیقی نے استفتا کیا اور اس کا جواب علامہ مفتی اختر حسین قادری (مفتی دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی) نے پورے شرح وبسط کے ساتھ دیا، حضرت محدث کبیر اور دیگر مفتیان کرام نے اپنی شرعی اور مسلکی ذمہ داریوں کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے مفتی اختر حسین قادری صاحب کے فتویٰ کی تصدیق فرمائی، پس پردہ کے پیچھے بیٹھ کر پروگرام بنانے والے بزرگوں کے کان کھڑے ہوگئے اور بجائے اس کے کہ جام نور کی بے لگام تحریروں کو لگام لگانے کی مخلصانہ کوشش کرتے، انہیں علما پر تنقید کرنے لگے جنہوں نے ازالۂ مفاسد کے لئے کچھ کرنا چاہا۔ اسی لئے کئی سالوں پر محیط جماعتی اضطراب کو گزشتہ چند ماہ میں سمیٹ کر معاملہ کو ہلکا کردیا گیا اور اسی کے ساتھ جام نور کی بدزبانیوں اور چیرہ دستیوں پر صدائے احتجاج بلند کرنے والے رسالوں کو بھی جام نور کے ساتھ کٹہرے میں کھڑا کردیا گیا، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف، ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف، پیغام رضا ممبئی نے صرف اور صرف جام نور کی گستاخیوں کا سنجیدہ محاسبہ کیا ہے نہ کہ ایسی کوئی تحریر شائع کی ہے جس سے مسلک و مذہب یا علما و مشائخ پر کوئی آنچ آئے، مگر انصاف کے علمبرداروں نے جام نور کے ساتھ مذکورہ رسالوں کو بھی احتساب کے دائرے میں لا کھڑا کیا۔ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ ذاتی مفادات سے اوپر اٹھ کر جماعتی ومسلکی مفادات کی خاطر جام نور کی تہدید ہوتی تاکہ پھر کوئی رسالہ اس روش پر نہ چل سکتا اور پھر کوئی بے لگام مدیر اس بات کی جرأت نہ کرتا کہ علما کی شان میں گستاخی کرے، علامہ بدر القادری جیسی شفاف شخصیت کا مذاق اڑائے، حضور محدث کبیر کی اہانت کرے اور ان فقہا کا استہزا کرے جو دین وسنت پر سختی سے قائم رہنے کے داعی ہیں۔ آج جام نور کی شرارتوں پر رحم وکرم کی برسات ہورہی ہے، میانہ روی اور اعتدال کے اسباق پڑھائے جارہے ہیں، کیا ہم یہ جان سکتے ہیں کہ وہ بزرگ علما بھی رحم وکرم اور حسن سلوک کے کچھ مستحق ہیں جن کے حق میں زبان شعلہ بیان اور قلم آتش فشاں بن جایا کرتا ہے، ان علمائے محتاطین کے ساتھ حسن سلوک کیا ہوگا، حد تو یہ ہے کہ آئے دن ان کی پرخلوص نیتوں پر حملے ہوتے رہتے ہیں، بدمذہبوں سے میل جول رکھنے والے اور ان کے اسٹیج پر برضا و رغبت جانے والے غیر شرعی، گمراہ کن جملے ادا کرنے والے افراد کی اصلاح کے لئے نیک نیتی کے ساتھ جب یہی علمائے محتاطین کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو کہہ دیا جاتا ہے کہ ’’کچھ لوگ ذاتی عداوت کا بخار اتارنے کے لئے اپنی جماعت کے لوگوں کو جماعت سے باہر کرنے کی فکر میں سرگرداں رہتے ہیں‘‘۔ (اداریہ ماہنامہ اشرفیہ، اپریل ۲۰۰۸ء)

سوال یہ ہے کہ بدمذہبوں سے میل جول اور ان سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ رکھنے اور گمراہ کن تقریروں کا حکم کیا اب منسوخ ہو چکا ہے؟ اگر نہیں تو کیا وجہ ہے کہ جو افراد اس جرم کے مرتکب ہیں انہیں عزت دی جاتی ہے اور جو علما شریعت پر خود عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو شریعت پر عمل کی دعوت دیتے ہیں اور ہدایت کرتے ہیں انہیں متشددین اور مفسدین کا تمغہ دے دیا جاتا ہے اور تحریر وتقریر میں انہیں جماعت کا ٹھیکیدار، جھگڑالو اور فسادی کہا جاتا ہے۔ کیا یہ انداز فکر شریعت کے خلاف نہیں؟.........

چل قلم اب ذکرِ حق مقصود ہے

محمد رحمت اللہ صدیقی

ہم کسی سے ذاتی اختلاف کو پسند نہیں کرتے ۔شرعی اختلاف ہوتو شریعت میں اس کی گنجائش ہے ۔ہم بیجا تعاقب پہ بھی یقین نہیں رکھتے۔خود ذاتی مسائل اس قدر ہیں کہ ہمیں اسی سے فرصت نہیں ملتی ہمیں کسی کے اشارے پر بھی چلنا قبول نہیں، ہاں اشارہ نیک نیتی پر مبنی ہوتو ٹھیک ہے، کسی بھی دینی، ملی اور سماجی کام سے پہلے ہمیں ذی علم، نیک خصلت اور باشعور افراد سے مشورہ اچھا لگتا ہے، اگر مخالف بھی ہم سے مشورہ طلب کرتا ہے تو اسے وہی مشورہ دیتے ہیں جس میں خیر کا پہلو غالب اور جس سے اچھے نتائج کے سامنے آنے کی امید قوی ہو۔ ہماری کوئی بھی کوشش مالی منفعت، شہرت اور نام ونمود سے بالاتر ہوتی ہے ۔اسلامی اور جماعتی قدروں کی ترویج جن کا مقصد حیات ہوتا ہے ۔عزت و شہرت شاہانہ انداز سے اس کے گھر میں آجاتی ہے ۔دنیا کا مزاج ہے کہ اکثر لوگ طاقت سے خائف رہا کرتے ہیں مگر حق کے اظہار میں ہم کسی طاقت کو خاطر میں نہیں لاتے ،حق کی راہ میں جو لمحے گزر جائیں ہم اسے برسوں کی زندگی پر ترجیح دیتے ہیں ۔ہم اپنے دل میں بڑوں کے احترام اور چھوٹوں پر شفقت کا بے کراں جذبہ رکھتے ہیں چونکہ حدیث پاک کا یہی منشاء ہے ۔ہم مذہبی اصولوں کے تحفظ پہ ٹھوس یقین رکھتے ہیں ۔رب کائنات نے ہمیں خیر وشر میں تمیز کی قوت دی ہے ۔جنوں کیا ہے خرد کیا ہے، الحمد للہ ہمیں اس کی اچھی پرکھ ہے، تاہم جہاں شبہات کا سایہ گہرا ہوتا ہے بڑوں کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔روایت شکنی اپنی عادت نہیں بلکہ روایتوں کے ہجوم میں زندہ رہنا اچھا لگتا ہے جو روایتیں مذہبی نظریات سے متصادم ہوں انھیں کسی بھی حال میں قبول نہیں کیا جاسکتا، ہم انہیں چراغوں کو عزیز رکھتے ہیں جو ہمارے اکابر نے جلا رکھے ہیں، اکابر کی ڈگر سے چشم پوشی ہلاکت کے مترادف ہے، پرانے چراغوں سے ہی نئے چراغ جلتے ہیں ۔اکابر کی راہ سے ہٹ کر جن لوگوں نے نئے چراغوں کو روشن کرنے کی کوشش کی ہے ان سے تعصب، تنگ نظری اور اقربا پروری کا دھواں اٹھ رہا ہے ۔تاریکیاں بڑھ رہی ہیں اور اجالا سمٹ رہا ہے ۔ماضی کے روشن چراغوں میں دھواں نہیں ہے ۔لیکن بعض افراد ان چراغوں کو بجھا دینا چاہتے ہیں ۔وہ اپنا سارا فکری سرمایہ اسی پہلو پر صرف کرنے میں جٹے ہیں جبکہ ایسے بے شمار جماعتی مسائل ہیں جو اپنی تشنہ لبی کی شکایت کررہے ہیں ۔ملی اور جماعتی درد سے سینے خالی ہوتے جارہے ہیں ۔جب ملی اور جماعتی درد سے سینے معمور تھے تو ہر سمت خلوص ومحبت کی پاکیزہ اور شفاف نہریں رواں تھیں ۔مگر اب ہر سمت سے

اختلاف وانتشار کے شعلے اٹھ رہے ہیں چمن کا ہر شجر کانٹوں سے بھر چکا ہے۔ درختوں کو کانٹوں سے پاک کرنے کے لئے طویل جدو جہد کی ضرورت ہے اگر اس میں سستی کا مظاہرہ کیا گیا تو آنے والی نسلوں کو قبروں پر چڑھانے کے لیے پھول میسر نہ ہوں گے۔

تشخص، شخصیت اور شخصیت پرستی:

اسلام میں شخصیت پرستی کی گنجائش نہیں، اسلام خدا پرستی کا حامی ہے۔ جو لوگ شخصیت پرستی کا ہوا کھڑا کر کے ذھنوں کو مکدر کرنا چاہتے ہیں ان کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے کسی شخصیت کی مقبولیت کو شخصیت پرستی کا نام دینا حماقت و جہالت ہے۔ تاریخ ایسی پاک باز شخصیتوں کا پتا بتاتی ہے جو حق و باطل کے درمیان امتیاز کا درجہ رکھتی ہیں۔ تشخص کو شخصیت پرستی سے تعبیر کرنا تعصب و تنگ نظری ہے۔ جب سینے حسد کی آگ سے بھر جاتے ہیں تو اسی قسم کے سوالات ذہن کے دریچہ سے جھانکتے ہیں جب آدمی فکری مریض ہو جاتا ہے تو خیر کی دہلیز تک اسکی رسائی کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ فتنوں کو ابھارنا بلکہ فتنوں کو جنم دینا اس کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے۔ وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتا ہے کہ ایسا کام کرو جس سے عوام وخواص میں چرچا ہوتا رہے۔ اگر اس فکر سے مذہب و مسلک کی شبیہ بگڑتی ہے تو بگڑا کرے لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے، جہاں شرار بولہبی کو ہوا دینے والے ہوتے ہیں، وہیں چراغ مصطفوی پر جان چھڑکنے والے بھی ہوتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ ہر اعتبار سے اعلیٰ حضرت ہیں۔ علم کے اعتبار سے، عمل کے اعتبار سے، عشق کے اعتبار سے، تدبر کے اعتبار سے، تفکر کے اعتبار سے، جس زاویے سے دیکھئے، جس سمت سے دیکھیے ہر سمت سے وہ اعلیٰ حضرت نظر آتے ہیں، اپنے زمانے کا اعلیٰ حضرت وہی ہوتا ہے جس کے پاس ہر مسلے کا حل موجود ہو۔ جس کے پاس ہر درد کی دوا ہو۔ امام احمد رضا علما وعوام ہی کا انتخاب نہیں ہیں بلکہ صوفیہ وعرفا کا بھی انتخاب ہیں۔ تعصّبات سے متاثر ہو کر آج کی متعصب دنیا کچھ بھی کہے، لیکن سچائی یہی ہے کہ امام احمد رضا اعلیٰ حضرت علی الاطلاق ہیں۔ جب بھی زبان پر لفظ اعلیٰ حضرت آئے گا، ذہن انہیں کی طرف جائے گا جو مقبولیت فی الارض ان کو حاصل ہوئی ان کے عہد میں کسی کو حاصل نہ ہوئی۔ جو ہر دل عزیزی ان کے حصے میں آئی کسی کے حصے میں نہ آئی۔ جو شہرت دوام انہیں حاصل ہوا کسی کو حاصل نہ ہوا۔ حضور مجاہد ملت کا فرمان ہے کی اعلیٰ حضرت کو کسی نے نہیں سمجھا: وہ علوم وفنون کی اتنی بلندی پر فائز تھے کہ وہاں تک کسی کی رسائی نہ ہو سکی۔ عشق کی جو آگ ان کے سینے میں روشن تھی، اس نے عشق کے کتنے شبستاں روشن کر دئے۔ ان کی کتاب حیات کا ہر ورق حیرت و استعجاب میں ڈال دیتا ہے۔ وہ اللہ کی ایک ایسی نعمت تھے جس کے شکریے کے لئے ہمارے پاس زبان نہیں ہے، بڑے بڑے اہل دل، اہل دماغ اور اہل زہدان کی مدح سرائی میں ہمہ تن مصروف رہے، عرب و عجم کے اکابر علما و مشائخ نے انہیں جو خراج عقیدت پیش کیا ہے ماضی قریب میں اس کی مثال نہیں ملتی، یہی وجہ ہے کی سب نے بالاتفاق انہیں جماعت اہل سنت کا امتیازی نشان قرار دے دیا، اس امتیاز سے اختلاف انہیں لوگوں کو ہے جو جماعتی حدود و قیود میں رہنا پسند نہیں کرتے، یا جنہیں ہر محفل میں امام احمد رضا کی مقبولیت اچھی نہیں لگتی، انہیں یہ خیال ستاتا ہے بلکہ ڈستا ہے کہ آخر ہمارے آبا و اجداد کا ذکر اس تسلسل کے ساتھ کیوں نہیں ہوتا؟ حالانکہ اس طرح کا تصور جماعت کے مفاد میں نہیں ہے جنہیں جماعتی مفاد عزیز ہے وہ ان کی عظمت کے اعتراف میں کسی مصلحت کو قریب بھٹکنے نہیں دیتے، جن کا ضمیر زندہ ہے وہ ان کے احسانات کو بسر و چشم تسلیم کرتے ہیں اور اپنے بچوں کو، خویش و اقارب کو اور اپنے متعلقین کو بھی ان کی عظمتوں پہ مر مٹنے کی تعلیم دیتے ہیں، اسلئے کہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے پاس جو ایمان ہے ان کی تصنیفات میں جو عشق و ایماں کی تعریف کی گئی ہے وہ ہر طرح کے داغ دھبے سے پاک ہے، ان کی نگارشات میں صحابہ کے عشق و ایمان کا عکس جمیل نظر آتا ہے، ان کی ذات تا حیات ہمارے ایمان و عقیدے کو مستحکم تحفظ فراہم کرتی رہے گی۔

امام احمد رضا اور ان کے القابات:

آج بعض افراد امام احمد رضا کی عظمتوں کی حدیں ناپنے میں اپنا خون خشک کر رہے ہیں۔ اہل زبان وقلم، اہل علم وہنر اور اہل فکر و تدبر تو ان کے بحر علم کا کوئی کنارہ نہ پاسکے اپنے عہد کے چوٹی کے علما و مشائخ نے انہیں آیت الٰہی سمجھا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ سمجھا، ان کی قصیدہ خوانی کو اپنی سعادت جانا، ان کو اعلیٰ سے اعلیٰ القاب وآداب سے یاد کیا لیکن آج چند بونے، کم علم اور کم فہم، یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ امام احمد رضا بریلوی کو بھاری بھرکم القاب وآداب سے یاد نہ کیا جائے بھاری بھرکم القاب ان کی شخصیت کو دقت طلب بنا رہے ہیں ان کی شخصیت کی تفہیم میں دشواریاں پیدا کر رہے ہیں یعنی ان کو صرف مولانا احمد رضا کہا جائے، کیا یہ انصاف و دیانت کا خون نہیں ہے؟ آج کا ایک کم علم مولوی علامہ سے نیچے اترنے کیلئے تیار نہیں ہے اگر اسے صرف مولانا کہہ دیا جائے تو چہرے کا رنگ متغیر ہو جائے لیکن جو درجنوں علوم و فنون کا موجد ہو، امام ہو، اسے کوئی القاب نہ دیا جائے۔

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے

چنانچہ ایک گستاخ قلم لکھتا ہے:

”فاضل بریلوی پر آج بھی جو تحریریں سامنے آرہی ہیں، ان میں بیشتر ایسی ہوتی ہیں جن میں حقائق کو اجاگر کرنے سے زیادہ اعلیٰ حضرت کو بھاری بھرکم اور مقفی القابات دینے کی کوشش ہوتی ہے، اس سے اچھی تحریر بھی سطحی ہو کر رہ جاتی ہے اور شدید نیاز مندیوں کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے“ (جام نور، اکتوبر ۲۰۰۷ء ص ۲۰)

اب اسی دل سوز پیراگراف کے بعد یہ ایمان افروز حقیقت بھی ملاحظہ کریں کہ عرب وعجم کے علما و مشائخ امام احمد رضا کو کن القاب و آداب سے یاد کر رہے ہیں، دیکھیں:

حضرت شیخ سید اسماعیل، محافظ کتب حرم، مکہ مکرمہ لکھتے ہیں:

”افاضل علما کے بھروسہ، اماثل فقہا کے پیشوا، بلا تخصیص جملہ محدثین کے استاذ، ساتوں طبقوں میں محققین کے سردار، میرے آقا، سید، بھروسہ باعتماد، استاذ، جائے پناہ، آج دنیا میں کل حشر میں میرے ذخیرہ، سیدی المولوی الشیخ احمد رضا خان رب منان آپ کو باسلامت رکھے“۔ (مقدمہ خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا ج اول، ص ۹۶۔ مقدمہ نگار: ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ)

حضرت مولانا سید مامون البری، المدنی، مدینہ منورہ:

یہ خط ان کی طرف لکھا جاتا ہے جو استاذ ہیں، یکتا علامہ ہیں، جائے پناہ بہت سمجھدار اور تیز فہم ہیں، جن کا قلم جادو کی طرح فریفتہ کرتا ہے، جن کی باتوں کا لطف نسیم سحر پر فوقیت رکھتا ہے وہ ایسے کمالات عالیہ کے مالک ہیں کہ ہم ان کی کنہ کا تصور نہ بذریعہ رسم کر سکتے ہیں نہ بذریعہ حد، وہ اس لائق ہیں کہ کہا جائے کہ ان جیسا فی زمانہ کوئی نہیں، کیوں کہ ان کا فضل وکمال اس آگ سے زیادہ مشہور ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر جلائی جاتی ہے تاکہ دور سے نظر آکر مسافروں کی رہنمائی کرے۔ ان سے میری مراد حضرت جناب مکرم محترم، یگانۂ اقران سیدی احمد رضا خاں ہیں۔ (مقدمہ خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا ۲ رص ۱۰۵۔ مقدمہ نگار ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ)

حضرت مولانا عبداللہ بن محمد صدقہ زینی دحلان جیلانی خادم مسجد حرام الدولۃ المکیہ کے حوالے سے اعلیٰ حضرت کی شان میں خطبہ خواں ہیں:

اور مؤلف اس باب میں وہ تحقیق لایا جو اس سے پہلے کسی کو نہ ملی اور کچھ انوکھی بات نہیں اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے، تو پاکی ہے اسے جس نے اس کے مؤلف کو کمالات فضائل سے خاص کیا اور اسے اس زمانہ

کے لئے چھپار کھا جس میں کثرت فتنہ کے سبب تانا بانا مل گیا اور اس میں غبی و جاہل ہرزہ کی فاضل پر حملہ آور ہوا، تو میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ اس کے مؤلف کو دین کی نصرت اور بارگاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کے لئے ہمیشہ رکھے۔ یعنی علوم کا روشن ماہ تمام اور ان کے صبح و شام والوں کا مرکز اور ان کا وہ بڑا جس کی مزاحمت نہ کی جائے اور ان کا وہ روشن کرنے والا جس سے ان کی اندھیری رات چمک جائے، چمکتی جھلکتی تصنیفوں سے جو مشکلات کے اندھیرے چہرے روشن کر دیں ایسی تصنیفوں والا جو اس کی وسعت نظر اور کثرت مادۂ علمی جو عظمت و قدرت پر دلیل ہیں وہ امام جس نے کوئی بند دروازہ نہ چھوڑا جس کے قلعے نہ کھول دئے ہوں اور کوئی مشکل کام نہیں جس کے معنی واضح نہ کر دئے ہوں جناب استاذ فاضل اور بلند ہمت کامل میرے شیخ و معتمد علامہ زماں، معرفتوں کی اصل، دلیل قطعی کے ظاہر کرنے والے میرے سردار و استاذ حضرت احمد رضا خاں اللہ تعالیٰ عالم کو ان کے وجود سے بہرہ مند کرے۔ (الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ ص ۳۷)

حضرت سید شاہ اسماعیل حسن علیہ الرحمہ مارہرہ شریف صدر الاماثل، مجمع الفضائل والفواضل، مدقق دقائق شریعت و محقق حقائق طریقت متعنا اللہ تعالیٰ بطول حیاتہ، ایا نا وجمیع المسلمین ونفعنا اللہ تعالیٰ ایانا وجمیع المسلمین۔

(مقدمہ خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا ج ۱/ص ۱۳۱ مقدمہ نگار ڈاکٹر امجد رضا امجد)

حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ پیلی بھیت شریف۔

امام الدہر و ہمام العصر، عالم ربانی، فاضل حقانی، بحر العلوم، امام المتکلمین و ہمام الفقہا والمحدثین، خیر اللحقہ بالمہرۃ السابقین، مولانا بالفضل اولانا، فقیہ الدہر، محدث عصر، مقتدانا، سید العلماء، وسند الفضلا، مجدد دہرنا، مجدد عصرنا، ہادی خواص و عوام، اعلم العلما، افہم الفضلا، فقیہ بے تمثیل و محدث بے عدیل، مجدد مائۃ حاضرہ، صاحب حجۃ قاہرہ، امام اہل سنت۔

حضرت مولانا مفتی احمد بخش تونسوی علیہ الرحمہ پاکستان: سیدی، وسندی، اعتصادی وعلیہ اعتمادی، البحر الحبر، العلامۃ الفہام، الالمعی الاوذعی، مجدد الماۃ الحاضرہ۔ ملک العلماء شمس الفضلا، مقتدائے اہل ایمان، پیشوائے اہل ایقان، تُقتی ورجائی۔

حضرت مولانا مفتی عبد السلام جبل پوری علیہ الرحمہ: عالی حضرت، معالی منقبت، اعلم العلماء المتجرین، افضل العلماء، شیخ الاسلام والمسلمین، مجتہد زمانہ، فرید اوانہ، صاحب حجت قاہرہ، موید ملت زاہرہ، مجدد زمانہ حاضرہ، بحر العلوم، کاشف السر المکتوم سیدنا وسندنا ومولانا ومرشدنا والزخرۃ لیومنا وغدنا، وسیلتنا، برکتنا فی الدنیا والدین، آیۃ من آیۃ اللہ رب العلمین، نعمۃ اللہ علی المسلمین، تاج المحققین، سراج المفتنین، ذو المقامات الفاخرہ والکمالات الزاہرۃ الباہرہ، صدر الشریعہ، اعلیٰ حضرت، آقائے نعمت، والعلامۃ الاجل، الانجل الاکمل، حلال عقدۃ لاینحل، متقدائے اہل سنت، قبلہ و کعبہ، سیدی وسندی و ثقتی ومرشدی وکنزی وذخری لیومی وغدی مظہر سر الہدایۃ والیقین، موید الشریعۃ المحمدیہ، مجدد معالم السنۃ السنیہ، روض الانوار والاسرار، قبلتنا فی الکونین وسیلتنا فی الدارین، سرکار انجم، آقائے نعم، قبلۂ حاجات ما، کعبۂ ایمان ما، برہان الفضلا والمدققین، خیر الاحقین بالمہرہ، المجتہدین السابقین، مکرم کرام العرب والعجم، العلامۃ المعتمد المستند، قطب المکان، غوث الزمان، اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، قبلۂ جانم، کعبۂ ایمانم، مفیض الکلمات

الربانیہ علی العالم حجۃ اللہ البالغہ علی العلمین۔

حضرت مولانا شاہ غلام رسول قادری صدر جمیعۃ الاحناف کراچی: جناب تقدس مآب، مجمع مکارم اخلاق، منبع محاسن اشفاق، سراپا اخلاق نبوی، مظہر اسرار مصطفوی، سلطان العلماء اہل سنت، اعلیٰ حضرت، امام الشریعۃ والطریقت، مجدد مائۃ حاضرہ۔

حضرت مولانا شاہ غلام گیلانی شمس آباد صوبہ سرحد: القاب سے مستثنیٰ، بلکہ القاب جن کی چوکھٹ پہ پھیکے پڑے ہیں...... غوث الانام، مجمع العلم والحلم والاحتشام۔

مولانا سید شاہ کریم رضا بیتھوی: تابع شریعت غرا، منقاد ملت بیضا، جامع فضائل صوریہ ومعنویہ۔ قدوۃ العلماء والاعلام، عمدۃ الفضلاء الکرام۔

حضرت قاضی عبد الوحید فردوسی پٹنہ: ناصر ملت مصطفویہ، حامی مذہب حنفیہ۔ عالم اہل سنت، دافع وماحی رسوم شرک وبدعت، ناصر الاسلام والمسلمین، حامی شرع متین، اعلیٰ حضرت جناب مولانا ومخدومنا، قبلہ وکعبہ فخر علماء دوراں، محسود زمانیاں، ملک العلماء، بحر العلوم، محی السنہ، ممیت البدعہ، محسود اقران، فاضل لبیب، کامل اریب فخر العلماء، صدر الکبراء، مولانا ومقتدانا، سیدی معتمدی۔ مخدومی ومولائی۔

(مقدمہ خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا ج ار ص ۹۱ ر ۹۲ ر ۹۳ ر ۹۴ مقدمہ نگار ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے لیے جو القاب وآداب استعمال کیے گئے ہیں، اس میں عقیدت کے ساتھ ساتھ حقیقت کی بھی بے غبار ترجمانی ہے، اس کو خالص عقیدت کا رنگ دینا جہالت ونادانی ہے۔ چوں کہ دہلی سے ملت کی ترجمانی کے نام پر شائع ہونے والا رسالہ 'جام نور' کی نشأۃ ثانیہ کا خمیر رضا دشمنی سے تیار ہوا ہے، اس لیے ہر وہ تحریر جو رضویات کے باب سے تعلق رکھتی ہے، جام نور کی ٹیم کو اس میں صرف عقیدت کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔

جام نور کی کذب بیانی کا ایک نمونہ:

ستمبر ۲۰۰۸ء میں جام نور کے خلاف ہماری جائز، بلکہ ضروری محاذ آرائی کو ایک سال پورے ہو جائیں گے، اس پورے عرصے میں جھوٹ بولنے کی ہم نے دانستہ کوشش نہیں کی ہے، اس لیے کہ ہمارا مقصد وحید جماعتی روایات کا تحفظ ہے۔ اسلاف کے روشن اصولوں کی صیانت ہے۔ فتنہ پروری جس کی فطرت ہوتی ہے، اسے قدم قدم پر جھوٹ کا سہارا لینا ہوتا ہے، اسے ایک جھوٹ کو سچ کا لباس دینے کے لیے سو بار جھوٹ بولنا پڑتا ہے، جام نور کا وجود ثانی جھوٹ کی آب وہوا میں تیار ہوا ہے، اسے مذہب ومسلک کے تقدس سے زیادہ اپنا مفاد عزیز ہے، وہ ایک ایسی تہذیب کو متعارف کرانا چاہتا ہے جس میں ہر طرح کی مذہبی آزادی حاصل ہو، وہ اسلاف کی ڈگر سے ہٹ کر ایک ایسا ماحول ترتیب دینا چاہتا ہے جس میں تشخص کا کوئی تصور نہ ہو، جہاں امتیاز کے تحفظ کا کوئی جذبہ نہ ہو، جہاں ہر طبقے اور ہر فرقے کو ایک ہی دسترخوان پر اکٹھا کیا جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ رئیس القلم علامہ ارشد القادری نے جام نور کے جو خطوط متعین کئے تھے ان خطوط کو اس نے یکسر نظر انداز کر دیا۔ جام نور کی اندرونی پیشانی پر رئیس القلم کا نام بطور بیسا کھی رکھا گیا ہے، ورنہ دونوں دادا پوتے کے فکری تضاد کو واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے، دادا کی حیات کا لمحہ لمحہ جماعتی سرحدوں کے تحفظ میں گزرا، جب کہ پوتے کا دل جماعتی سرحدوں کے توڑنے پھوڑنے سے لبریز ہے۔

جھوٹ نیکی کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو، تاریخ میں جھوٹ بولنے اور اس کی اشاعت کرنے پر سب سے قیمتی ایوارڈ کی اگر کوئی قوم مستحق ہوسکتی ہے تو صرف وہ دیوبندی اور وہابی قوم ہے، لیکن اب ایوارڈ کی تقسیم کے لیے اگر کوئی مشاورتی محفل رکھی جاتی ہے اور ہمیں مدعو کیا جاتا ہے تو ہم اس ایوارڈ کے لیے کھلے دل سے جام نور کا نام پیش کریں گے۔ چوں کہ تاریخ کا چہرہ مسخ کرنے اور جھوٹ کی پرزور وکالت کرنے کے معاملے میں جام نور نے اپنا قد بہت اونچا کرلیا ہے، اس تعلق سے خوشتر صاحب کا زیر نظر بیان ملاحظہ کریں:

''مسلک اعلیٰ حضرت کے سلسلے میں ہمارا موقف تو اسی وقت ان پر واضح ہوجانا چاہئے تھا جب پیغام رضا کے ملنے کے پتے پر آپ نے مکتبہ جام نور دہلی کا نام شامل کیا تھا، ظاہر ہے ہمیں اس پر تامل ہوتا تو ایک غیر مطلوب نظریہ پر مشتمل کتاب کی نکاسی کرنے کے لیے ہم کبھی تیار نہیں ہوتے، جیسا کہ دہلی میں اہل سنت کا کوئی بھی مکتبہ مخالفین کی کتابیں نہ شائع کرتا ہے اور نہ کاروباری نوعیت سے اس کی نکاسی'' (جام نور، دسمبر ۲۰۰۷، ص ۱۱)

اب ذیل میں علامہ ارشد القادری کی کتاب ''زیروزبر'' کے آخری صفحہ پر مکتبہ جام نور دہلی کی طرف سے یہ اعلانیہ ملاحظہ کریں اور اس اعلانیہ کی روشنی میں دیکھیں کہ خوشتر صاحب کا دعویٰ کہاں تک درست ہے۔

''آپ ہندوستان کے کسی گوشے میں یا دنیا کے کسی ملک میں ہوں، علمائے اہل سنت کی تصانیف کے علاوہ اگر دوسرے اداروں کی کتب درکار ہوں تو آرڈر سے نوازیں اور ہم سے رابطہ قائم کر کے کسی بھی دوسرے ادارے کے مقابلے میں مزید سہولت حاصل کریں'' (زیروزبر، آخری صفحہ اشاعت ۱۹۸۶ء)

قارئین اندازہ لگائیں کے جام نور ملت کی ترجمانی کے معاملہ میں کتنا سچا ہے، اہل سنت کا کوئی بھی مکتبہ اپنی جماعتی کتابوں کے علاوہ دوسروں کی کتابیں نہ شائع کرتا ہے اور نہ سیل، کم ازکم اس کا کوئی تذکرہ آج تک پڑھنے میں نہیں آیا۔ مگر ملت کی ترجمانی کرنے والا ایک جام نور ہے، جو اہل سنت کی تصانیف کے علاوہ دوسرے اداروں (یعنی دوسرے مکاتب فکر) کی کتابیں فراہم کرنے کا باضابطہ اعلان شائع کررہا ہے۔

جام نور کے خفیہ مقاصد کی نقاب کشائی:

جام نور کے تین اہم مقاصد تھے، جس پر منصوبہ بند طریقے سے کام جاری تھا (۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی محبت کا چراغ جو عوام وخواص کے دلوں میں روشن ہے، اسے بجھا دینا (۲) مسلک اعلیٰ حضرت جو جماعت اہل سنت کا علامتی نشان اور تشخص ہے، اسے مٹا دینا (۳) اور بریلی شریف کی مرکزیت کو غیر یقینی بنا دینا۔ سب سے پہلے خوشتر صاحب نے لفظ بریلوی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا اور انداز اتنا سنجیدہ اختیار کیا کہ نیتوں پر شک کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ پھر یہ غریب لفظ ابوالفیض معینی صاحب کی میز پر کانپتا سسکتا پہنچا، انہوں نے بھی اس لفظ پر اتنے نشتر چلائے کہ اس کا پورا وجود زخموں سے چور چور ہوگیا۔ تیسرے جناب رکن الدین صاحب جو بہت دنوں سے خانوادۂ رضویہ کو اپنی جارحانہ تنقید کا نشانہ بناتے آرہے تھے، انہیں کسی بڑے موقع کی تلاش تھی، خوشتر صاحب اور ابوالفیض معینی صاحب نے انہیں جرأت وہمت عطا کی، انہوں نے اس لفظ کے پردے میں اتنے جھوٹ بولے کہ اکیسویں صدی میں شاید ان کا کوئی مقابلہ نہ کرسکے۔ ان کا حوصلہ اتنا بڑھا کہ انہوں نے اس لفظ بریلوی کو جماعت اہل سنت کے لیے سم قاتل بتایا اور سواد اعظم اہل سنت کی تفریق کا باعث قرار دیا۔ انہوں نے اپنے قارئین کو یہ ذہن دینے کی کوشش کی کہ جو شخص اس لفظ کا استعمال کرتا ہے اسے اسلاف کی ڈگر سے ہٹا ہوا سمجھا جائے گا۔ نہ جانے اسلاف سے ان کی مراد کون لوگ ہیں، حضرت عمرو بن عبدالعزیز قدس سرہ کے زمانے کے علما ہیں یا حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کے زمانے کے۔

رئیس القلم کی کتاب ''بریلوی دورِ حاضر میں اہلِ سنت کا علامتی نشان''۱۹۷۶ء میں منظرِ عام پر آئی، دس سال تک مولانا رکن الدین صاحب کو رئیس القلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل رہا، اس طویل عرصے میں اس لفظ کے بارے میں رئیس القلم سے ان کو پوچھنے کی کبھی جرأت نہیں ہوئی۔ مولانا رکن الدین صاحب سے صرف اتنا پوچھا جائے کہ تیس سال تک آپ منہ میں دہی جمائے کیوں بیٹھے رہے؟ آخر اس مدت میں لفظ بریلوی کی ہلاکت خیزی کا آپ کو احساس کیوں نہیں ہوا؟ اگر آپ اس وقت اپنے جذبات کا اظہار و اعلان کر دیتے تو جماعت خانوں میں تقسیم نہ ہوتی، اب جو جماعت اس لفظ کو لے کر خانوں میں بٹی ہے اور جو خانوادے اہلِ سنت میں ہوتے ہوئے بھی اس لفظ سے بدکنے لگے ہیں، اسکی ساری ذمہ داری آپ کو اور آپ کے ہمنواؤں کو قبول کرنی ہوگی۔

کاتب الحروف لفظ بریلوی کا حامی ہے نہ مخالف، ہاں اپنے اسلاف کا وفادار ہے، جب خوشتر صاحب نے دیکھا کہ لفظ بریلوی کی حمایت میں کسی طرف سے کوئی آواز نہ اٹھی تو ان کی جرأت میں اضافہ ہوا اور انہوں نے اعلیٰ حضرت کی شخصیت کو اپنی تنقید کا نشانہ بنانا شروع کیا، لوگ ساتھ آتے رہے اور خوشتر صاحب کا کارواں بنتا رہا، یہاں بھی انہیں خاطر خواہ کامیابی ملی اور کوئی مردِ میدان کی حیثیت سے ان کے سامنے نہیں آیا۔ ہم نے تنقیدی عبارات کی فہرست پیغامِ رضا اپریل تا جون ۲۰۰۸ء میں پیش کر دی ہے، اب خوشتر صاحب کے سامنے مسلکِ اعلیٰ حضرت اور بریلی شریف کی مرکزیت کا مسئلہ تھا، ان دونوں چٹانوں کو گرا دینا ان کے لیے اکیسویں صدی کا سب سے بڑا چیلنج تھا، اس کے لیے انہوں نے اپنے دست راست ذیشان کو تیار کیا، ذیشان کی ذہن سازی ان کے زمانۂ طالب علمی ہی میں کر دی گئی تھی، ذہن سازوں میں تین چہروں کا انہوں نے ذکر بھی کیا ہے، جب کہ ذہن سازوں میں اور بھی کچھ نمایاں چہرے ہیں، جن کا کسی مصلحت کے تحت ذکر نہیں کیا گیا۔ ذیشان صاحب نے اپنا ایک طویل مضمون ''دعوت و تبلیغ کی راہیں مسدود کیوں؟'' خوشتر صاحب کی میز پہ رکھ دیا، مضمون دیکھ کر خوشتر صاحب کی باچھیں کھل گئیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ اس مضمون کے سہارے ان دونوں چٹانوں کو آسانی کے ساتھ ریزہ ریزہ کیا جا سکتا ہے۔ فوراً انہوں نے مضمون کو جامِ نور میں شائع کر دیا، اگر ان کی نیت میں خیر کا پہلو شامل ہوتا تو مضمون کی اشاعت سے پہلے اکابرین جماعت سے مشورہ ضرور کرتے۔

'اعلیٰ حضرت'، 'مسلکِ اعلیٰ حضرت' اور 'بریلی شریف کی مرکزیت' یہ تین چیزیں جماعت کے لیے شناخت کی حیثیت رکھتی ہیں، ملت کے ہر فرد پر جماعتی شناخت کے تحفظ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، دنیا کی ہر قوم، ہر جماعت اور ہر فرقہ اپنا جداگانہ تشخص رکھتا ہے، اپنے تشخص پر حملہ دنیا کی کوئی قوم برداشت نہیں کرتی۔ داڑھی اور پگڑی سکھ قوم کا علامتی نشان ہے، صلیب عیسائی قوم کا قومی شعار ہے، ایک عیسائی ہر چیز بھول سکتا ہے، لیکن اپنے گلے میں صلیب رکھنا نہیں بھولتا، دیوبندی دنیا کے کسی گوشے میں ہو، وہ دیوبند سے اپنا رشتہ استوار رکھتا ہے، اپنے آپ کو دیوبند کا نمائندہ سمجھتا ہے اور دیوبندی فکر و خیال پہ کسی طرح کی تنقید قبول نہیں کرتا اور اپنے رہنماؤں کے خلاف کسی کو کچھ بولنے کا بھی حق نہیں دیتا۔ دلت امبیڈکر کو اپنا مسیحا سمجھتے ہیں، بلکہ معاذ اللہ خدا کا درجہ دیتے ہیں، اگر کہیں امبیڈکر کے خلاف یا اس کے مجسمے کی توہین ہوتی ہے تو پوری دلت دنیا ہم آواز ہو جاتی ہے، مجرم کو سزا ملنے تک وہ چین سے نہیں بیٹھتے۔ لیکن کتنے دکھ اور صدمے کی بات ہے کہ جن قوموں کے مذہب کی دیوار ریت کے تودے پہ رکھی گئی ہے ان قوموں کا اپنے پیشوایان مذہب کے تعلق سے اتنا مستحکم عقیدہ ہے، لیکن اسلام مذاہب کی بھیڑ میں ایک واحد سچائی ہے، جس کا اعتراف دنیا کا ہر دانشمند آدمی کرتا ہے اور آج جماعت اہلِ سنت کی وہی سچائی ''بریلوی'' اور ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' سے عبارت ہے۔ افسوس آج اسی سچائی کے دعوے دار اپنی زبان و قلم سے اپنے رہنما، پیشوا، قائد اور محسن کے تقدس پہ دھول جھونکنے پر آمادہ ہیں۔ مسلکِ اعلیٰ حضرت اور لفظ بریلوی کے حوالے سے ڈاکٹر مسعود احمد مظہری علیہ الرحمہ کے خیالات ذیل میں پیش ہیں

’’دعوت وتبلیغ کی راہیں مسدود کیوں؟‘‘ کی اشاعت میں تاخیر کیوں؟:

مولانا مبارک حسین صاحب ’الجامعۃ الاشرفیہ‘ کے استاذ، ’ماہنامہ اشرفیہ‘ کے چیف ایڈیٹر اور حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ کے داماد ہیں۔ سرکار کلاں حضرت سید شاہ مختار اشرف اشرفی جیلانی علیہ الرحمہ کچھوچھہ شریف سے نسبت ارادت رکھتے ہیں اور تاج الاسلام حضرت مولانا مفتی اختر رضا خان ازہری صاحب بریلی شریف سے سند خلافت حاصل ہے، ابنائے اشرفیہ کے بھی اہم رکن ہیں اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور پر مضبوط گرفت رکھتے ہیں۔ بعض مصدقہ ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ادارے میں کوئی بھی فیصلہ ان کی مرضی کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

اب ذیل میں اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے تعلق سے ان کے خیالات ملاحظہ کریں، وہ لکھتے ہیں:

’’خاک ہند بڑی مردم خیز ہے، بڑے بڑے مردان کار اس سرزمین سے اٹھے اور دیکھتے ہی دیکھتے انفس وآفاق پر چھا گئے۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے سواد اعظم اہل سنت وجماعت کے عقائد ومعمولات کی حفاظت کے لیے اپنے نوک قلم سے ناقابل شکست قلعہ تعمیر کیا تھا، آج وہ عرب وعجم کے گوشے گوشے میں مسلک اہل سنت بریلویت کے نام سے متعارف ومشتہر ہوگیا ہے۔ جب کہ ہم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے شیدائی اسے ’مسلک اعلیٰ حضرت‘ کے خوبصورت جملے سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس وقت برصغیر میں مسلک اعلیٰ حضرت کی سب سے عظیم اور شہرۂ آفاق درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں ہے۔ حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ہم اپنے ادارہ سے دعوت وتبلیغ اور زبان وقلم کی صلاحیتوں سے لیس ایسے دستے تیار کریں جو عالم اسلام کی محسوس دنیا کے گوشے گوشے میں مسلک اہل سنت وجماعت مسلک اعلیٰ حضرت کے ایسے چراغ روشن کردیں جو منبر ومحراب سے لے کر اذہان وقلوب کے نہاں خانوں تک عشق رسول کی قندیلیں جگمگادیں‘‘ (جہان رئیس القلم ص ۱۷، ۱۸، ۲۰۰۲ء)

مولانا مبارک حسین کے مذکورہ خیالات ۲۰۰۲ء کے ہیں، ۲۰۰۴ء میں حضرت مولانا مفتی بدر عالم صاحب مصباحی کے حکم سے ذیشان صاحب نے ایک طویل مقالہ سپرد قلم کیا۔ حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب نے اس مقالہ کی اصلاح کرنے کے بعد اس کا عنوان ’’دعوت وتبلیغ کی راہیں مسدود کیوں؟‘‘ منتخب فرمایا۔ حضرت مولانا مبارک حسین صاحب نے مقالہ کو کافی پسند کیا اور جام نور دہلی میں اس کی اشاعت کا مشورہ دیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مقالہ اچھا تھا اور حالات کے تناظر میں لکھا گیا تھا، تو ماہنامہ اشرفیہ میں اس کی اشاعت کیوں نہیں ہوئی؟ پھر جام نور نے بھی اسے تین سال تک اپنی فائل میں چھپائے رکھا اور اکتوبر، نومبر ۲۰۰۷ء میں اس کی اشاعت عمل میں آئی۔ مقالہ میں اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اور خطبائے اسلام کے تعلق سے جو زبان استعمال کی گئی ہے، اس کے مطالعہ سے کسی بھی سنجیدہ آدمی کی پیشانی عرق آلود ہوجائے گی۔ ذیل میں مقالہ کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے، اسی اقتباس سے مقالہ نگار کی فکر اور اس کی دیانت کا بخوبی اندازہ ہوجائے گا۔

مسلک اہل سنت وجماعت کو وہابیہ نے اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کردیا اور ہمارے خطبا نے مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگوا کر اس کی تصدیق کردی۔ (جام نور، اکتوبر ۲۰۰۷ء ص ۱۸)

ذیشان کے مقالہ کی تائید کے بعد مولانا مبارک حسین صاحب نے ’’جہان رئیس القلم‘‘ میں اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت کے تعلق سے جن احساسات کا اظہار کیا ہے اس کی نفی ہوتی ہے یا نہیں؟ اشرفیہ کے قیام سے حضور حافظ ملت کا بنیادی مقصد محسوس دنیا کے گوشے گوشے میں مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت تھا اس پہ ضرب پڑتی ہے یا نہیں؟

ذیشان کے مقالہ کی اشاعت کے بعد پورے ملک میں جام نور سے بیزاری کی جو لہر اٹھی تھی وہ ابتک ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔ ملک کے مختلف رسائل اور اداروں نے بھی جام نور کے نظریے کی شدت سے تردید کی اور تردید کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ جام نور پہلے بھی عوام وخواص کے

عتاب کا شکار تھا۔ ذیشان صاحب کے مقالہ کی اشاعت کے بعد اس کی خفیہ پلاننگ طشت از بام ہوگئی۔

پیغام رضا اپریل تا جون ۲۰۰۸ء جام نور کی اسی ذہنی وفکری پراگندگی کا ردعمل تھا۔ پیغام رضا کی اشاعت سے پہلے حضرت مولانا مفتی اختر حسین علیمی صاحب کا تفصیلی اور تحقیقی فتویٰ سامنے آیا جس میں مسلک اعلیٰ حضرت کی حقانیت اور جام نور کی دریدہ دہنی کے تسلسل کو خوب اچھی طرح واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس فتویٰ کی ابتک تین سو سے زائد علما ومشائخ اور مفتیان کرام تائید کر چکے ہیں۔ یہ فتویٰ ہفتہ عشرہ کے اندر پورے ملک میں مشتہر ہوگیا۔ فتویٰ دیکھ کر جماعت یاران نکتہ داں جنون کا شکار ہوگئی۔ فتوے سے جو شوریدگی پیدا ہوئی تھی وہ ابھی ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ پیغام رضا برق خاطف کی شکل میں نمودار ہوا برق زدوں نے پہلے سے جو صفیں آراستہ کی تھیں اور جو آشیانے بنائے تھے اس کے تانے بانے بکھر گئے۔ ایک معمر اور بزرگ ترین عالم دین نے راقم الحروف سے بیان کیا کہ آپ جس وقت وارد دلی ہوئے اس وقت سے لے کر پیغام رضا کی اشاعت تک لوگ آپ کے پیچھے سائے کی طرح لگے رہے اور آپ کی ہر حرکت وعمل پر شدت کے ساتھ نگاہ رکھی جانے لگی۔ اس سے دردمندوں کے اضطراب کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ مولانا مبارک صاحب کو بھی پل پل کی خبریں فراہم ہوتی رہیں۔ دلی کی سرزمین پر میٹنگیں ہوئیں، منصوبے بنائے گئے۔ پہلے کی پلاننگ پہ از سرنو غور وخوض ہوا۔ یہاں تک کہ قافلہ افتاں وخیزاں بریلی شریف پہنچا۔ کچھ احباب پہلے پہونچے اور کچھ بعد میں حاضر ہوئے۔ نیازمندان رضا، فیضان رضا ونوری لوٹنے کی جدو جہد کر رہے تھے لیکن ایک گروپ ایسا بھی تھا جو اپنے خوابوں کے شیش محل کو بکھرتا ہوا دیکھ کر سخت افسردہ تھا۔ یہ سارے مناظر ہماری حیرتوں کا باعث بنے ہوئے تھے لیکن اس وقت ہماری حیرتوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا جب اسلامیہ انٹر کالج کے مرکزی اسٹیج سے مولانا مبارک حسین صاحب کا یہ اعلان ہماری سماعت سے ٹکرایا کہ بریلی شریف کل بھی اہلسنت کا مرکز تھا، آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا اور مسلک اعلیٰ حضرت سے جن کو اختلاف ہے اس سے ہم اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور یہ اعلان ہم الجامعۃ الاشرفیہ کی قیادت کی طرف سے کر رہے ہیں۔ حقیقت پوچھئے تو ہمیں اپنی سماعت پہ یقین نہیں آرہا تھا کہ مولانا مبارک حسین صاحب بول رہے ہیں یا کوئی اور بول رہا ہے اگر مبارک حسین صاحب ہیں تو یہ وہی مبارک حسین صاحب ہیں جنہوں نے ذیشان صاحب کے مقالہ ''دعوت وتبلیغ کی راہیں مسدود کیوں؟'' کی تائید کی ہے جس میں مقالہ نگار نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ ''مسلک اہل سنت وجماعت کو وہابیہ نے اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کر دیا اور ہمارے خطبا نے مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگوا کر اس کی تصدیق کر دی''۔

الجامعۃ الاشرفیہ کی حرمت سے کھیلنے والے چند ابنائے قدیم:

جامعہ اشرفیہ اہل سنت کا تعلیمی ادارہ ہے۔ اداروں کی بھیڑ میں اس کی حیثیت ماہ کامل کی طرح ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی مخالفت اپنی قوت کو منتشر کرنے کے مترادف ہے جماعتی ومسلکی کاز کے فروغ میں اس کے مثبت رول سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس کی آب وہوا میں حضور حافظ ملت کے خلوص کی خوشبو ملتی ہے۔ اس کی تعمیر وترقی میں حضور حافظ ملت کا شفاف جذبہ کام کر رہا ہے۔ لیکن آج بعض افراد ادارہ کی غیر دانشمندانہ حرکت وعمل سے ادارہ کی شفافیت پہ سوال اٹھ رہا ہے اس کا احساس ادارہ کی اعلیٰ قیادت کو بھی ہے جبھی تو ان کی طرف سے یہ بات سننے کو مل رہی ہے۔ انھیں شکایت ہے کہ کچھ لوگ جامعہ اشرفیہ پر صلح کلیت کا الزام لگا رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ الزام نہیں ہے بلکہ اس میں کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہے۔ مولانا ادریس بستوی صاحب جامعہ اشرفیہ کے نائب ناظم اور حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ کے نمائندہ ہیں، ان کی ذات اکثر شبہات کی زد میں رہی ہے۔ وہ سیاست کرتے ہیں لیکن سیاسی نشیب وفراز سے ان کو واقفیت نہیں ہے۔ ان کو اپنے طرز عمل پر گہری نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ ان کے غیر حکیمانہ طرز فکر کی ضرب براہ راست جامعہ اشرفیہ پر پڑتی ہے۔ اس لئے کہ وہ جامعہ کے ایک

انتہائی حساس عہدہ پر فائز ہیں ان کا ذیل کا بیان ملاحظہ کریں اور اندازہ لگائیں کہ کیا ایسا بیان کسی سنی عالم دین کا ہو سکتا ہے۔

''سلطان پور، مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ممبر مولانا محمد ادریس بستوی نے مسلکی اختلاف کو غلط بتاتے ہوئے کہا کہ دوسرے مسلک کی مسجد کے اماموں کے پیچھے نماز پڑھنا غلط نہیں ہے بلکہ لوگوں کو پڑھنا چاہئے وہ چوبیس ستمبر مقامی دینی مدرسہ جامعہ عربیہ خیرآباد سلطان پور میں دستار بندی کے موقع پر خطاب کر رہے تھے۔ مولانا ادریس بستوی کی تقریر مناسب موقع پر ہوئی ہے کیونکہ رمضان میں روزہ افطار پارٹیوں میں اکثر لوگ دوسرے مسلک کے اماموں کے پیچھے نماز پڑھنے سے گریز کرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں، انہوں نے کہا مسلکی اختلاف اپنی جگہ لیکن مسجد خدا کا گھر ہوتی ہے اور پیش امام احکام خداوندی کی نیابت کرتا ہے اس سے گریز کرنا غیر اسلامی کام ہے مولانا نے کہا دوسرے مسلک کے اماموں کے پیچھے نماز پڑھنے سے نہ صرف آپسی تعلقات خوشگوار بنیں گے بلکہ اختلافات میں بھی کمی آئے گی'' (راشٹریہ سہارا، ۲۴ ستمبر ۲۰۰۶ء)

مذکورہ بیان کو سامنے آنے کے بعد جامعہ اشرفیہ کی اعلیٰ قیادت اراکین اور عمائدین دارالافتا کو مولانا سے توبہ ورجوع نامہ کا مطالبہ کرنا چاہئے تھا۔ بصورت دیگر انہیں ناظم کے عہدے سے برطرف کرنے کی ضرورت تھی اور اخبار و رسائل میں بروقت اعلان آ جانا چاہئے تھا۔ ہمارے علم کے مطابق تین سال کا طویل عرصہ بیت گیا پھر بھی صفائی میں کوئی بیان نہ آ سکا، آج بھی وہ جامعہ اشرفیہ کی نیابت کرتے دیکھے جا رہے ہیں۔

ابھی حال ہی میں ۲۸؍ جون ۲۰۰۸ء کو ممبئی کی ایک غیر معروف تنظیم 'آل انڈیا علما ایسوسی ایشن' کے زیر اہتمام الملطیفی ہال ممبئی۔ ۸ میں حضور حافظ ملت کے یوم وصال کے موقع پر ان کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ایک کانفرنس رکھی گئی تھی، جس میں حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی بانی و مہتمم دارالقلم دہلی، مولانا ادریس بستوی نائب ناظم جامعہ اشرفیہ، مولانا ظہیرالدین خان صاحب صدر مدرس سنی دارالعلوم محمدیہ ممبئی کے علاوہ تمام مکاتب فکر (دیوبندی، وہابی، جماعت اسلامی) کے لوگ شریک ہوئے، کیا حضور حافظ ملت بقید حیات ہوتے تو اس طرح کی مخلوط محفل میں شرکت کی اجازت دیتے؟ کیا حضور حافظ ملت کی شخصیت ایسے لوگوں کی طرف سے خراج عقیدت کی محتاج ہے؟ جب خود سربراہ اعلیٰ صاحب ایسی محافل میں شرکت کریں گے، تو تردیدی بیان کس کی طرف سے آئے گا؟ مولانا ظہیرالدین صاحب کی ذات طرح طرح کے تنازعات میں گھری ہوئی ہے، انہیں اپنوں کا دسترخوان اچھا نہیں لگتا، غیروں کے دسترخوان پر بیٹھنے میں وہ اپنی بڑائی محسوس کرتے ہیں، حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب سے جب اس سلسلے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے ایسی محافل میں شرکت کو وقت کی اہم ضرورت سے تعبیر کیا اور جواز میں بہت سارے دلائل پیش کیے، چوں کہ انہوں نے اپنا تشخص بہرحال ضائع کر دیا ہے، انہوں نے اپنی جو ڈگر بنا رکھی ہے، وہ نئی نسل کو تاریکیوں کی طرف لے جا رہی ہے۔

مولانا عبیداللہ خان اعظمی کی جماعتی حیثیت بالکل مشکوک ہو چکی ہے، وہ ہر مکاتب فکر کی محافل میں شریک ہوتے ہیں اور ان کے مزاج، ان کے خودساختہ مذہبی اصولوں کی روشنی میں گفتگو کرتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے شیعوں کی ایک محفل میں شرکت کی تو شیعوں کے رہنما خمینی صاحب کو نائب پیغمبر کہہ دیا، غالباً اسی مسئلے کو بنیاد بنا کر جامعہ اشرفیہ کی اعلیٰ قیادت نے اشرفیہ میں ان کے داخلے پر پابندی لگا دی۔ یہی وجہ ہے کہ ۲۰۰۷ء کے عرس حافظ ملت میں ان کی شرکت نہیں ہو سکی، لیکن پھر ۲۰۰۸ء میں یہ پابندی اٹھا لی گئی، آخر پابندی اٹھانے کے وجوہات کیا ہیں، ان کی جو روش پہلے تھی، وہی آج بھی ہے۔ عرس حافظ ملت میں انہوں نے جو گفتگو کی ہے، وہ عوامی اضطراب میں اضافہ کر رہی ہے اور یہ بات مشہور ہو رہی ہے کہ یہ سارا تماشا اشرفیہ کی اعلیٰ قیادت کے اشارے پر ہو رہا ہے۔ محدث کبیر کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ اب تاریخ کا حصہ بن چکا ہے، لیکن جب بھی اس کی یاد آتی ہے، دل پہ چوٹ لگتی ہے

اور صاحب عرس حضور حافظ ملت کی روح یقیناً بے قرار رہتی ہوگی کہ انہیں کے عرس میں ان کے استاذ زادے، پیرزادے اور معتمد علیہ کے نسب نامے اور خون پہ برملا تبرا کیا جاتا ہے۔ محدث کبیر خطاداروں کی اس صف میں نہیں تھے جسے بھری بزم میں رسوا کیا جائے، ان کا خاندانی اور علمی دونوں قد اشرفیہ کے تمام موجودین سے یقیناً بلند ہے، بلکہ جماعت میں ان کی اپنی ایک جداگانہ شناخت ہے، ایک ایسا شخص جس کی مضبوط شناخت ہے اسے ایک ایسے شخص سے رسوا کرایا جارہا ہے، جس کی کوئی شناخت نہیں ہے، جس کا وجود جماعت پہ ایک بوجھ بن چکا ہے، جو خود بے چہرگی کا شکار ہے اس لیے اشرفیہ کی کسی بھی تقریب میں ان کی شرکت خدشات کو ہوا دے گی، اشرفیہ حضور حافظ ملت کا حسین خواب ہے اور قومی ورثہ ہے، لہٰذا اس ورثے کو ہر طرح کے داغ دھبے سے بچایا جائے۔

مائک کی اقتدا کے عدم جواز پر علما کی غالب اکثریت متفق رہی ہے، اس سلسلے میں جو شخصیات باہم متحد تھیں، ان میں چند نمایاں شخصیات کے اسما ذیل میں ملاحظہ کریں:

> حضور مفتی اعظم ہند، حضور محدث اعظم ہند، حضور صدر الشریعہ، حضور برہان ملت، حضور امین شریعت، حضور شیر بیشۂ اہل سنت، حضور محبوب ملت، حضور اجمل العلما مفتی اجمل شاہ صاحب، حضور مجاہد ملت، حضور حافظ ملت، حضور سید العلما، حضور احسن العلما، شیخ المشائخ حضور سرکار کلاں، حضور مفتی مظہر اللہ صاحب دہلوی، حضور پاسبان ملت، حضور ریحان ملت، حضور شمس العلما مفتی نظام الدین صاحب الہ آباد، حضور مجاہد دوراں، حضرت مفتی شاہ عبدالرحمٰن صاحب مُحبّی، شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی، بحر العلوم مفتی عبدالمنان صاحب، رئیس القلم علامہ ارشد القادری محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قدس سرہم

مذکورہ شخصیات میں ہر شخصیت اپنی جداگانہ انفرادیت رکھتی ہے، ان کی علمیت، قابلیت اور مرجعیت کے بکثرت شواہد پیش کیے جاسکتے ہیں، مذہبی اقدار اور روایات کو انہوں نے جو تحفظ دیا ہے، عہد حاضر میں اس کی کوئی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی، ان شخصیات نے جماعت میں کبھی کسی فتنے کو سر اٹھانے کا موقع نہیں دیا، شخصی اور ذاتی مفادات کی خاطر جماعتی وقار کو کبھی مجروح ہونے نہیں دیا، ان کے عہد میں بڑے بڑے طوفان اٹھے، لیکن ہر طوفان کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہوگئے، پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کھڑے ہوئے، مگر ہر مسئلے کو اپنے ناخن تدبیر سے حل کیا، ان کے زمانے میں کوئی مسئلہ اتفاق کے بغیر عوام کے سامنے نہیں آیا، انفرادی طور پر جماعت کے حق میں کسی کو فیصلہ کرنے کا حق نہیں تھا، حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب رضوی صدر مفتی جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے مائک کے تعلق سے ان تمام شخصیات کے اتفاق کے خلاف اپنی تحقیق پیش کی، انہیں اس موضوع پر کام کرنے کے لیے جماعت کی کچھ مقتدر شخصیات نے حکم دیا تھا۔

اپنے ایک خط میں انہوں نے ان شخصیات کے اسما بھی بتائے ہیں اور اس حساس موضوع پر کام کرنے پہ افسوس کا اظہار بھی کیا ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہم نے مائک کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا ہے، بلکہ اپنی ایک تحقیق پیش کی ہے اور فیصلہ اہل علم اور مفتیان کرام پر چھوڑ دیا ہے، جب کہ ایسا نہیں ہے۔ ان کی ایک تحقیقی کتاب ''شیئر بازار کے مسائل'' کی پشت پر اس کتاب کا اشتہار یوں آیا ہے:

''لاؤڈ اسپیکر کا شرعی حکم'' دلائل وشواہد کی روشنی میں لاؤڈ اسپیکر پر جواز اقتدا کا روشن ثبوت۔

شیئر بازار کے مسائل ۱۴۲۳ھ مکتبہ برہان ملت مبارک پور

جب حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب کی تحقیق کتابت کے مراحل سے گزر رہی تھی، تو حضرت مفتی مطیع الرحمٰن صاحب قبلہ کسی کام سے مبارک پور حاضر ہوئے، کسی نے انہیں بتایا کہ مائک پر جواز اقتدا کے حوالے سے مفتی نظام الدین صاحب رضوی کی تحقیق بہت جلد کتابی شکل میں منظر عام پر آنے والی ہے، ان کی حیرانی بڑھی، اس لیے کہ شرعی بورڈ نے اس موضوع پر اپنا حتمی فیصلہ نہیں سنایا تھا، شرعی بورڈ کے اتفاق کے بغیر کتاب کا منظر عام پر آنا جماعتی اضطراب وانتشار کا سبب ہوگا، اسی وقت مفتی مطیع الرحمٰن صاحب مفتی نظام الدین صاحب سے ملنے ان کے دولت

کدے پہ حاضر ہوئے، ان سے جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ ذیل میں ملاحظہ کریں:

اس سال صفر المظفر کی کسی ابتدائی تاریخ میں محب گرامی حضرت مولانا سید محمد انور چشتی صاحب مدظلہ کے ہمراہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور پہنچنے کا اتفاق ہوا تو خبر ملی کہ مولانا نظام الدین صاحب نمائندہ مجلس کی دوسری نشست کے بعد بھی اس مسئلہ پر غور و فکر اور کچھ علما و ماہرین سائنس سے مشورہ کرتے رہے ہیں، جس کے نتیجہ میں عنقریب صحت اقتدا سے متعلق ان کی کتاب منظر عام پر آ رہی ہے۔

فقیر محبی مولانا سید انور چشتی اور عزیزی مولانا آل مصطفیٰ اشرفی کو ہمراہ لے کر مولانا کی قیام گاہ پر حاضر ہوا اور ان سے گزارش کی:

''اہل سنت پہلے سے ہی کچھ مسائل میں اختلاف کی وجہ سے انتشار کا شکار ہیں، اب اس مسئلہ میں کتاب لکھ کر ان کو مزید انتشار میں مبتلا نہ کیا جائے، کیوں کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتدا کرنا، آپ کے نزدیک بھی فرض و واجب یا سنت تو کیا مستحب تک نہیں، صرف مباح ہے اور ایک امر مباح کی خاطر قوم کو انتشار میں ڈالنا کسی طرح مناسب نہیں۔ ہمیں دیکھیے، ہم تو اس پر اقتدا کو فاسد سمجھتے ہوئے بھی ایسا کچھ نہیں کر رہے ہیں، علاوہ ازیں آپ کے سابقہ دلائل تو ہمارے نزدیک منقوض ہیں، اگر کہیں سے پھر کوئی دلیل دستیاب ہوئی ہو تو پہلے ہمیں مطلع فرمائیں، اگر وہ نا قابل تردید ہو تو ہم بھی آپ کے ساتھ ہو جائیں اور اس طرح ایک متفقہ فیصلہ قوم کو ملے''

اس پر مولانا نے فرمایا:

''مبیضہ کاتب کے سپرد کر دیا گیا ہے، اب تو امید ہے کہ کتابت بھی ہو چکی ہوگی، میں کوشش کروں گا کہ عرس رضوی کے موقع پر بریلی شریف میں کتابت شدہ کاپیاں آپ کو دکھادوں...... لیکن اگر ایسا نہ ہو سکا اور کتاب شائع ہو ہی گئی تو آپ کو جواب کا اختیار ہوگا''

پھر عرس رضوی کے موقع پر مولانا سے اس وقت ملاقات ہوئی جب وہ اسی دن دہلی سے کتاب کی طباعت کرا کے براہ راست بریلی شریف پہنچے تھے۔ (قول فیصل، ص ۱۶، ۱۷۔ ۱۹۹۰)

کتاب کی اشاعت کے بعد ملک ہی نہیں بلکہ پورے برصغیر میں اضطراب کا ایک آتش فشاں پھوٹ پڑا، اس لیے کہ اس میں صرف حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کے فتویٰ ہی کی مخالفت نہیں تھی، بلکہ جمہور علما کے اتفاق کو چیلنج کیا گیا تھا، اگر یہ چیز اتفاق رائے سے سامنے آتی تو بات کچھ اور ہوتی۔ حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اپنی تحقیق میں تنہا تھے، اس لیے انہیں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور آج بھی ان کی ذات مشکلات میں الجھی ہوئی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد وہ آسمان کی بلندی سے زمین کی پستی پر آ گئے، اس کا انہیں خوب اچھی طرح احساس بھی ہے۔ جہاں ان کی ذات پہ تنقید کے پتھر پھینکے جا رہے تھے، وہیں جامعہ اشرفیہ کو بھی نشانہ بنایا جا رہا تھا، حالات کو دیکھتے ہوئے اور جامعہ اشرفیہ کو شبہات کے دائرے سے نکالنے کے لیے شارح بخاری حضرت مولانا مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کو یہ بیان دینا پڑا، ان کا بیان ذیل میں ملاحظہ کریں:

''مسئلہ لاؤڈ اسپیکر میں عزیز گرامی وقار علامہ مفتی نظام الدین صاحب اپنی رائے میں منفرد ہیں، ادارہ (جامعہ اشرفیہ) کا کوئی فرد اس سے متفق نہیں، انہوں نے (لاؤڈ اسپیکر کے شرعی حکم میں) جو کچھ کہا اس کی ذمہ داری تنہا ان کے سر ہے''

(لاؤڈ اسپیکر پر نماز مع تحقیقات اکابر اہل سنت، ص ۱۰، رضا اکیڈمی ممبئی، ۲۰۰۱ء)

آج پھر جامعہ اشرفیہ کے بعض اساتذہ اور بعض دردمندوں کی غیر حکیمانہ حرکتوں کی وجہ سے ادارے کا وقار مجروح ہو رہا ہے، اس لیے وقت اور حالات کا تقاضا ہے کہ جامعہ اشرفیہ کی اعلیٰ قیادت شارح بخاری کی طرح ایک بیان جاری کر دے اور ان اساتذہ و دردمندوں کی غلط حرکتوں سے اپنی برأت کا اعلان کر دے۔ اگر ایسا ہو جاتا ہے تو جامعہ اشرفیہ کی طرف کسی کو انگلی اٹھانے کی جرأت نہ ہوگی۔

حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی، حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی اور حضرت مولانا مفتی بدر عالم مصباحی نے ذیشان صاحب کے مضمون ''دعوت وتبلیغ کی راہیں مسدود کیوں؟'' کی تائید وحمایت کی ہے اورانہیں حضرات کے اشارے پر ماہنامہ جام نور دہلی میں اس کی اشاعت عمل میں آئی، حالاں کہ ذیشان صاحب کے مضمون کی صحت وصداقت پر حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب، سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، حضرت مولانا عبدالشکور صاحب مصباحی، حضرت مولانا محمد احمد مصباحی، حضرت مولانا مفتی نظام الدین رضوی مصباحی صاحبان نے اپنے شک کا اظہار کیا ہے، جیسا کہ ماہنامہ کنزالایمان دہلی میں شائع اعلامیہ سے ظاہر ہے، اعلامیہ کے مؤیدین میں اول الذکر تینوں حضرات کے اسما شامل ہیں، اعلامیہ کی تائید سے پہلے ان حضرات کو ذیشان صاحب کے مضمون سے اپنی بیزاری کا اظہار کر دینا چاہئے تھا، جبکہ حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب نے مضمون کی اشاعت پہ اپنی خوشی ظاہر کی ہے۔

بعض فضلائے اشرفیہ کے رضا مخالف بیانات:

اعلی حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی اور حضور مفتی اعظم ہند قادری برکاتی قدس سرہما نے جماعتی اتحاد کا جو تصور پیش کیا ہے ماضی قریب کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی ان ذوات قدسیہ کا تحریری، تقریری اور لسانی سرمایہ مذہبی درد سے عبارت ہے دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا شخص بھی ان کے دامن حیات پہ کوئی داغ دھبہ دکھا نہیں سکتا حضور احسن العلماء حضرت مولانا مفتی سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن قدس سرہٗ نے ان دونوں شخصیات کو خاندان برکات کی سب سے بڑی کرامت کے طور پر پیش کیا ہے عالم اسلام کی قد آور شخصیتوں نے بھی انہیں آیات الٰہی ومعجزات رسالت پناہی سے تعبیر کیا ہے ان کے علمی مقام ومرتبے کی اب تک حدیں متعین نہیں کی جاسکی ہیں، ایمان وعقیدے کی فصیلوں کو انہوں نے جو تحفظات دئے ہیں ہر زمانے میں اسے احترام کی نگاہ سے دیکھا جائے گا انہوں نے رشد وہدایت کے جو چراغ روشن کئے ہیں اسے دنیا کی کوئی طاقت بجھا نہیں سکتی ایسی قدسی صفات شخصیات پہ اگر کسی طرح کی تنقید ہوتی ہے تو اس سے جماعتی اتحاد کو شدید چوٹ پہنچے گی اور میراث اسلاف سے الجھنے کا سلسلہ شروع ہوجائے گا (بلکہ بدقسمتی سے یہ منفی عمل شروع ہو چکا ہے) جو لوگ جماعتی انتشار کو شدت سے محسوس کررہے ہیں انہیں اس سلسلے میں ذاتی، شخصی اور گروہی مفادات سے بالاتر ہوکر ایسا لائحہ عمل ترتیب دینا ہوگا جو رستے زخموں کے لئے مرہم کا کام کر سکے۔

کوئی بھی دعوت اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوسکتی جب تک جماعت کی غالب اکثریت کو اس کی خالصیت کا ٹھوس یقین نہیں ہوجاتا بعض افراد اتحاد کی دعوت کے پردے میں انتشار کے شعلوں کو ہوا دے رہے ہیں انہیں اپنے طریقۂ کار پر ازسرنو غور کرنے کی ضرورت ہے۔

حضور حافظ ملت قدس سرہٗ کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ہم اپنے ادارہ سے دعوت وتبلیغ اور زبان وقلم کی صلاحیتوں سے لیس ایسے دستے تیار کریں جو عالم اسلام کی محسوس دنیا کے گوشے گوشے میں مسلک اہل سنت وجماعت مسلک اعلیٰ حضرت کے ایسے چراغ روشن کردیں جو منبر ومحراب سے لیکر اذہان وقلوب کے نہاں خانوں تک عشق رسول کی قندیلیں جگمگا دیں یہ ارشادات عالیہ وغالیہ الجامعۃ الاشرفیہ کے ایک فاضل کے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ فضلائے اشرفیہ حضور حافظ ملت کے اس بنیادی مقصد کی ترجمانی کررہے ہیں یا اس کے برعکس اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں یہ بات ہمیں تسلیم ہے کہ حکم اکثریت پہ ہوتا ہے۔ ہم ذیل میں بعض فضلائے اشرفیہ کے ایسے ارشادات پیش کرتے ہیں جس سے مذہب ومسلک اور جماعتی مبادیات کے چہرے بری طرح جھلستے دکھائی دیتے ہیں۔

مولانا ادریس بستوی مصباحی نائب ناظم الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور:

''دوسرے مسلک کے اماموں کے پیچھے نماز پڑھنے سے نہ صرف آپسی تعلقات خوش گوار بنیں گے بلکہ اختلافات میں بھی کمی آئے گی''
(راشٹریہ سہارا، ۲۴؍ستمبر ۲۰۰۶ء)

مولانا عبیداللہ خاں اعظمی مصباحی بقول حضرت مولانا محمد انصار رضا نوری:

''امام خمینی (شیعوں کا رہنما) نائب پیغمبر ہیں، غوث اعظم میں کسی کو کچھ دینے کی صلاحیت نہیں ہے''

مولانا رکن الدین اصدق مصباحی:

''تبلیغی جماعت مولوی اشرف علی تھانوی کا نام لئے بغیر ان کی تعلیم عام کر رہی ہے، تو دعوت اسلامی اگر اعلیٰ حضرت کا نام لئے بغیر ان کا مشن جاری رکھے ہوئے ہے تو یہ جرم کیوں ہے؟ نگاہوں کی اسی کجی نے ہمیں زندگی کی جولان گاہ میں سبھوں سے پیچھے کر رکھا ہے''
(سہ ماہی جام شہود، جنوری ۲۰۰۵ء)

مولانا رکن الدین صاحب نے ظفر ادیبی صاحب کے مرنے پر اپنے رسالہ 'جام شہود' اپریل تا جون ۲۰۰۶ء میں تعزیت نامہ شائع کیا ہے یاد رہے کہ ظفر ادیبی صاحب نے 'حسام الحرمین' کی تائید نہیں کی تھی اسی بنیاد پر انہیں حضور حافظ ملت نے اشرفیہ سے نکال دیا تھا، دیابنہ اور وہابیہ کو وہ کافر بھی نہیں سمجھتے تھے ان کی اقتدا میں نماز بھی پڑھتے تھے اور ان کے جنازے میں بھی شریک ہوتے تھے تعزیت نامہ کی ابتدائی عبارت ملاحظہ کریں، رکن الدین اصدق صاحب لکھتے ہیں۔

مفکر اسلام علامہ ظفر ادیبی علیہ الرحمہ کے سانحۂ ارتحال کی خبر ہمیں بہت تاخیر سے موصول ہوئی۔ آپ نے ۳۰؍جنوری ۲۰۰۶ء بروز دوشنبہ داعی اجل کو لبیک کہا اور ۳۱؍جنوری کو مبارک پور میں تدفین عمل میں آئی۔ علامہ مرحوم دارالعلوم اشرفیہ کے دور اول کے فارغین اور حافظ ملت کے قابل فخر تلامذہ میں تھے۔ فراغت کے بعد کچھ دنوں تک گھریلو کاروبار میں مشغول رہے۔ حافظ ملت کو ان کی علمی استعداد کا خوب اندازہ تھا ایک دن بلا کر فرمایا گھر کا کام تو چلتا ہی رہے گا تم اپنی صلاحیت کیوں ضائع کر رہے ہو؟
اشرفیہ میں تدریس کی ذمہ داری سنبھال لو، حکم کی تعمیل میں تدریسی خدمات پر مامور ہو گئے، خداداد صلاحیت کے مالک تھے، معقولات پر مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اساتذہ میں محقق دوراں حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف علیہ الرحمہ کے بعد آپ ہی کا شمار تھا، معقولات کی منتہی کتابیں آپ ہی دونوں کے درمیان تقسیم ہوتی تھیں، متعدد کتابوں کا میں نے آپ سے درس لیا ہے''
(جام شہود، اپریل تا جون ۲۰۰۶ء)

حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی، مولانا بدر عالم مصباحی و مولانا مبارک حسین مصباحی اساتذۂ اشرفیہ:

''مسلک اہل سنت و جماعت کو وہابیہ نے اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کر دیا اور ہمارے خطباء نے مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگوا کر اس کی تصدیق کر دی''
(جام نور، اکتوبر ۲۰۰۷ء)

مذکورہ اقتباس ذیشان مصباحی کے مقالہ 'دعوت و تبلیغ کی راہیں مسدود کیوں؟' سے لیا گیا ہے، جس کی تائید و حمایت مذکورہ فضلائے اشرفیہ نے کی ہے۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی رکن مجلس شوریٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور

''جو لوگ کہتے ہیں کہ ''کنز الایمان'' اردو میں قرآن ہے وہ تو مجسم آفتاب کو بحر الکاہل میں اتار رہے ہیں'' (جام نور اگست ۲۰۰۶ء)

''اعلیٰ حضرت کی زبان و قلم سے سر مو خطا سرزد ہو مولیٰ تعالیٰ نے اسے ناممکن بنا دیا ہے ہم اسے تسلیم نہیں کرتے'' (جام نور اگست ۲۰۰۶ء)

مولانا نیاز احمد مصباحی:

''پوری جماعت اہل سنت میں کچھ دنوں پہلے ایک عرصے بعد ایسی کتاب منظر عام پر آئی ہے جسے باضابطہ کتاب کا نام دیا جا سکتا ہے، وہ کتاب ''شرح صحیح مسلم شریف'' ہے جس کے مصنف علامہ غلام رسول سعیدی ہیں انہوں نے انتہائی قابل قدر کارنامہ انجام دیا ہے لیکن کتاب اور مصنف کتاب کی تحسین کی بجائے اسے مخالفت کا نشانہ بنایا گیا۔ کیوں کہ مصنف نے اس کتاب میں اعلیٰ حضرت سے کچھ اختلافات کئے تھے''۔

یہ اس بات کا شاخسانہ ہے کہ ہم نے علم اور تحقیق کا دروازہ بند کیا ہو یا نہ کیا ہو اس کی وسعتوں کو ضرور کم کر دیا ہے، ورنہ کیا وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تحقیق سے معارض کوئی بات سامنے آتی ہے تو ہم چراغ پا ہو جاتے ہیں، کیا وجہ ہے کہ ہماری تحریروں میں حوالے کے طور پر اعلیٰ حضرت سے پہلے کے مصنفین کی کتابوں کے نام نہیں آتے، ہمارے فقہی سیمیناروں میں کوئی بات اس وجہ سے کیوں ٹھکرا دی جاتی ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت کی تحقیق سے مختلف ہے، قرآنی آیات کے ترجموں کے وقت کنز الایمان کے ترجمے کے نقل کرنے کا التزام کیوں کیا جاتا ہے؟

میں مانتا ہوں کہ ''کنز الان'' قرآن مجید کا شاہکار اردو ترجمہ ہے لیکن اس سے بہتر ترجمہ نہیں ہو سکتا اسے ایک غیر جانب دار شخص کیسے تسلیم کر سکتا ہے۔ وہ ترجمہ زیادہ سے زیادہ اس زمانے کے اعتبار سے شاہکار کہا جا سکتا ہے، ورنہ پورا ''کنز الایمان'' کھنگال ڈالیے ایسے الفاظ کی ایک فہرست تیار ہو جائے گی جن کا تعلق مخصوص علاقوں کی زبان سے ہے اور جن کا استعمال اب اردو میں متروک ہو چکا ہے پھر بھی اس کے تعلق سے یہ کہنا کہ قرآن مجید اگر اردو میں نازل ہوتا تو وہ ''کنز الایمان'' ہوتا، بالکل فضول بات ہے جس سے قرآن مجید کی عظمت مجروح ہوتی ہے اور یہ خدائی قدرت کو ایک چیلنج دینا ہے۔

اس قسم کے نظریات کسی کے بھی ہوں کورانہ تقلید کا نتیجہ ہے، جس کے ازالہ کی اور وسعت نظر پیدا کرنے کی سخت ضرورت ہے کیوں کہ جماعت پہلے ہی بہت نقصانات اٹھا چکی ہے خدارا اسے مزید نقصانات سے بچائیے!''

(ماہنامہ ماہ نور دہلی مارچ ۲۰۰۶ء ص ۳۹)

مولانا محمد ارشاد عالم نعمانی مصباحی:

اصل میں مولانا سے چوک یہ ہوئی ہے کہ انہوں نے جماعت اور مسلک کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا ہے کیوں کہ یہاں دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ جماعت کا عرفی نام کیا ہے؟ اور کیا ہونا چاہئے؟ دوسرے جماعت کا مسلک کیا ہے؟ میرے

خیال سے دونوں عدم توازن کے شکار ہیں کہ ایک جماعت کی اس کے قدیم عرفی نام ''اہل سنت و جماعت'' کے بجائے ''بریلوی'' سے اور مسلک کی تعبیر اس کے قدیمی نام ''اہلسنت و جماعت'' کے بجائے مسلک اعلیٰ حضرت سے مناسب نہیں سمجھتا''
(کنز الایمان دہلی، مئی ۲۰۰۷ء ص ۴۹)

مولانا محمد شہباز عالم مصباحی

سالنامہ پیغام رضا (ممبئی) پر مولانا ارشاد عالم نعمانی کا ناقدانہ تبصرہ شاندار اور وقیع ہے خصوصاً مسلک اعلیٰ حضرت اور مسلک اہل سنت کے لفظی مناقشے پر ان کا غیر جانبدارانہ تبصرہ قابل مطالعہ ہے۔آج ہندوستان گیر سطح پر جماعت اہل سنت کی جو صورت حال ہے ایسے میں ہمیں جماعت کی ترقی اور عظمت رفتہ کی بازیابی کیلئے ان لفظی مناقشات سے آگے نکل کر نہایت ہی اتحاد کے ساتھ اور جنگی پیمانے پر عملی سرگرمیاں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔جو لوگ ہمیں ان لفظی مناقشات کے حصار و بند میں گھیرنا چاہتے ہیں، میرے نظریے سے وہ جماعت کے حق میں بدخواہ نہیں تو کم از کم خیر خواہ بھی نہیں ہیں''
(ماہنامہ کنز الایمان دہلی جون ۲۰۰۷ء ص ۵۵)

مولانا ظفر الدین برکاتی مصباحی:

''معیار سنیت امام احمد رضا خاں قادری نے تصنیفات و تالیفات کی شکل میں ہتھیار تو بہت تیار کیے مگر ان کے استعمال کرنے والے سپاہی نہیں پیدا کیے۔یہ کام صحیح معنوں میں حضور حافظ ملت نے اپنی خاموش تحریک اشرفیہ کے ذریعہ بحسن خوبی انجام دیا۔چنانچہ آج ہزاروں کی تعداد میں آپ کو مبلغین، مدرسین، واعظین، مناظرین، مصنفین، محققین، مؤلفین، مفکرین، دانشوران دین، حفاظ مجودین، صحافی و محررین، ادبا و نقاد اور ملی و سیاسی قائدین کی شکل میں فارغین اشرفیہ نظر آئیں گے چنانچہ نصاب اشرفیہ ہندوستان کے تمام سنی مدارس بلکہ غیر سنی (ممتاز) مدارس کے نصابات میں بھی، لسانیات، نفسیات، فقہیات، تاریخ و سیر، اعتقادیات، سیاسیات، سماجیات، معاشیات، تقابل فرق و مذاہب، ریاضیات اور معلومات عامہ جیسے حساس اور لازمی عصری مضامین و موضوعات شامل ہیں۔اس میں ایسی معقولیت اور معنویت ہے کہ آج تقریباً نوے فیصد سنی مدارس غیر شعوری ہی سہی اس کو قابل تقلید نصاب کے طور پہ عملاً تسلیم کرنے لگے ہیں۔یوں ہی جامعہ اشرفیہ کی علمی و فکری مرکزیت کے احساس و اقرار کا عملاً ثبوت فراہم کرنے لگے ہیں''۔
(کنز الایمان دہلی جولائی ۲۰۰۷ء ص ۶/۴/۳)

مذکورہ اقتباس میں دو چیزیں قابل غور ہیں اول مضمون نگار نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی عہد ساز، عبقری اور فلک رفعت شخصیت کو یہ کہہ کر ہدف تنقید بنایا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے تصنیفات و تالیفات کی شکل میں ہتھیار تو بہت تیار کئے مگر ان کو استعمال کرنے والے سپاہی نہیں پیدا کئے یہ کام حضور حافظ ملت نے اپنی خاموش تحریک اشرفیہ کے ذریعہ انجام دیا مضمون نگار کا یہ دعویٰ حقیقت سے بے خبری کی دلیل ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ خود حضور حافظ ملت اعلیٰ حضرت ہی کے خوان علم کے پروردہ ہیں، اعلیٰ حضرت نے دینی قدروں کی ترویج کے لئے سپاہیوں کی جو ٹیم تیار کی تھی ماضی قریب کی تاریخ میں اس سے بہتر ٹیم کا سراغ نہیں ملتا۔اعلیٰ حضرت کے خلفا و تلامذہ کا ایک فرد آج کی درجنوں عبقری شخصیات

بہاری ہے۔ جب آنکھوں پہ تعصب وتنگ نظری کی عینک لگی ہوتی ہے تو قلم سے اسی طرح کے جملے نکلتے ہیں یہ وقت کا عجیب المیہ ہے کہ آج اپنے ہی لوگ اعلیٰ حضرت کی بے غبار شخصیت پر دھول ڈالنے پر کمربستہ ہوگئے ہیں جو لوگ ایسی تحریک چلا رہے ہیں بہت جلد انہیں اپنی نادانی کا احساس ہوگا۔ حضور حافظ ملت کی خدمات کا کون اعتراف نہیں کرتا، لیکن یہ سمجھنے اور ماننے کی ضرورت ہے کہ حافظ ملت کے کارنامہ میں صدر الشریعہ کا اور صدر الشریعہ کے کارنامہ میں امام احمد رضا کا بنیادی رول ہے۔ اگر امام احمد رضا نہ ہوتے تو نہ صدر الشریعہ، صدر الشریعہ ہوتے اور نہ حافظ ملت، حافظ ملت۔

اعلیٰ حضرت کے خلفا کی دینی، علمی، صحافتی اور سیاسی خدمات:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے سپاہی تیار نہیں کئے تھے، تو بتایا جائے کہ ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ کی جو بے مثال جماعت تاریخ میں نظر آتی ہے، وہ کس کی تیار کردہ ہے۔ ذیل میں اعلیٰ حضرت کے تلامذہ اور ان کے تلامذہ کے تلامذہ کی کچھ اضافہ کے ساتھ ایک مختصر فہرست ملاحظہ فرمائیں:

حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی، مفتی اعظم حضرت مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا قادری بریلوی، عید الاسلام حضرت مولانا مفتی عبدالسلام جبل پوری، برہان ملت حضرت مفتی محمد عبدالباقی برہان الحق جبل پوری، حضرت مولانا حسنین رضا بریلوی، ملک العلما مولانا ظفر الدین قادری بہاری، صدر الشریعہ حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی رضوی، محدث اعظم ہند مولانا سید محمد میاں اشرفی الجیلانی کچھوچھوی، حضرت مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی، حضرت مولانا سید افضل حسین مونگیری، حضرت مولانا شفیع احمد بیسل پوری، حضرت مولانا مفتی حشمت علی لکھنوی، حضرت مولانا غلام جان ہزاروی، حضرت مولانا حامد علی فاروقی، حضرت مولانا مفتی محبوب علی خان پیلی بھیت حضرت مولانا سردار احمد گورداس پوری، حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز مرادآبادی، حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن قادری اڑیسوی، حضرت مولانا شمس الدین رضوی جعفری جون پوری، حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی، حضرت مولانا رفاقت حسین مظفر پوری، حضرت مولانا تقدس علی بریلوی، حضرت مولانا احسان علی مظفر پوری، حضرت مفتی اعجاز ولی رضوی، حضرت مولانا عبدالغفور ہزاروی، حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری، حضرت مولانا محمد ابراہیم فریدی سمستی پوری، حضرت مولانا غلام جیلانی اعظمی، حضرت مولانا غلام رسول رضوی فیصل آبادی، حضرت مفتی وقار الدین پیلی بھیتی، حضرت مولانا ابراہیم رضا عرف جیلانی میاں بریلوی، حضرت مولانا ریحان رضا عرف رحمانی میاں بریلوی، حضرت مولانا تحسین رضا خان محدث بریلوی حضرت مفتی محمد اختر رضا ازہری قادری رضوی بریلوی، وغیرہم (ماہنامہ کنز الایمان جون ۲۰۰۲ء اداریہ حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی)

قارئین خود ہی فیصلہ فرماسکتے ہیں کہ تلامذۂ امام احمد رضا سے لے کر آج تک علمائے اہل سنت نے جو خدمات انجام دی، یاد رہے ہیں وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ امام احمد رضا کے فیض یافتہ ہیں یا نہیں؟ ایک واسطہ ہو یا دو واسطہ، مگر بہر حال جماعت اہل سنت کی خدمات میں تصانیف امام احمد رضا اور تلامذۂ امام احمد رضا کی خدمات کے علاوہ کیا ہے؟ اور جو ہے، وہ امام احمد رضا کے بالمقابل کیفیت وکمیت کے اعتبار سے کس پایہ کا ہے؟

ع عیاں راچہ بیاں

یہ تو تھی امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے تلامذہ اور ان کے تلامذہ کی باتیں، اگر ان کے خلفائے عرب وعجم کی فہرست اور ان کی دینی، ملی

اور مسلکی خدمات کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوگا کہ ان کے خلفا نے بھی جو خدمات انجام دی ہیں، آج پوری جماعت اور اکیڈمیاں بھی اس کی نظیر پیش نہیں کرسکی ہیں، بلکہ ان کے کارناموں کو ابھی تک پورے طور پر سمیٹا نہیں جا سکا ہے۔ ذیل میں عرب وعجم کے چند مشاہیر خلفا کی فہرست ملاحظہ کریں:

شیخ محمد عبدالحیٰ، شیخ عبداللہ دہان، شیخ علی بن حسین، شیخ اسماعیل خلیل، شیخ بکر رفیع، شیخ محمد جمال، شیخ مصطفیٰ خلیل، شیخ ابی حسین مرزوقی، شیخ عبداللہ میرداد، شیخ مامون البری، شیخ حسن العجمی، سید سالم بن عیدروس، شیخ اسعد الدہان، شیخ الدلائل سید محمد سعید، سید ابوبکر بن سالم، شیخ عبدالرحمٰن، شیخ عمر الحروسی، شیخ محمد بن عثمان دہلان، شیخ علی بن حسین، شیخ عمر بن حمدان، شیخ محمد یوسف، شیخ عابد بن حسین، شیخ احمد خضراوی، شیخ عبدالقادر کردی، شیخ جمال بن محمد مرزوق، شیخ ابوالحسن محمد المرزوقی، شیخ محمد بن سید ابی بکر الرشیدی، شیخ عبداللہ بن ابی الخیر، شیخ حسین المالکی، شیخ محمد سعید بن سید محمد المغربی، مولانا محمد حامد رضا خاں، مولانا احمد اشرف اشرفی جیلانی، مولانا عمر بن ابوبکر، مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں، مولانا احمد مختار میرٹھی، مولانا ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی، مولانا محمد ظفر الدین بہاری، مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، مولانا محمد شفیع بیسل پوری، مولانا سید محمد دیدار علی الوری، مولانا عبدالاحد قادری، مولانا محمد حسنین رضا خاں، مولانا محمد امجد علی اعظمی، مولانا محمد رحیم بخش آروی، مولانا محمد شریف کوٹلی لوہاراں، مولانا نعیم الدین مرادآبادی، مولانا لعل محمد خاں مدراسی، مولانا امام الدین کوٹلی لوہاراں، مفتی غلام جان ہزاروی، مولانا سید ابوالبرکات سید احمد قادری، میر مومن علی جنیدی، مولانا احمد حسین امروہی، مولانا محمد عمر الدین ہزاروی، حکیم غلام احمد فریدی، مولانا عبدالسلام جبل پوری، پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری، قاری محمد بشیر الدین جبل پوری، مفتی محمد برہان الحق جبل پوری، مولانا محمد حبیب اللہ میرٹھی، قاضی عبدالوحید عظیم آبادی، سید فتح علی شاہ کھروٹہ سیداں۔ (حیات مولانا احمد رضا بریلوی، ص ۲۱۶۔۲۱۵)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے خلفا وتلامذہ کی دینی، علمی، صحافتی اور سیاسی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اگر اسے اجمالی طور پر سمیٹا جائے تو کئی مجلدات تیار ہوسکتی ہیں۔ برصغیر ہندو پاک کے بیشتر دینی وعصری ادارے ایسے ہیں جنہیں اعلیٰ حضرت کے فیض یافتہ علما ومشائخ چلا رہے ہیں۔ ہندوستان میں اعلیٰ حضرت کے فیض یافتہ حضرات کی دینی وملی سرگرمیوں سے تو لوگ خوب واقف ہیں، ہم ذیل میں پاکستان کے چند نمایاں مدارس کا ذکر کرتے ہیں۔ ڈاکٹر پروفیسر مسعود احمد علیہ الرحمہ نے اس کی فہرست یوں پیش کی ہے:

صوبہ پنجاب

(۱) مدرسہ حزب الاحناف، لاہور
(۲) دارالعلوم جامعہ نظامیہ، لاہور
(۳) دارالعلوم جامعہ نعیمیہ، لاہور
(۴) دارالعلوم رضویہ حنفیہ، عارف والا
(۵) دارالعلوم حنفیہ فریدیہ، بصیر پور
(۶) جامعہ قادریہ رضویہ، فیصل آباد
(۷) جامعہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
(۸) جامعہ رضویہ مظہر الاسلام، فیصل آباد
(۹) مدرسہ انوار العلوم، ملتان
(۱۰) مدرسہ اسلامیہ خیر المعاد، ملتان
(۱۱) مدرسہ مظہر العلوم، ملتان
(۱۲) جامعہ محمدیہ، محمدی شریف
(۱۳) دارالعلوم حنفیہ، سیالکوٹ
(۱۴) مدرسہ اویسیہ رضویہ، بہاولپور

(۱۵) جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، راولپنڈی
(۱۶) مدرسہ اشرف المدارس، اوکاڑہ
(۱۷) مدرسہ مظہریہ امدادیہ، بندیال
(۱۸) دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
(۱۹) جامعہ حنفیہ قادریہ، محبوب آباد

صوبہ سندھ

(۲۰) دارالعلوم امجدیہ، کراچی
(۲۱) دارالعلوم نعیمیہ، کراچی
(۲۲) جامعہ تعلیمات اسلامیہ، کراچی
(۲۳) دارالعلوم حامدیہ رضویہ، کراچی
(۲۴) جامعہ رضویہ علیمیہ، کراچی
(۲۵) جامعہ نوریہ رضویہ، کراچی
(۲۶) شمس العلوم جامعہ رضویہ، کراچی
(۲۷) جامعہ فریدیہ رضویہ، کراچی
(۲۸) دارالعلوم سبحانیہ قادریہ، کراچی
(۲۹) جامعہ رضا، کراچی
(۳۰) جامعہ مجددیہ نعیمیہ، کراچی
(۳۱) رکن الاسلام جامعہ مجددیہ، حیدرآباد
(۳۲) دارالعلوم احسن البرکات، حیدرآباد
(۳۳) جامعہ غوثیہ رضویہ، سکھر
(۳۴) جامعہ راشدیہ، پیر جو گوٹھ

صوبہ سرحد

(۳۵) دارالعلوم قادریہ، مردان
(۳۶) جامعہ غوثیہ، پشاور
(۳۷) مدرسہ غوثیہ محمودیہ، مدین

صوبہ بلوچستان

(۳۸) مدرسہ غوثیہ رضویہ، کوئٹہ
(۳۹) دارالعلوم قادریہ قاسمیہ، خضدار
(۴۰) دارالعلوم قاسمیہ، سبی
(۴۱) دارالعلوم غوثیہ رضویہ، خضدار

مقبوضہ کشمیر

(۴۲) مدرسہ جامعہ حنفیہ۔ ہجیرہ
(۴۳) سنی حنفی دارالعلوم، عباس پور
(۴۴) محمدیہ نظامیہ، میر پور

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے خلفا کی درس و تدریس کے علاوہ صحافتی میدان میں بھی نمایاں خدمات ملتی ہیں، خود اعلیٰ حضرت کی ادارت میں ماہنامہ الرضا، بریلی شریف سے نکلتا تھا۔ خلفا میں جن شخصیات نے میدان صحافت میں اپنے وجود کا احساس دلایا ہے، ان میں سے چند کے اسماذیل میں ملاحظہ کریں:

(۱) قاضی عبدالوحید عظیم آبادی نے ۱۳۱۵ھ میں مخزن تحقیق جاری کیا جو بعد میں تحفۂ حنفیہ' کے نام سے مشہور ہوا۔

(۲) مولانا شاہ احمد مختار میرٹھی نے افریقہ سے ایک گجراتی اخبار 'الاسلام' کے نام سے جاری کیا۔

(۳) مولانا احمد حسین امروہی (م: ۱۳۶۱ھ/ ۱۸۴۲ء) نے ۱۸۹۴ء میں امروہہ میں پہلا پریس قائم کیا اور ایک رسالہ گلدستۂ نسیم چمن' جاری کیا۔

(۴) مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی نے مرادآباد سے السوادالاعظم' جاری کیا، جس نے ملک کی سیاسی اور دینی فضا پر بہت اچھا اثر مرتب کیا۔

اور مسلکی خدمات کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوگا کہ ان کے خلفا نے بھی جو خدمات انجام دی ہیں، آج پوری جماعت اور اکیڈمیاں بھی اس کی نظیر پیش نہیں کر سکی ہیں، بلکہ ان کے کارناموں کو ابھی تک پورے طور پر سمیٹ نہیں سکی ہے۔ ذیل میں عرب و عجم کے چند مشاہیر خلفا کی فہرست ملاحظہ کریں:

شیخ محمد عبدالحیٔ، شیخ عبداللہ دہان، شیخ علی بن حسین، شیخ اسماعیل خلیل، شیخ بکر رفیع، شیخ محمد جمال، شیخ مصطفیٰ خلیل، شیخ ابی حسین مرزوقی، شیخ عبداللہ میرداد، شیخ مامون البری، شیخ حسن العجمی، سید سالم بن عیدروس، شیخ اسعد الدہان، شیخ الدلائل سید محمد سعید، سید ابوبکر بن سالم، شیخ عبدالرحمٰن، شیخ عمر المحروسی، شیخ محمد بن عثمان دہلان، شیخ علی بن حسین، شیخ عمر بن حمدان، شیخ محمد یوسف، شیخ عابد بن حسین، شیخ احمد خضراوی، شیخ عبدالقادر کردی، شیخ جمال بن محمد مرزوق، شیخ ابوالحسن محمد المرزوقی، شیخ محمد بن سید ابی بکر الرشیدی، شیخ عبداللہ بن ابی الخیر، شیخ حسین المالکی، شیخ محمد سعید بن سید محمد المغربی، مولانا محمد حامد رضا خاں، مولانا احمد اشرف اشرفی جیلانی، مولانا عمر بن ابوبکر، مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں، مولانا احمد مختار میرٹھی، مولانا ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی، مولانا محمد ظفر الدین بہاری، مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، مولانا محمد شفیع بیسل پوری، مولانا سید محمد دیدار علی الوری، مولانا عبدالاحد قادری، مولانا محمد حسنین رضا خاں، مولانا محمد امجد علی اعظمی، مولانا محمد رحیم بخش آروی، مولانا محمد شریف کوٹلی لوہاراں، مولانا نعیم الدین مرادآبادی، مولانا لعل محمد خاں مدراسی، مولانا امام الدین کوٹلی لوہاراں، مفتی غلام جان ہزاروی، مولانا سید ابوالبرکات سید احمد قادری، میر مومن علی جنیدی، مولانا احمد حسین امروہی، مولانا محمد عمر الدین ہزاروی، حکیم غلام احمد فریدی، مولانا عبدالسلام جبل پوری، پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری، قاری محمد بشیر الدین جبل پوری، مفتی محمد برہان الحق جبل پوری، مولانا محمد حبیب اللہ میرٹھی، قاضی عبدالوحید عظیم آبادی، سید فتح علی شاہ کھروٹہ سیداں۔ (حیات مولانا احمد رضا بریلوی، ص ۲۱۶-۲۱۵)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے خلفا و تلامذہ کی دینی، علمی، صحافتی اور سیاسی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اگر اسے اجمالی طور پر سمیٹا جائے تو کئی مجلدات تیار ہو سکتی ہیں۔ برصغیر ہند و پاک کے بیشتر دینی و عصری ادارے ایسے ہیں جنہیں اعلیٰ حضرت کے فیض یافتہ علما و مشائخ چلا رہے ہیں۔ ہندوستان میں اعلیٰ حضرت کے فیض یافتہ حضرات کی دینی و ملی سرگرمیوں سے تو لوگ خوب واقف ہیں، ہم ذیل میں پاکستان کے چند نمایاں مدارس کا ذکر کرتے ہیں۔ ڈاکٹر پروفیسر مسعود احمد علیہ الرحمہ نے اس کی فہرست یوں پیش کی ہے:

صوبہ پنجاب

(۱) مدرسہ حزب الاحناف، لاہور
(۲) دارالعلوم جامعہ نظامیہ، لاہور
(۳) دارالعلوم جامعہ نعیمیہ، لاہور
(۴) دارالعلوم رضویہ حنفیہ، عارف والا
(۵) دارالعلوم حنفیہ فریدیہ، بصیر پور
(۶) جامعہ قادریہ رضویہ، فیصل آباد
(۷) جامعہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
(۸) جامعہ رضویہ مظہر الاسلام، فیصل آباد
(۹) مدرسہ انوار العلوم، ملتان
(۱۰) مدرسہ اسلامیہ خیر المعاد، ملتان
(۱۱) مدرسہ مظہر العلوم، ملتان
(۱۲) جامعہ محمدیہ، محمدی شریف
(۱۳) دارالعلوم حنفیہ، سیالکوٹ
(۱۴) مدرسہ اویسیہ رضویہ، بہاولپور

(۱۵) جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، راولپنڈی
(۱۶) مدرسہ اشرف المدارس، اوکاڑہ
(۱۷) مدرسہ مظہریہ امدادیہ، بندیال
(۱۸) دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
(۱۹) جامعہ حنفیہ قادریہ، محبوب آباد

صوبہ سندھ

(۲۰) دارالعلوم امجدیہ، کراچی
(۲۱) دارالعلوم نعیمیہ، کراچی
(۲۲) جامعہ تعلیمات اسلامیہ، کراچی
(۲۳) دارالعلوم حامدیہ رضویہ، کراچی
(۲۴) جامعہ رضویہ علیمیہ، کراچی
(۲۵) جامعہ نوریہ رضویہ، کراچی
(۲۶) شمس العلوم جامعہ رضویہ، کراچی
(۲۷) جامعہ فریدیہ رضویہ، کراچی
(۲۸) دارالعلوم سبحانیہ قادریہ، کراچی
(۲۹) جامعہ رضا، کراچی
(۳۰) جامعہ مجددیہ نعیمیہ، کراچی
(۳۱) رکن الاسلام جامعہ مجددیہ، حیدرآباد
(۳۲) دارالعلوم احسن البرکات، حیدرآباد
(۳۳) جامعہ غوثیہ رضویہ، سکھر
(۳۴) جامعہ راشدیہ، پیر جو گوٹھ

صوبہ سرحد

(۳۵) دارالعلوم قادریہ، مردان
(۳۶) جامعہ غوثیہ، پشاور
(۳۷) مدرسہ غوثیہ محمودیہ، مدین

صوبہ بلوچستان

(۳۸) مدرسہ غوثیہ رضویہ، کوئٹہ
(۳۹) دارالعلوم قادریہ قاسمیہ، خضدار
(۴۰) دارالعلوم قاسمیہ، سبی
(۴۱) دارالعلوم غوثیہ رضویہ، خضدار

مقبوضہ کشمیر

(۴۲) مدرسہ جامعہ حنفیہ۔ ہجیرہ
(۴۳) سنی حنفی دارالعلوم، عباس پور
(۴۴) محمدیہ نظامیہ، میر پور

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے خلفا کی درس وتدریس کے علاوہ صحافتی میدان میں بھی نمایاں خدمات ملتی ہیں، خود اعلیٰ حضرت کی ادارت میں ماہنامہ الرضا، بریلی شریف سے نکلتا تھا۔ خلفا میں جن شخصیات نے میدان صحافت میں اپنے وجود کا احساس دلایا ہے، ان میں سے چند کے اسماذیل میں ملاحظہ کریں:

(۱) قاضی عبدالوحید عظیم آبادی نے ۱۳۱۵ھ میں مخزن تحقیق جاری کیا جو بعد میں تحفۂ حنفیہ' کے نام سے مشہور ہوا۔

(۲) مولانا شاہ احمد مختار میرٹھی نے افریقہ سے ایک گجراتی اخبار 'الاسلام' کے نام سے جاری کیا۔

(۳) مولانا احمد حسین امروہی (م:۱۳۶۱ھ/۱۸۴۲ء) نے ۱۸۹۴ء میں امروہہ میں پہلا پریس قائم کیا اور ایک رسالہ گلدستہ نسیم چمن' جاری کیا۔

(۴) مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی نے مرادآباد سے السواد الاعظم' جاری کیا، جس نے ملک کی سیاسی اور دینی فضا پر بہت اچھا اثر مرتب کیا۔

موصوف ہی کے تلمیذ رشید مفتی محمد حسین نعیمی لاہور سے ماہنامہ عرفات' نکال رہے ہیں اور دوسرے شاگرد رشید علامہ پیر محمد کرم شاہ صاحب بھیرہ سے ماہنامہ ضیائے حرم نکال رہے ہیں۔ کراچی کا ماہنامہ ترجمان اہل سنت' پہلے پہل غالباً علامہ مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمہ کی کوشش سے جاری ہوا تھا۔

(۵) مولانا محمد شریف کوٹلوی علیہ الرحمہ (م: ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء) نے امرتسر سے ہفت روزہ الفقیہ' جاری کیا، آپ ہی کے صاحبزادے مولانا ابوالنور محمد بشیر سیالکوٹی نے کوٹلی لوہاراں سے ماہنامہ ماہ طیبہ' جاری کیا جو غالباً بند ہو گیا۔

(۶) علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری علیہ الرحمہ نے لاہور سے ماہنامہ رضوان' جاری کیا۔

(۷) مولانا عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے علامہ شاہ احمد نورانی نے کراچی سے اخبار المدینہ' جاری کیا، موصوف نے ایک انگریزی ماہنامہ "The Message International" بھی جاری کیا اور آپ ہی کی کوشش سے بریڈفورڈ (انگلینڈ) میں ''ورلڈ اسلامک مشن'' کا صدر دفتر قائم ہوا، جہاں سے ''الدعوۃ الاسلامیہ'' نکل رہا ہے۔ مولانا عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمہ کے فرزند نسبتی ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری نے ''جامعہ علیمیہ'' سے ماہنامہ "The Minart" جاری کیا۔

مندرجہ بالا اخبارات و رسائل کے علاوہ پاکستان کے مختلف شہروں سے بہت سے رسائل نکل رہے ہیں جو فاضل بریلوی کے خلفا اور تلامذہ کے زیر اثر ہیں۔ مثلاً:

(۱) ماہنامہ الحسن، پشاور
(۲) ماہنامہ تاج، کراچی
(۳) ماہنامہ نور اسلام، شرقپور
(۴) ماہنامہ فیض رضا، فیصل آباد
(۵) ماہنامہ سلسبیل، لاہور
(۶) ہفت روزہ مبصر، فیصل آباد
(۷) ماہنامہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ
(۸) پندرہ روزہ السواد الاعظم، لاہور
(۹) ماہنامہ انوار الصوفیہ، قصور
(۱۰) ہفت روزہ الہام، بہاولپور
(۱۱) ماہنامہ مہر و ماہ، لاہور
(۱۲) ماہنامہ نعت، لاہور
(۱۳) ماہنامہ سلطان العارفین، گکھڑ (گوجرانوالہ)

مزید رسائل:

(۱۴) معارف رضا، کراچی
(۱۵) جہان رضا، کراچی

ہندوستان اور انگلستان میں بھی اہل سنت کے رسائل نکل رہے ہیں، ان میں چند ایک یہ ہیں:

(۱) ماہنامہ استقامت، کانپور
(۲) ماہنامہ نوری کرن، بریلی
(۳) ماہنامہ پاسبان، الہ آباد
(۴) ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی
(۵) ماہنامہ المیزان، ممبئی
(۶) ماہنامہ مولوی، دہلی
(۷) ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور اعظم گڑھ
(۸) ماہنامہ سلطان الہند، اجمیر شریف
(۹) پندرہ روزہ حنفی، سری نگر کشمیر
(۱۰) ماہنامہ سنی دنیا، بریلی
(۱۱) ماہنامہ حجاز جدید، نئی دہلی
(۱۲) ماہنامہ حجاز، لندن

(۱۳) ماہنامہ اسلام ٹائمز، اسٹاک پورٹ
(۱۴) ماہنامہ قاری، دہلی
(۱۵) ماہنامہ فیض الرسول، براؤں شریف
ان میں اکثر کی اشاعت بند ہو چکی ہے۔

مزید رسائل:

(۱۶) ماہنامہ کمال، پوکھریرا سیتامڑھی، بہار
(۱۷) ماہنامہ نور الہدیٰ، پوکھریرا سیتامڑھی بہار
(۱۸) ماہنامہ تحفۂ رضویہ، پیلی بھیت شریف
(۱۹) ماہنامہ تجلیات، ناگپور
(۲۰) ماہنامہ اشرفی، کچھوچھہ شریف
(۲۱) ماہنامہ اہل سنت، سنبھل
(۲۲) ماہنامہ حجاز، پکسرا واں، رائے بریلی
(۲۳) سہ ماہی رفاقت، پٹنہ
(۲۴) ہفت روزہ شان ملت، پٹنہ
(۲۵) ہفت روزہ تاجدار، ممبئی
(۲۶) ماہنامہ نور مصطفیٰ، پٹنہ
(۲۷) ماہنامہ دامن مصطفیٰ، بریلی شریف
(۲۸) ماہنامہ سنی آواز، ناگپور
(۲۹) اہل سنت کی آواز، مارہرہ شریف
(۳۰) سہ ماہی امجدیہ، گھوسی
(۳۱) ماہنامہ بطحا، حیدر آباد
(۳۲) ماہنامہ جامعہ، روناہی فیض آباد
(۳۳) ماہنامہ فیضان، جمشید پور
(۳۴) سہ ماہی سنی دعوتِ اسلامی، ممبئی
(۳۵) ماہنامہ ضیائے صابر، ممبئی
(۳۶) ماہنامہ پیام حرم، جمدا شاہی بستی
(۳۷) ماہنامہ کنز الایمان، دہلی
(۳۸) ماہنامہ ماہ طیبہ (ہندی) راجستھان
(۳۹) ماہنامہ پیغام رسول (ہندی)، اندور
(۴۰) ماہنامہ برکات رضا، علی گڑھ
(۴۱) سہ ماہی تجلیات رضا، بریلی شریف
(۴۲) ماہنامہ الحبیب، پکسرا واں
(۴۳) ماہنامہ ضیائے حبیب، دھام نگر شریف اڑیسہ
(۴۴) ماہنامہ تبلیغ سیرت، کلکتہ
(۴۵) ماہنامہ برکات خواجہ، پور بندر گجرات
(۴۶) سہ ماہی رضا بک ریویو، پٹنہ بہار
(۴۷) سہ ماہی افکار رضا، ممبئی
(۴۸) ماہنامہ دین فطرت، بنگلور
(۴۹) ماہنامہ نعمت، چھپرا بہار
(۵۰) ماہنامہ ترجمان اہل سنت، پیلی بھیت
(۵۱) ماہنامہ طیبہ، احمد آباد گجرات
(۵۲) ماہنامہ یٰسین (ہندی) جودھپور
(۵۳) سہ ماہی الکوثر، سہسرام

مسعود ملت لکھتے ہیں:

’’مدارس عربیہ کے قیام اور اخبارات و رسائل کے اجرا کے علاوہ فاضل بریلوی کے خلفا نے تصنیفی میدان میں بھی اہم خدمات انجام دی ہیں۔ ’’خلفائے اعلیٰ حضرت‘‘ (مصنفہ محمد صادق قصوری) میں تقریباً ۱۶۸ تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں بیشتر تصانیف وہ ہیں جو انجمن ترقی اردو (کراچی) کی قاموس الکتب میں شامل نہیں، اس لیے یہ تفصیلات قاموس کے لیے ایک اہم ذخیرہ ہیں۔ مزید تلاش و جستجو کی جائے تو یہ تعداد ہزار سے بھی متجاوز ہو سکتی ہے‘‘۔

حضرت فاضل بریلوی کے خلفا نے تبلیغی، تدریسی، صحافتی اور تصنیفی میدانوں کے علاوہ سیاسی میدان میں بھی قابل قدر خدمات انجام دی

ہیں ۔ چنانچہ تحریک خلافت، تحریک ترک موالات، تحریک شدھی وغیرہ میں آپ کے صاحبزادگان اور خلفا نے جو خدمات انجام دی ہیں، نا قابل فراموش ہیں ۔ان حضرات میں یہ قابل ذکر ہیں :

(۱) حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی
(۲) حضرت مولانا محمد حامد رضا خاں
(۳) حضرت مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں
(۴) پروفیسر سید سلیمان اشرف
(۵) مولانا شاہ احمد مختار صدیقی
(۶) مولانا محمد عبد العلیم صدیقی
(۷) مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی
(۸) مولانا محمد امجد علی اعظمی
(۹) مولانا عبد السلام باندوی
(۱۰) مفتی غلام جان ہزاروی
(۱۱) مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری
(۱۲) سید فتح علی شاہ
(۱۳) مفتی محمد برہان الحق جبل پوری
(۱۴) مولانا عبد الحامد بدایونی
(۱۵) مولانا تقدس علی خاں
(۱۶) مولانا عارف اللہ شاہ میرٹھی
(۱۷) مولانا عبد الغفور ہزاروی علیہم الرحمہ

مزید تفصیل کے لیے ''خلفائے محدث بریلوی علیہ الرحمہ'' دیکھئے۔

اگر امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے خلفائے عظام کی خدمات کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو مقالہ طویل سے طویل تر ہو جائے گا۔ اس لیے تفصیل سے گریز کرتا ہوں ۔اہل علم وفن ان کی خدمات سے خوب واقف ہیں، وہ خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں ۔ان کے خلفا نے جو خدمات انجام دی ہیں، اس کی نوعیت ، کیفیت اور اہمیت کیا ہے۔ ہاں یہ بات عرض کر دینی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اشرفیہ حافظ ملت سے ہے، حافظ ملت صدر الشریعہ سے ہیں اور صدر الشریعہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے ہیں ۔اگر کوئی اس کے خلاف سوچتا، لکھتا اور بولتا ہے تو وہ حضور حافظ ملت کی روح کو اذیت دیتا ہے۔

دوسری بات مضمون نگار نے جامعہ اشرفیہ کو اہل سنت کے مرکز کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے جب کہ ذیشان مصباحی نے اپنے مضمون دعوت وتبلیغ کی راہیں مسدود کیوں ؟ میں مرکز کی بحث کو غایت درجہ فضول وعبث قرار دیا ہے جسکی تائید حضرت مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی، مولانا مفتی بدر عالم مصباحی اور مولانا مبارک حسین مصباحی نے کی ہے ذیشان صاحب لکھتے ہیں :

> ''ماضی کے کچھ سالوں سے ایک نیا مسئلہ 'مرکز سنیت' کا سامنے آیا ہے جو غایت درجہ فضول وعبث ہے، اس سے پہلے تاریخ میں کبھی بھی ایسی بحث نہیں چھڑی ، کسی نے بغداد ،عراق ،کوفہ ،بصرہ ،دہلی وغیرہ شہروں کو اسلام یا شریعت وطریقت یا سنیت کا مرکز نہیں کہا، حالانکہ ان شہروں میں بھی بڑے بڑے علما اور داعیان اسلام پیدا ہوئے ، پھر آج یہ بحث کیسی کہ کوئی کہے مبارک پور اہل سنت کا مرکز ہے یا کچھوچھہ مقدسہ اہل سنت کا مرکز ہے یا بریلی مرکز اسلام و سنت ہے'' (جام نور دہلی اکتوبر ۲۰۰۷ء ص ۲۲)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی یا حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی الشاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی قدس سرہما اور بریلی شریف کی مرکزیت ہی کو کیوں نشانہ بنایا جا رہا ہے؟ اور نشانہ بنانے والے سارے افراد کا تعلق ایک ہی ادارہ (الجامعۃ الاشرفیہ) سے ہے۔ ہندوستان میں اہل سنت کے اور بھی سیکڑوں مرکزی ادارے ہیں، جن کی خدمات کے روشن ابواب محسوس پیکر میں دیکھے جا سکتے

ہیں، ان اداروں کے فضلا بھی ملک عزیز کی سرحدوں سے نکل کر غیر ممالک میں دین متین اور مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہیں، اگر ناقدین کے افکار کا جائزہ لیا جائے تو ایسا محسوس ہوگا کہ سب کے سب متحد الخیال ہیں اور کام منظم پلان کے تحت کیا جا رہا ہے، یہ کہنا کہ ماضی قریب یا عصر حاضر کے مصنفین کی کتابوں میں اعلیٰ حضرت سے پہلے کے بزرگوں کی کتابوں کے حوالے نہیں ملتے۔ ایسا وہی شخص کہہ سکتا ہے، جس نے عصر حاضر کے محققین و مولفین کا تحریری سرمایہ نہ دیکھا ہو۔ اعلیٰ حضرت کے بعد فتاوے کی بہت ساری کتابیں سامنے آئی ہیں، ان فتاوٰوں کو الٹ کر دیکھ لیجئے، ان میں ہر زمانے کے فقہا و محدثین کے حوالے ستاروں کی طرح چمکتے دکھائی دیں گے۔ اگر کسی کی آنکھ روشنی سے محروم ہو تو اس میں اعلیٰ حضرت کا کیا قصور ہے۔ خود اعلیٰ حضرت پہ جو مقالات لکھے گئے ہیں، یا لکھے جا رہے ہیں، ان میں دوسرے بزرگوں کے حوالوں کی بھیڑ نظر آئے گی۔ یہ کہنا کہ ہمارے فقہی سیمناروں مین کوئی بات اس وجہ سے کیوں ٹھکرا دی جاتی ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت کی تحقیق سے مختلف ہے، ایسا کہنا بھی جہالت و نادانی ہے۔ محسوس حقائق سے اس دعوے کی نفی ہوتی ہے۔ اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تحقیق میں جو قوت ہے، آج کی علمی دنیا اس قوت سے محروم ہے۔ آپ ایک غیر جانب دار محقق مولانا کوثر نیازی پاکستان کا بیان دیکھئے:

''میری ساری عمر کتاب خانہ میں گذری ہے، میں دعوے سے کہتا ہوں کہ امام احمد رضا کی کتابوں کی شان یہ ہے کہ ان میں جو علوم ہیں، ان کی کتابوں کے ہر صفحہ سے اس دور کی ایک کتاب بن سکتی ہے اور آپ جب حجاز گئے ہیں، وہاں مسئلہ علم غیب پر بات چلی ہے، مباحثہ ہوا ہے اور اعتراضات ہوئے ہیں، تو آپ نے جو کتاب لکھی ہے اس موضوع پر ایسی لاجواب کتاب میری نظر سے نہیں گزری اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ عربی، اردو اور فارسی کے ذخیرے میں نہیں ہے'' (دیکھئے امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت)

یہ اس شخص کا اعتراف ہے، جس کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ''میں نے جتنی کتابیں پڑھی ہیں، اتنی روٹیاں نہیں کھائی ہیں۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ میں نے علم کا کنارہ پا لیا ہے، لیکن جب میں نے امام احمد رضا کا مطالعہ کیا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں ابھی ساحل ہی پہ کھڑا ہوں''۔ دیکھئے جس شخص کی علمی اور لسانی صلاحیتوں کو پوری دنیا تسلیم کرتی ہے، یہ اس شخص کا دعویٰ ہے۔ اگر یہی بات کسی ہم جماعت عالم اور محقق کی زبان سے نکلی ہوتی تو اسے عقیدت کا شاخسانہ قرار دے دیا جاتا اور آسانی کے ساتھ کہہ دیا جاتا یہ ساری باتیں عقیدت کے زیر اثر کہی گئی ہیں۔ کل کی علمی دنیا امام احمد رضا کے علمی مقام و مرتبے کے اعتراف میں کسی مصلحت کی شکار نہ تھی۔ اس سلسلے میں اہل علم اپنی جماعتی اور گروہی حد بندیوں کا بھی پاس و لحاظ نہیں کرتے تھے۔ لیکن آج جنہیں اعلیٰ حضرت کی کتابیں پڑھنے اور سمجھنے کا شعور نہیں ہے، وہ امام احمد رضا کا منہ چڑھانے چلے ہیں۔

یہ کہنا کہ 'کنز الایمان' سے بہتر قرآن حکیم کا ترجمہ آ سکتا ہے، تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟ آیئے میدان میں اترئے اور اپنے کلاہ افتخار میں چار چاند لگا لیجئے اور تنہا یہ کام انجام نہ دے سکے تو اپنی پوری جمعیت کو اکٹھا کر لیجئے۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ آپ اپنی پوری جمعیت کے ساتھ قرآن حکیم کا ترجمہ تو کیا، 'کنز الایمان' سے بہتر صرف سورۂ فاتحہ کا ترجمہ بھی نہیں کر سکتے؟ قرآنی آیات کے ترجمے کے وقت جو 'کنز الایمان' کے ترجموں کی نقل کا التزام کیا جاتا ہے۔ اس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کے اردو تراجم میں 'کنز الایمان' سے بہتر کوئی دوسرا ترجمہ نہیں ہے، اگر ہوتا تو لوگ یقیناً اس کا حوالہ پیش کرتے۔ جماعت اہل سنت کی طرف سے کوئی ایسا قانون نافذ نہیں کیا گیا ہے کہ تمام مصنفین، مولفین اور محققین قرآنی آیات کا ترجمہ کرتے وقت اگر 'کنز الایمان' کے ترجمے کا التزام نہیں کرتے ہیں تو انہیں لائق گردن زنی قرار دیا جائے گا۔ جماعت اہل سنت تو خود بعض نادان دوستوں کی کرم فرمائیوں کی وجہ سے خانوں میں تقسیم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ جماعت کا کوئی ایسا قائد نہیں ہے جس کے قول و فعل کو لوگ سند کا درجہ دیتے ہوں، ایک امام احمد رضا قادری برکاتی کی ذات ہے جس کو سامنے رکھ کر اتحاد کی ہر نئی عمارت کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے، اسے بھی متنازع بنانے کی کوشش زور پکڑتی جا رہی ہے اور یہ کام اپنے ہی لوگوں کے ذریعہ سر انجام پا رہا ہے۔ اس لیے اب ہمیں اپنی صلاحیتوں کو

اپنے ہی لوگوں کے تعاقب میں صرف کرنا پڑ رہا ہے۔ اگر ان مفسدین کو نظر انداز کر دیا جائے تو ان کی جرأت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور ان کی افرادی قوت بھی بڑھتی چلی جائے گی۔

ہماری جماعت کے بزرگ ترین عالم دین مولانا یٰسین اختر مصباحی نے فرمایا کہ جام نور کا جو لوگ تعاقب کر رہے ہیں، ان کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے۔ اتفاق سے ان کا تعلق بھی جامعہ اشرفیہ سے ہے، انہوں نے بریلی شریف میں علما کی ایک میٹنگ کے دوران فرمایا ''علما کے اتفاق سے جام نور کے مکمل بائیکاٹ کا اعلان کر دیا جائے''۔ دونوں بیان میں کس قدر تضاد ہے، اہل علم پر مخفی نہیں کہ انہیں کہنا تو یہ چاہئے کہ جو رسائل میراث اسلاف سے الجھ رہے ہیں اور جماعتی اتحاد کے لیے خطرات پیدا کر رہے ہیں، ان کی حوصلہ شکنی کی جانی چاہئے، اتفاق رائے سے اس کے بائیکاٹ کا اعلان ہونا چاہئے اور جو لوگ ان کا تعاقب کر رہے ہیں ان کی ہر طرح سے حمایت ہونی چاہئے۔ اس سلسلے میں یہ نہ دیکھا جائے کہ تعاقب کرنے والے کی علمی یا معاشرتی حیثیت کیا ہے۔ اگر سچائی کا نور جھوپڑی سے پھیل رہا ہے تو اس کا احترام کیا جائے اور سچائی پہ ڈھول ڈالنے کی کوششیں محل سے ہو رہی ہیں تو اس محل کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔

اس حقیقت سے شاید کسی انصاف پسند آدمی کو انکار نہ ہو کہ جام نور کے خلاف پہلی معتبر آواز پیغام رضا کی شکل میں ظاہر ہوئی، اس آواز کے مثبت اور دور رس اثرات ملک و بیرون ملک محسوس کیے جا رہے ہیں، پیغام رضا نے درجنوں خیموں کی طنابیں کاٹ کر رکھ دی ہیں، پیغام رضا کے پلیٹ فارم سے پہلے ایک استفتا ترتیب دیا گیا اور اسے ملک کے مختلف مرکزی دار الافتاؤں کو بھیجا گیا۔ جن مفتیان کرام نے استفتا کا جواب دیا، ان میں حضرت مولانا مفتی اختر حسین صاحب دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی کا جواب بڑا تفصیلی اور تحقیقی تھا۔ مفتی اختر حسین صاحب کے فتویٰ کی تصدیق قریب قریب تین سو سے زائد علما و مفتیان کرام نے کی ہے۔ تائیدات کا سلسلہ بند کر دیا گیا، ورنہ تعداد ہزار تک پہنچ سکتی تھی۔ تائید کرنے والی مشاہیر شخصیات میں جانشین حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا اختر رضا خاں ازہری بریلی شریف، شہزادۂ صدر الشریعہ محدث کبیر حضرت مولانا مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب امجدی، نمونۂ اسلاف حضرت مولانا مفتی سید شاہد علی صاحب رامپور، امام المنطق و فلسفہ حضرت مولانا مفتی شبیر حسن رضوی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ رونا ہی، حضرت مولانا مفتی قاضی عبد الرحیم بستوی بریلی شریف، حضرت مولانا مفتی سید محمد حسینی اشرفی مصباحی سجادہ نشین آستانۂ عالیہ اشرفیہ ناگپور، شبیہ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی سبطین رضا صاحب رائے پور، حضرت مولانا مفتی اشرف رضا قادری قاضی شریعت مہاراشٹرا، شہزادۂ سید العلما حضرت سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمی سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف، حضرت مولانا مفتی نعیم اللہ خان صاحب شیخ الجامعہ دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف، شہزادگان شیر بیشۂ اہل سنت مولانا ادریس رضا خاں، مولانا مسعود رضا خان، مولانا مشہود رضا خاں مولانا زرتاب رضا خاں پیلی بھیت شریف کے اسما شامل ہیں۔

مذکورہ اکابر شخصیات نے حضرت مولانا مفتی اختر حسین صاحب علیمی کے فتویٰ کی تائید و حمایت کر کے عملاً جام نور سے اپنی بیزاری کا اعلان و اظہار کر دیا ہے۔ پیغام رضا تحریک میں ان حضرات کی شمولیت کے بعد اگر مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب کہتے ہیں کہ جو لوگ جام نور کی مخالفت کر رہے ہیں، ان کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے، یہ اکابر علما کی عزت و حرمت پر حملہ ہے کہ نہیں؟

مرتبین اعلامیہ کی دو رنگی پالیسی:

پیغام رضا اپریل تا جون ۲۰۰۸ء کی اشاعت کے بعد چند بزرگ شخصیات کو جماعتی انتشار کا احساس شدت سے ہونے لگا، انہوں نے جماعتی اتحاد کے جذبے سے سرشار ہو کر کئی صفحات پر مشتمل ایک اعلامیہ جاری کیا، جس کی اشاعت تسلسل کے ساتھ ماہنامہ 'کنز الایمان' دہلی اپریل

۲۰۰۸ء، ماہنامہ 'اشرفیہ' اپریل ۲۰۰۸ء اور ماہنامہ 'اعلیٰ حضرت' بریلی شریف اپریل ۲۰۰۸ء میں ہوئی۔ لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انتشار کا احساس اور اتحاد کا خیال پیغام رضا کی اشاعت کے بعد ہی کیوں آیا؟ پیغام رضا کی حیثیت صرف ایک دفاعی آواز کی ہے۔ اس میں ان طاقتوں کا سنجیدہ تعاقب کیا گیا ہے، جو تواتر کے ساتھ میراث اسلاف کو نشانہ بنا رہی تھیں۔ جام نور کی ریشہ دوانیاں تو بہت پہلے سے جاری تھیں، جس کا اظہار ماہنامہ 'اشرفیہ' مئی ۲۰۰۶ء کے مہمان اداریہ میں کھلے لفظوں میں کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا مقبول احمد مصباحی لکھتے ہیں:

"یہ تنقید و ادب کے نام پر لفظوں کو ننگا کرنے اور قدروں کو پامال کرنے کا آئے کار نہیں جو جدیدیت کے سہارے اپنے بزرگوں کے سروں کی پگڑیاں اچھالنے کے سوانگ رچائے۔ یہ بغاوت کے اسباق فکری ارتداد اور ذہنی عیاشی کا دلدادہ بھی نہیں جو آزادیٔ اظہار خیال کے نام پر نوجوان ذہنوں کو بغاوت کے اسباق پڑھائے"۔ (ماہنامہ اشرفیہ، مئی ۲۰۰۶ء، ص ۴)

اس کے صرف تین ماہ بعد ہی ماہنامہ جام نور دہلی میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی صاحب کا دھماکہ خیز انٹرویو شائع ہوا، انٹرویو میں اعلیٰ حضرت کے نشان عظمت پر جو ریمارک لگائے گئے ہیں، اسے تاریخ کی بدترین جسارت کا نام دیا جا سکتا ہے۔ غیروں نے امام احمد رضا قادری برکاتی پر جو بے بنیاد الزامات لگائے ہیں۔ شرر صاحب نے ان سب کو بہت پیچھے کر دیا ہے، اس انٹرویو سے اسلاف کے دامن تقدس پہ جو داغ دھبے لگے ہیں، وہ آسانی کے ساتھ صاف نہیں کیے جا سکتے۔

اعلامیہ کی اشاعت اگر ۲۰۰۶ء سے قبل ہو جاتی تو اس کی اہمیت سے کسی کو مجال انکار نہ ہوتا اور مرتبین کی ذات ہر طرح کے شبہات سے بچ جاتی۔ اعلامیہ کے بین السطور سے کئی فتنے جھانک رہے ہیں، اول اس میں جام نور ہی کے موقف کی حمایت کی گئی ہے، جس سے ایک عام قاری کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگتی کہ جام نور کے ڈرامے کو اسٹیج کرنے میں مرتبین اعلامیہ کا بہر حال اہم رول رہا ہے۔

اعلامیہ کی ترتیب کہاں، کس شہر میں عمل میں آئی، یہ بتانا بہت مشکل ہے۔ اس بات کا بھی پتہ نہیں چلتا کہ اس کار خیر میں کون لوگ شریک تھے اور عام قاری اس الجھن کا بھی شکار ہے کہ اعلامیہ کس کی طرف سے جاری کیا گیا ہے۔ عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر بریلی شریف میں حضرت مولانا شہاب الدین صاحب رضوی کے توسط سے ہمیں اعلامیہ کی ایک زیراکس کاپی دستیاب ہوئی، ان سے ہم نے پوچھا کہ یہ کس کی طرف سے جاری ہوا ہے؟ کون لوگ اس کے محرک ہیں؟ تو انہوں نے بتانے سے انکار کر دیا۔ جب ہم بریلی شریف سے دلی واپس ہوئے تو 'کتب خانہ امجدیہ' میں حضرت مولانا لیٰسین اختر مصباحی صاحب سے ملاقات ہوئی، تو ان سے ہم نے اعلامیہ کا تذکرہ کیا اور عرض کیا کہ اس سے جماعتی انتشار کو روکا نہیں جا سکتا، بلکہ اس میں مزید اضافہ ہوگا۔ اس لیے کہ اس میں جام نور کے موقف کی تائید بھی ہے اور اس کا دفاع بھی اور ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف، ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف اور سالنامہ پیغام رضا ۲۰۰۷ء کو مجرمین کی صف میں کھڑا کیا گیا ہے، جب کہ ان رسائل نے اسلاف کے ورثے کو تحفظ فراہم کیا ہے اور کسی کو بیجا تنقید کا نشانہ نہیں بنایا ہے۔ لیکن انہوں نے ہماری کسی بات کو قبول نہیں کیا۔ اس سلسلے میں ان سے بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی، ان کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ اعلامیہ کی ترتیب میں ان کا مشورہ شامل ہے۔ اس لیے کہ انہیں کے حکم سے ماہنامہ کنز الایمان دہلی میں اس کی اشاعت عمل میں آئی ہے۔ مگر اعلامیہ کے مؤیدین میں ان کا نام دور دور تک نظر نہیں آتا۔ ان کے نام کی عدم شمولیت سے کئی سوالات جنم لیتے ہیں۔ پہلا سوال یہ اٹھتا ہے کہ اگر اعلامیہ نیک نیتی پر مبنی ہوتا تو وہ اس کی تائید ضرور کرتے۔ دوسرا سوال یہ اٹھتا ہے کہ اس سے جام نور کے موقف کی حمایت کا اظہار ہوتا ہے اور جام نور کی جو بھی حمایت کرے گا، اس کی عوامی حیثیت مجروح ہوگی، اسی طرح کے اور بھی سوالات اٹھتے ہیں۔ اس پہلو پر پھر کبھی گفتگو کی جائے گی۔

اعلامیہ کے مرتبین اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی، حضور مفتی اعظم ہند قادری برکاتی قدس سرہما اور بریلی شریف کی مرکزیت کے

تعلق سے مخلص نہیں ہیں، اگر ان میں خلوص ہوتا تو وہ اعلیٰ حضرت اور حضور مفتی اعظم ہند کی تحقیقات سے کسی کو علمی اختلاف کی بھی اجازت نہیں دیتے، اگر اختلاف کی اجازت دے دی جاتی ہے تو ہر ایرا غیرا زبان کھولنے لگے گا اور اس سے جماعت کا سکون درہم برہم ہو جائے گا۔ حالاں کہ اعلامیہ میں اس کی بھی صراحت ہے کہ اختلاف کا حق کس کو ہے؟ یہ صراحت بھی جماعت کے حق میں سود مند نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت اور حضور مفتی اعظم ہند کا علمی مقام و مرتبہ اتنا بلند ہے کہ اچھے اچھوں کی وہاں تک رسائی ممکن نہیں۔ علم عمل اور عشق کے اعتبار سے اس زمانے میں کوئی بڑے سے بڑا بھی ان کے قدموں کی دھول نہیں پا سکتا، لیکن مذکورہ بحثیں کسی خاص مقصد کے تحت اٹھائی گئی ہیں۔

بریلی شریف کی مرکزیت کسی بلند و بالا عمارت کا حصہ نہیں ہے، بلکہ اس کی مرکزیت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ سے منسوب ہے۔ اگر کوئی درسگاہ یا خانقاہ خود کو مرکز کے طور پر متعارف کرانا چاہتی ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے اعلیٰ حضرت کا جواب لائے، پھر اپنی مرکزیت کا اعلان کر دے۔ ہمیں اس کی مرکزیت کو تسلیم کرنے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ مرکز قرآنی فیصلہ نہیں ہے کہ وہ تبدیل نہیں ہوگا، لیکن ہم خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ کوئی خانقاہ یا درسگاہ اعلیٰ حضرت کا جواب تو کیا، ان کے تلامذہ کا جواب نہیں لا سکتی۔ اس لیے جماعتی مفاد اسی میں ہے کہ اعلیٰ حضرت اور بریلی شریف کی مرکزیت پر ہی اتحاد کی کوشش جاری رکھی جائے اور مرکز کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کا لائحۂ عمل ترتیب دیا جائے۔

اعلامیہ کا پہلا مسودہ جو ترتیب دیا گیا ہے، اس سے مرتبین کی نیتوں کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اعلامیے کی ابتدائی عبارت ملاحظہ کریں:

''فقیہ اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کی نسبت سے بریلی شریف ہم اہل سنت کا مرکز عقیدت ہے۔ سواد اعظم اہل سنت و جماعت (برصغیر ہند و پاک) کے بیشتر علما و عوام اپنی تحریر و تقریر اور باہمی گفتگو کے وقت کبھی مذہب اہل سنت اور کبھی مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح کا استعمال کرتے ہیں اور بلا شبہ یہ دونوں قدیم و جدید اصطلاحیں شرعاً جائز و درست ہیں۔ مذہب اہل سنت سارے عالم اسلام کی اصطلاحِ عام ہے، جب کہ مسلک اعلیٰ حضرت برصغیر ہند و پاک کی اصطلاح خاص ہے''۔

دوسرے اعلامیے کی ابتدائی عبارت ملاحظہ کریں:

''فقیہ اسلام مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری اور حضور مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان قادری قدس سرہما کی علمی و دینی خدمات کی وجہ سے بریلی شریف مرکز سنیت ہے۔ سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے اکثر علما و عوام اپنی تحریر و تقریر اور باہمی گفتگو کے وقت مذہب اہل سنت کے لیے مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح کا استعمال کرتے ہیں اور یہ اصطلاح بلا شبہ جائز و درست ہے''۔

تیسرے اعلامیے کی ابتدائی عبارت ملاحظہ کریں

فقیہ اسلام مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی اور حضور مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں نوری قادری قدس سرہما کی علمی و دینی خدمات کی وجہ سے بریلی شریف مرکز سنیت ہے، سواد اعظم اہل سنت و جماعت (برصغیر ہند و پاک) کے بیشتر علما و عوام اپنی تحریر و تقریر اور باہمی گفتگو کے وقت کبھی مذہب اہل سنت اور کبھی مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح کا استعمال کرتے ہیں اور بلا شبہ یہ دونوں قدیم و جدید اصطلاحیں شرعاً جائز و درست ہیں۔ مذہب اہل سنت سارے عالم اسلام کی اصطلاح عام ہے، جبکہ مسلک اعلیٰ حضرت برصغیر ہند و پاک کے لوگوں کی اصطلاح خاص ہے''

دہلی کی سرزمین پر جو اعلامیہ ترتیب دیا گیا اس کی ایک عبارت ذیل میں ملاحظہ کریں:

علما و مشائخ اہل سنت پر بلا قید و بند ایسی تنقید و حرف گیری جس سے نمائندہ گان اہل سنت کی ہوا خیزی اور طبقۂ علما سے عوام اہل سنت کے درمیان بے اعتمادی کی فضا پیدا ہوتی ہو تو یہ فکر و عمل اپنے مشتملات کے لحاظ سے حد درجہ خطرناک اور ناجائز ہے جس سے بچنا ضروری ہے، ورنہ یہ جسارت قائل کو کبھی کفر تک پہنچا سکتی ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ، البتہ بعض افراد کی غیر عاقلانہ و غیر عالمانہ حرکتوں کی مخلصانہ اصلاح کی حکیمانہ کوشش میں حرج نہیں، بلکہ ذمہ دار علما کو ایسی کوشش کرنی ہی چاہئے۔ اس سلسلے میں ماہنامہ جام نور دہلی کی بعض تحریریں جو اس وقت زیر بحث ہیں، ان کے لکھنے والوں کو اپنی اصلاح کر لینی چاہئے اور ان کے اوپر واجب ہے کہ کسی بھی انداز سے ایسے خیالات کا اظہار نہ کریں، جس سے عام جذبات اہل سنت کو کسی طرح ٹھیس لگے۔

بریلی شرف کے اعلامیہ میں اسی پیراگراف کو یوں پیش کیا گیا ہے:

علما و مشائخ اہل سنت پر ایسی تنقید و حرف گیری جس سے نمائندگان اہل سنت کی ہوا خیزی اور طبقۂ علما سے عوام اہل سنت کے درمیان بے اعتمادی کی فضا پیدا ہوتی ہو، تو یہ فکر و عمل اپنے مشتملات کے لحاظ سے حد درجہ خطرناک اور ناجائز ہے، جس سے بچنا ضروری ہے ورنہ یہ جسارت قائل کو کبھی کفر تک پہنچا سکتی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ بعض افراد کی ایسی غیر عاقلانہ حرکتوں کی اصلاح کی حکیمانہ کوشش ضروری ہے۔ ذمہ دار علما کو ایسی کوشش کرنی ہی چاہئے۔ اس سلسلے میں ماہنامہ جام نور دہلی کی بعض تحریریں، جو اس وقت زیر بحث ہیں، ان کے لکھنے اور شائع کرنے والوں پر اپنی اصلاح لازم ہے اور ان پر واجب ہے کہ انہوں نے جس طرح ایسی تحریروں کو مشتہر کیا ہے، اسی طرح حکم شرع پر عمل کریں۔

تیسرا اعلامیہ جس کی تائید و تصدیق جماعت اہل سنت کی چار اکابر شخصیات، عزیز ملت حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، حضرت مولانا عبدالشکور صاحب مصباحی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ اور حضرت مولانا مفتی نظام الدین رضوی مصباحی صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے کی ہے۔ اس کا مذکورہ پیراگراف کچھ اس طرح ہے:

''علما و مشائخ اہل سنت پر ایسی تنقید و حرف گیری جس سے نمائندگان اہل سنت کی ہوا خیزی اور طبقۂ علما سے عوام اہل سنت کے درمیان بے اعتمادی کی فضا پیدا ہوتی ہو، تو یہ فکر و عمل اپنے مشتملات کے لحاظ سے حد درجہ خطرناک اور ناجائز ہے، جس سے بچنا ضروری ہے، ورنہ یہ جسارت قائل کو کبھی کفر تک پہنچا سکتی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ بعض افراد کی ایسی حرکتوں کی اصلاح کی حکیمانہ کوشش ضروری ہے اور ذمہ دار علما کو ایسی کوشش کرنی ہی چاہئے۔ اس سلسلے میں ماہنامہ جام نور دہلی کی بعض تحریریں جو اس وقت زیر بحث ہیں، ان کے لکھنے اور شائع کرنے والوں کو اپنی اصلاح کر لینی چاہئے اور ان پر لازم ہے کہ ایسی کسی بات کی اشاعت سے پرہیز کریں، جو مذہب اہل سنت اور شریعت حقہ کی رو سے قابل گرفت ہو''۔

اعلامیہ ملک کے تین معیاری رسائل میں شائع ہوا ہے، لیکن تینوں اعلامیے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ماہنامہ کنزالایمان دہلی میں تائید کرنے والوں کی تعداد تیس ہے۔ ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور میں تائید کرنے والوں کی تعداد ۲۸ رہے، جب کہ ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف میں تائید کرنے والوں کی تعداد صرف چار ہے۔ اعلامیے کا مزید اختلاف ذیل میں ملاحظہ کریں:

(۱) ''گزشتہ چند ماہ سے جاری اس افسوسناک اور باعث تشویش واضطراب سلسلہ کی روک تھام ضروری ہے، جس کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جارہا ہے، ماہنامہ جام نور دہلی کا دو قسطوں پر مشتمل مضمون اور توضیحی اداریہ (۲) ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف، ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف میں شائع جوابی مضمون (۳) سالنامہ پیغام رضا ممبئی ۲۰۰۸ء۔

مندرجہ بالا مضامین وتحریروں کی صحت وصداقت، سطحیت وجذباتیت، غلط فہمی وبدگمانی، قطع وبرید اور جماعتی مفادات ومصالح یہ مضرات ونقصانات کے عناصر واجزا کا اگر بروقت احتساب اور ان کی اصلاح نہ ہوئی تو جماعت اہل سنت کو طرح طرح کے مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

(ماہنامہ کنز الایمان، دہلی اپریل ۲۰۰۸ ص ۵)

(۲) ''علما ومشائخ اہل سنت پر ایسی تنقید وحرف گیری جس سے نمائندگان اہل سنت کی ہوا خیزی اور طبقۂ علما سے عوام اہل سنت کے درمیان بے اعتمادی کی فضا پیدا ہوتی ہو تو یہ فکر وعمل اپنے مشتملات کے لحاظ سے حد درجہ خطرناک اور ناجائز ہے، جس سے بچنا ضروری ہے۔ ورنہ یہ جسارت قائل کو کبھی کفر تک بھی پہنچا سکتی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ بعض حضرات کی ایسی حرکتوں کی اصلاح کی حکیمانہ کوشش ضروری ہے اور ذمہ دار علما کو ایسی کوشش کرنی ہی چاہئے۔ اس سلسلے میں ماہنامہ جام نور دہلی کی بعض تحریریں جو اس وقت زیر بحث ہیں، ان کے لکھنے اور شائع کرنے والوں کو اپنی اصلاح کر لینی چاہئے اور ان پر لازم ہے کہ ایسی کسی حرکت کی اشاعت سے پرہیز کریں جو مذہب اہل سنت اور شریعت حقہ کی رو سے قابل گرفت ہو''۔

(ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور اپریل ۲۰۰۸ ص ۳۴)

(۳) علما ومشائخ پر ایسی تنقید وحرف گیری جس سے نمائندگان اہل سنت کی ہوا خیزی اور طبقۂ علما سے عوام اہلسنت کے درمیان بے اعتمادی کی فضا پیدا ہوتی ہو تو یہ فکر وعمل اپنے مشتملات کے لحاظ سے حد درجہ خطرناک اور ناجائز ہے جس سے بچنا ضروری ہے، ورنہ یہ جسارت قائل کو کبھی کفر تک بھی پہنچا سکتی ہے، العیاذ باللہ تعالیٰ، بعض افراد کی ایسی حرکتوں کی اصلاح کی حکیمانہ کوشش ضرور ہے، اور ذمہ دار علما کو ایسی کوشش کرنی ہی چاہئے، اس سلسلہ میں ماہنامہ جام نور دہلی کی بعض تحریریں جو اس وقت زیر بحث ہیں ان کے لکھنے اور شائع کرنے والوں کو اپنی اصلاح کر لینی چاہئے اور ان پر لازم ہے کہ ایسی کسی حرکت کی اشاعت سے پرہیز کریں جو مذہب اہل سنت اور شریعت حقہ کی رو سے قابل گرفت ہو، (ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف، اپریل ۲۰۰۸ ص ۵۴)

اعلامیہ میں اور بھی باتیں محل نظر ہیں ان پہ بحث آگے کی جائے گی یہاں جام نور کے موقف اور اس کی تضاد بیانی کی تھوڑی وضاحت ضروری ہے، جام نور کا کہنا ہے کہ

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور مفتیِ اعظم ہند کے بارے میں بہت سے ایسے لوگ مل جائیں گے جو یہ خیال رکھتے ہیں کہ کسی بھی مسئلہ میں ان سے معمولی انحراف بھی جہالت وگمرھی ہے جہاں کسی نے ان کے کسی فتویٰ کے خلاف فتویٰ دیا تو اس کی دارو گیر شروع ہوگئی، شدید نقطہ چینی ہوئی بلکہ سب وشتم سے بھی گریز نہیں کیا گیا، اس رجحان نے بہت سے

اپنوں کو دور کر دیا جس سے سواد اعظم کی قوت متاثر ہوئی اور رفتہ رفتہ اس میں بدنظمی، انتشار اور باہم معرکہ آرائی کی صورت حال پیدا ہوگئی۔

اس رجحان کے سبب دوسری مصیبت یہ آن پڑی کہ یہ خیال زور پکڑنے لگا کہ بریلوی انتہائی شدت پسند اور قدامت پرست ہیں۔

کیا یہ باتیں ایسی نہیں کہ لوگ مسلک اعلیٰ حضرت سے بیزار ہوں اور یہ سمجھیں کہ بریلویت، اعلیٰ حضرت کا خانہ زاد فرقہ ہے، کیا اسکی ضرورت نہیں کہ ہم اپنی روش سے باز آئیں اور ''اعتدال'' کو جو مسلک اہل سنت و جماعت کا خاصہ ہے اس کو گلے لگالیں''

پہلی بات تو یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت اور حضور مفتئ اعظم ہند قدس سرہما کی تحقیقات سے کبھی کسی نے اختلاف کیا نہیں ہے اور جو اختلاف ہوا، ضرورت اور حاجت کے تحت ہوا ہے اور اس پر کسی طرح کی معرکہ آرائی کی نوبت نہیں آئی ہے۔ صرف لاؤڈ سپیکر کے جواز و عدم جواز کے مسئلے کو لے کر ہنگامہ ہوا ہے اور ہو رہا ہے، اس مسئلہ کا تعلق صرف حضور مفتی اعظم ہند سے نہیں ہے بلکہ نوے فی صد سے زائد مفتیان کرام مائک کے عدم جواز پہ متفق رہے ہیں۔ حضرت مفتی نظام الدین صاحب کا مائک کے جواز کا فتویٰ نوے فی صد مفتیان کرام کے اتفاق کو چیلنج کے طور پر سامنے آیا ،اس لئے اس پہ شدید قسم کی ھنگامہ آرائی ہوئی اور ہو رہی ہے۔ اسے صرف مفتی اعظم ہند سے جوڑنا شدید قسم کی جہالت و نادانی ہے۔

دوسری بات یہ کہ اگر معرکہ آرائی تسلیم بھی کر لی جاتی ہے تو یہ معرکہ آرائی اپنوں کے درمیان تھی اس سے دوسروں کا کیا تعلق؟ پھر یہ کہنا کہ اس رجحان کے سبب دوسری مصیبت یہ آن پڑی کہ یہ خیال زور پکڑنے لگا کہ بریلوی انتہائی شدت پسند قدامت پرست ہیں گویا کہ اہل سنت کے مفتیان کرام ہی نے بریلویت کی پیشانی پر شدت پسندی کا لیبل لگا دیا۔

تیسری بات یہ کہ مفتیان کرام ہی مسلک اعلیٰحضرت سے بیزار ہونے لگے اور انہوں نے ہی بریلویت کو اعلیٰ حضرت کا خانہ زاد فرقہ قرار دے دیا۔

چوتھی بات یہ کہ مضمون نگار نے اپنے قارئین کو یہ پیغام دینے کی کوشش کی ہے کہ آج جماعت اہل سنت میں جو بے اعتدالیاں در آئی ہیں اس کی وجہ صرف مسلک اعلیٰ حضرت ہے، اس لئے ہماری بھلائی اسی میں ہے کہ ہم مسلک اعلیٰ حضرت کو چھوڑ دیں اور ''اعتدال'' کو جو مسلک اہل سنت و جماعت کا خاصہ ہے اس کو گلے لگالیں، اس کے بعد بھی یہ کہنا کہ جام نور مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان ہے بڑے حیرت کی بات ہے، اب ذیل میں جام نور کی پوری عبارت ملاحظہ کریں:

اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم سے فروعی مسائل میں اختلاف نا قابل معافی جرم:

فروعی مسائل میں اختلاف عصر جدید کی ایجادات سے نہیں ہے، بلکہ قرون اولیٰ تک اس کا سلسلہ دراز ہے، علمائے کرام اور فقہائے کرام انہیں ''توسع'' پر مبنی مانتے ہیں، یہاں پر ''اسلم راستہ'' یہ ہے کہ آج جو عالم آپ کے نزدیک زیادہ معتبر و معتمد ہو اسکی بات پر عمل کیجئے، لیکن دوسرے عالم پر طعن و تشنیع کرنے کا حق آپ کو ہرگز نہیں۔ آپ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دوسرے اولوالعزم پیغمبروں کا مذاق اڑایئے، حنفی ہونے کا یہ قطعی معنیٰ نہیں کہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں نازیبا کلمات کہیے اور شافعیوں اور مالکیوں کا مکمل بائیکاٹ کیجئے، اسی طرح آپ برکاتی و رضوی ہیں تو دوسری خانقاہوں کے مریدین اور ان کے پیروؤں کی تذلیل و تحقیر روا رکھیں، آپ کو بالکل اس کا حق نہیں لیکن اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور مفتی اعظم ہند کے

بارے میں بہت سے ایسے لوگ مل جائیں گے جو یہ خیال رکھتے ہیں کہ کسی بھی مسئلہ میں ان سے معمولی انحراف بھی جہالت اور گمراہی ہے، جہاں کسی نے ان کے کسی فتویٰ کے خلاف فتویٰ دیا تو اسکی دار و گیر شروع ہوگئی، شدید نقطہ چینی ہوئی، بلکہ سب و شتم سے بھی گریز نہیں کیا گیا، اس رجحان نے بہت سے اپنوں کو دور کر دیا، جس سے سواد اعظم کی قوت متاثر ہوئی اور رفتہ رفتہ اس میں بد نظمی، انتشار اور باہم معرکہ آرائی کی صورت حال پیدا ہوگئی۔

اس رجحان کے سبب دوسری مصیبت یہ آن پڑی کہ یہ خیال زور پکڑنے لگا کہ بریلوی انتہائی شدت پسند اور قدامت پرست ہیں، مثلاً بعض جدید مسائل جو آسانی چاہتے ہیں اور جن پر حالات حاضرہ کو سامنے رکھ کر از سر نو تحقیق کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر ہمارے محققین نے ادھر سے آنکھیں بند کر لی ہیں کیوں کہ وہ نہیں چاہتے کہ کسی بھی مسئلہ میں اعلیٰ حضرت سے اختلاف کر کے اپنی شخصیت کو جماعت میں مطعون کریں، بعض نے ہمت کی بھی مگر ان کیخلاف اس طرح ہر چہار جانب سے لوگ بھڑک اٹھے کہ اسے خاموشی ہی میں بھلائی محسوس ہوئی اور اگر کچھ ہمت کر کے میدان تحقیق میں اترنے کی صدائے مبارزت دی تو اسکے ایمان و عمل کے لالے پڑ گئے، مثال کے طور پر قوالی مع مزامیر ہی کو لے لیجئے، عہد قدیم سے اسلاف میں اختلاف رائے رہا ہے، خود اعلیٰ حضرت کے زمانے میں بھی اعلیٰ حضرت کے بعض ماننے والے قوالی کو پسند کرتے تھے، مگر اعلیٰ حضرت نے ان سے رشتہ ناطہ نہیں توڑا، جب کہ آج کے حالات مختلف ہیں۔

کیا یہ باتیں ایسی نہیں کہ لوگ مسلک اعلیٰ حضرت سے بیزار ہوں اور یہ سمجھیں کہ ''بریلویت'' اعلیٰ حضرت بریلوی کا خانہ زاد فرقہ ہے، کیا اس کی ضرورت نہیں کہ ہم اپنی روش سے باز آئیں اور ''اعتدال'' کو جو مسلک اہل سنت و جماعت کا خاصہ ہے گلے لگالیں'' (جام نور دہلی، اکتوبر ۲۰۰۷ ص ۲۱،۲)

مذکورہ تحریر میں چھپے ہوئے فتنوں کو کم پڑھا لکھا شخص بھی آسانی سے محسوس کر سکتا ہے۔ مسلک اعلیٰ حضرت کو چھوڑ دیں اور اعتدال جو مسلک اہل سنت کا خاصہ ہے، اس کو گلے لگالیں۔

اعلامیہ کی اشاعت کا مقصد جماعتی انتشار کو روکنا قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ اس کی اشاعت کا بنیادی مقصد جام نور کی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینا، حضرت مولانا مفتی اختر حسین علیمی کے فتویٰ اور پیغام رضا کے بڑھتے ہوئے اثرات کو روکنا تھا حضرت مولانا مفتی اختر حسین صاحب کا فتویٰ جماعتی اتحاد کے زیر اثر منظر عام پر آیا تھا، اس لئے کہ اس فتویٰ کو تین سو سے زائد علما و مشائخ کی تائید حاصل تھی، اس فتویٰ کی اشاعت کے بعد کسی اعلامیہ کی قطعی کوئی ضرورت نہ تھی، اعلامیہ کے مرتبین و مویدین اگر فتویٰ کی تائید کر دیتے تو جام نور کے اٹھائے ہوئے فتنے خود بخود اپنی موت مر جاتے اور آئندہ پھر کسی میں فتنوں کو ہوا دینے کی جرأت نہ ہوتی اور دوسری مخالف طاقتوں کو بھی جماعت اہل سنت کے اتحاد کا احساس ہو جاتا، اعلامیہ کی اشاعت سے جہاں رضا مخالف ذہنیت کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے وہیں دوسری طاقتوں کو بھی غلط پیغام دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

اعلامیہ کی اشاعت سے پہلے اکثریت کو اعتماد میں لینے کی ضرورت تھی، یا کم از کم امین ملت ڈاکٹر سید شاہ محمد امین میاں صاحب قادری برکاتی سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف، جانشین حضور مفتی اعظم ہند تاج الشریعہ حضرت مولانا مفتی اختر رضا خاں ازہری بریلی شریف، بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبد المنان صاحب اعظمی مبارک پوری، مفتی اعظم راجستھان حضرت مولانا مفتی اشفاق حسین صاحب نعیمی، محدث کبیر حضرت مولانا مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب امجدی، حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی، حضرت مولانا مفتی مجیب اشرف صاحب ناگپور، حضرت مولانا مفتی محمد ایوب مظہر نعیمی مراد آباد، حضرت مولانا مفتی مطیع الرحمٰن صاحب مضطر، حضرت مولانا مفتی صوفی نظام الدین صاحب، حضرت مولانا

مفتی شفیق صاحب شریفی، حضرت مولانا مفتی محمد اشرف رضا قادری رضوی قاضئ شریعت مہاراشٹر وغیرہ کی نگاہوں سے گزار دینا چاہئے، بصورت دیگر مذکورہ شخصیات کی ایک میٹنگ طلب کرلی جاتی اور انہیں جماعت میں بڑھتے ہوئے اختلاف سے آگاہ کیا جاتا پھران کے اتفاق سے اعلامیہ جاری کیا جاتا تو اس کے دوررس نتائج سامنے آتے اور اعلامیہ کے مرتبین پہ جام نور کی حمایت کا الزام بھی نہ آتا جیسا کہ حضرت مولانا مفتی اختر حسین علیمی صاحب کا فتویٰ اکابر شخصیات کی تائید کے بعد ہی منظر عام پر آیا پھر پیغام رضا میں اس کی اشاعت عمل میں آئی

یہاں کوئی یہ سوال اٹھا سکتا ہے کہ پیغام رضا کی اشاعت سے قبل اکابر شخصیات سے مشورہ کیوں نہیں لیا گیا؟ تو ہم عرض کردیں کہ پیغام رضا میں کسی عظیم شخصیت کو نشانہ نہیں بنایا گیا ہے بلکہ اس کے ذریعے صرف اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اور میراث اسلاف کا دفاع کیا گیا ہے، کوئی بھی آواز اگر دفاعی جذبے کے تحت سامنے آتی ہے تو اسے احترام وقبول ہی کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

اعلامیہ میں دو جگہ محدث کبیر حضرت مولانا مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب امجدی پر طنز کیا گیا ہے اگر اعلامیہ اتحاد کے زیر اثر ترتیب دیا جاتا تو مرتبین سے ایسی غلطی نہ ہوتی، محدث کبیر کا ایک جداگانہ مقام ہے ذیل کی تحریر سے مرتبین اعلامیہ کے طنز کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

''جب لوگ نماز یا تلاوت قرآن میں مشغول ہوں تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے خلل کی وجہ سے اس وقت بلند آواز سے صلاۃ وسلام کو ناجائز قرار دیا ہے مگر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری اس کی اجازت دیتے ہیں''

مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان سہ ماہی امجدیہ، گھوسی، جلد ۱، شمارہ ۱ص ۱۳/۱۴

یہاں حوالے کے طور پر سہ ماہی امجدیہ، جلد، شمارہ اور صفحہ کہہ دینا کافی تھا لیکن مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان سہ ماہی امجدیہ گھوسی لکھ کر مرتبین نے مسلک اعلیٰ حضرت اور محدث کبیر سے اپنی خلش کا اظہار کیا ہے حوالے کیلئے ایسا طریقہ کہیں نہیں ملتا، مرتبین نے اعلامیہ میں پیغام رضا کا بھی ذکر کیا ہے لیکن صرف سالنامہ پیغام رضا لکھا ہے ماہنامہ سنی دنیا کا بھی ذکر کیا ہے لیکن صرف ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف لکھا ہے، جہاں انھوں نے مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان سہ ماھی امجدیہ لکھا وہیں مذہب اہل سنت کا ترجمان یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کا نقیب و پاسبان پیغام رضا لکھنا چاہئے مرکز سواد اعظم اہل سنت و جماعت آستانہ عالیہ، قادریہ، برکاتیہ، رضویہ کا علمی، دینی اور اصلاحی ترجمان ماہنامہ سنی دنیا، بریلی شریف لکھنا چاہئے، اگر ایسا وہ کرتے تو ان کی نیتوں پر کسی قسم کا شک نہیں ہوتا۔

ایک دوسری جگہ محدث کبیر پہ یوں طنز کیا ہے:

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے کتابت نسواں سے ممانعت فرمائی ہے مگر اب کچھ اکابر علما اس کی اجازت دیتے ہیں، بلکہ 'کلیۃ البنات' قائم کر کے اس کا اعلیٰ اہتمام بھی فرماتے ہیں۔　　(ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور اپریل ۲۰۰۸ء)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مثال میں محدث کبیر ہی کے ادارہ کا نام کیوں پیش کیا گیا، جہاں تک لڑکیوں کے ادارے کی بات ہے تو ملک میں درجنوں لڑکیوں کے ادارے چلتے ہیں، کسی کا نام دیا جاسکتا تھا یا صرف اتنا کہہ دیا جاتا کہ اب کچھ اکابر علما نہ صرف اس کی اجازت دیتے ہیں بلکہ باضابطہ لڑکیوں کا ادارہ چلاتے ہیں تو بات بن جاتی اور کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہیں ملتا، خود جامعہ اشرفیہ کے زیر اہتمام بچیوں کا ادارہ چلتا ہے، دوسری جگہوں پر تو شرعی پابندیاں بھی ہیں، مگر اشرفیہ میں کوئی شرعی پابندی نہیں ہے، یعنی مخلوط انتظام۔ جبکہ مخلوط تعلیم کی شریعت میں اجازت نہیں۔

آخری بات:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی کے عہد میں جماعت اہل سنت کا وجود خارجی حملوں سے بری طرح گھائل ہو رہا تھا تو اعلیٰ حضرت نے اپنے معاصرین کے مشترکہ تعاون سے اسے ہر طرح کے حملوں سے مستحکم تحفظ فراہم کیا اور جماعت کی دائمی فیروزمندیوں کے

خطوط متعینین کے ہے کوئی بھی سلیم الطبع انسان ان کے متعین کردہ خطوط کی اہمیت و افادیت سے انکار نہیں کر سکتا، اعلیٰ حضرت کے خلفا و تلامذہ نے جو قریب قریب پورے عالم اسلام میں پھیلے ہوئے تھے، ان خطوط کو نافذ کرنے میں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا، اگر صرف برصغیر ہندو پاک کی سطح پر دیکھیں تو ان کے خلفا کی زریں خدمات کے آگے ہماری جبینیں خم ہو جاتی ہیں، ان کے خلفا میں ہر شخصیت کی حیثیت ماہ کامل کی تھی، علم، عمل اور تقویٰ ان کی شناخت تھی، ان میں ہر شخص نمایاں تھا، ان نمایاں شخصیات میں ایک انتہائی نمایاں نام حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ کا آتا ہے آپ کی ذات میں جماعتی ترجمانی کا وصف پورے کمال کے ساتھ موجود تھا۔ شدید خطرات کی زد میں بھی آپ نے جماعت کے وقار کو ہر طرح کے داغ دھبوں سے بچائے رکھا، آج برصغیر ہند و پاک میں علم عمل اور تقویٰ کے جتنے بھی چراغ جل رہے ہیں سب کے سب کسی نہ کسی طرح انہیں کے رہین منت ہیں۔

حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ نے جماعت اہل سنت کو متحد رکھنے میں جو رول ادا کیا ہے ماضی قریب میں اس کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی، انہیں جماعت کے ہر معاملے میں فیصل کا درجہ حاصل تھا، ان کے اس مقام و مرتبہ کو دنیا کی کوئی طاقت چیلنج نہیں کر سکتی، مرکز اہل سنت بریلی شریف کو جس طرح کے قائد کی ضرورت تھی انہوں نے اس چیز کو شدت سے محسوس کیا اور اسکے عملی مظاہر پیش کئے ان کا وصال ایک ایسا سانحہ تھا جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے وصال کے کچھ ہی سالوں بعد لوگوں میں اپنی شخصیت کو منوانے کا جذبہ بیدار ہونے لگا، اور یہ جذبہ اس قدر پروان چڑھنے لگا کہ لوگوں کے دل سے جماعتی حصار کے پاس و لحاظ کی فکر جاتی رہی۔

حضور مفتی اعظم ہند مرکز کی مرکزی شخصیت کی شکل میں سامنے آئے، ان کا بچپن، ان کی جوانی اور ان کا بوڑھاپا سب عشق رسالت کی چاندنی میں نہایا ہوا تھا، ان کے قدم ناز جہاں بھی پڑ جاتے وہاں سے فتنوں کا خاتمہ ہو جاتا اور خیر کے چشمے جاری ہو جاتے، دلوں کی تسخیر کا جو ملکہ آپ کو حاصل تھا آپ کے بعد اس کی کوئی مثال اب تک سامنے نہیں آسکی ہے۔ اب تو حال یہ ہے کہ کسی کو تھوڑا سا ناطقہ مل جاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو ارسطو کا استاذ سمجھنے لگتا ہے اور کسی پیر کے دو چار درجن مرید ہو جائیں تو وہ غوث وقت سے نیچے اترنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، لیکن حضور مفتی اعظم ہند نے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھا، انہوں نے اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ خدمت خلق کے لئے وقف کر رکھا تھا خدمت خلق ہی ان کی روحانی غذا تھی، یہی وجہ ہے کہ ہر وقت ان کے در دولت پر پروانوں کا ہجوم لگا رہتا، ان میں ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ ہوتے، وہ اپنے عہد میں علم و عمل اور عشق کا سب سے بلند و بالا مینار تھے، ان کی علمی تحقیقات کا وزن کل بھی محفوظ تھا اور آج بھی محفوظ ہے، لیکن کیا کیجیے گا جنہیں زمین پر چلنا نہیں آتا وہ تسخیر کائنات کے دعوے کر رہا ہے۔

اعلیٰ حضرت اور حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہما تا حیات اتحاد امت کے لئے کوشاں رہے، اس سلسلے میں ان کی قربانیاں ہیں جسے جماعت اہل سنت کا کوئی فرد کبھی فراموش نہیں کر سکتا لیکن آج بعض افراد اپنے شخصی اور گروہی مفادات کی خاطر انہیں شخصیات کو اتحاد کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ ادھر کئی سالوں سے اس طرح کی تحریروں کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے، اس سلسلے کی روک تھام کے لئے اکابرین جماعت کی کوئی کوشش اب تک سامنے نہیں آسکی ہے، اور اگر کسی طرح سے کوئی دفاعی آواز بلند ہوئی ہے تو اسے بے اثر کرنے کی کوشش کی گئی۔ ہم نے پیغام رضا اپریل تا جون ۲۰۰۸ء میں ایسے افراد کا سنجیدہ تعاقب کیا اور زیر نظر شمارہ کی نوعیت بھی اس سے مختلف نہیں ہے، عہد رواں میں جو لوگ جماعتی معیار و منہاج سے ہٹ کر اپنی خود ساختہ ڈگر کو متعارف کرانے میں اپنا سارا زور صرف کر رہے

ہیں ان کو سمجھنے کے لئے پیغام رضا کے ان دونوں شمارے کا مطالعہ از حد ضروری ہے، ہم نے پیغام رضا کے ذریعہ ایک تاریخ کو مشکوک ہونے سے بچایا ہے، آج جو لوگ پیغام رضا کی تحریک کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے ہمیں امید ہے کہ بہت جلد وہی لوگ اس کی صداقت کے اعتراف پہ مجبور ہوں گے بلکہ اعتراف صداقت کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے، اچھے اچھوں کو اپنی خطا کا احساس ستانے لگا ہے، بعض رسالے بھی اپنی پالیسی پر از سر نو غور کر رہے ہیں، چونکہ مسلک اعلیٰ حضرت سچائیوں کا مینار ہے، مسلک اعلیٰ حضرت جہاں حنفیوں کے لئے کسوٹی ہے وہیں شافعیوں، مالکیوں اور حنبلیوں کے لئے بھی کسوٹی ہے قادریوں، سہروردیوں اور نقشبندیوں کے لئے بھی کسوٹی ہے اگر کوئی مسلک اعلیٰ حضرت کا اظہار واعلان نہیں کرتا لیکن معمولات اہل سنت کا قائل وعامل ہے تو اسے مسلک اعلیٰ حضرت کے حصار سے باہر نہیں سمجھا جائے گا۔

حضور سیدنا غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عرس میں نوے فی صد سے زائد سنی حضرات شریک ہوتے ہیں لیکن زائرین سے مسلک اعلیٰ حضرت کے نعرے کا کبھی مطالبہ نہیں کیا گیا نہ ملک کی کسی خانقاہ یا درسگاہ سے ایسی اپیل کی گئی اور نہ آئندہ ایسی اپیل کی جائے گی۔ اس کے بعد بھی کوئی ''اعتراف حقیقت'' کی زحمت اٹھائے تو اسے عقل وشعور سے محروم ہی کہا جائے گا۔

اعلیٰ حضرت اور حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہما کی تحقیقات سے الجھنے کی کوشش نہ کی جائے ورنہ حالات کنٹرول سے باہر ہو جائیں گے۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ خود اعلیٰ حضرت نے اپنے بعض بڑوں کی تحقیقات سے اختلاف کیا ہے تو آج اگر کوئی اعلیٰ حضرت کی تحقیقات سے اختلاف کرتا ہے تو جرم کیوں؟ ان سے ہماری صرف اتنی گذارش ہے کہ اعلیٰ حضرت جس منزل پہ فائز تھے آپ اس منزل کے عارف ہو جاتے ہیں تو آپ کو اختلاف کا حق ہوگا اعلیٰ حضرت سو سے زائد علوم وفنون کے ماہر تھے، انہیں عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں فنائیت حاصل تھی وہ اپنے عہد کے مجدد تھے اب اعلیٰ حضرت کی تحقیقات سے اختلاف کرنے والے بتائیں کہ وہ کتنے علوم کے ماہر ہیں انہیں عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کون سی منزل حاصل ہے، غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی محبت کا کتنا حصہ ملا ہے، سچائی یہ ہے کہ آج پوری دنیا میں ایک بھی شخص ایسا نہیں ہے جو اعلیٰ حضرت کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے، ضرورت اور حاجت ایک الگ چیز ہے، ضرورت اور حاجت کو اختلاف کا نام نہیں دیا جا سکتا ہے ضرورت اور حاجت کی اپنی شرعی حیثیت ہے اور اس کے کچھ تقاضے ہیں۔ جس کے تحقق کے بعد احکام میں تبدیلیاں ہو سکتی ہیں اور ہوئی ہیں۔ لیکن وہ اختلاف نہیں، عدول ہے۔ ذیل میں اس تعلق سے پروفیسر مسعود احمد علیہ الرحمہ کے مکتوب کا ایک حصہ نقل کرتے ہوئے اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

> ''بعض علمائے اہل سنت اس خیال کے حامی نظر آتے ہیں کہ امام احمد رضا کے افکار وخیالات کو ہدف تنقید بنانے میں حرج نہیں۔ فقیر سے ایک عالم نے فرمایا کہ امام احمد رضا کے فکر وخیال کو حرف آخر سمجھنا تشویشناک ہے۔ ایک طبقہ اس خیال کو عام کر رہا ہے۔ یہ انتشار کی ایک نئی تدبیر ہے غالباً اس کے بانی ڈاکٹر طاہر القادری ہیں۔ علم وفضل میں جو امام احمد رضا سے بڑا یا کم از کم برابر ہو، یہ حق اس کو پہنچتا ہے کہ وہ اختلاف کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انتشار فکر ونظر سے بچائے''۔ (آمین)

(مکتوبات مسعودی، ص ۳۷۳)

ادبیات

قدسی کی نعتیہ شاعری میں صنائع بدائع کا استعمال

ڈاکٹر مظفر حسن عالی سہرام

صنائع بدائع شاعری کے لیے ایسے ہی ضروری ہیں جیسے جسم کے لیے روح، صحت کے لیے اچھی غذا اور ساتھ ہی صاف ستھری آب و ہوا، شاعری کا حسن اگر صنائع ہے تو بدائع شاعری کا زیور ہے، شاعری میں ان کا استعمال لطف و اثر سے خالی نہیں، ان سے کلام میں شگفتگی پیدا ہوتی ہے، تاہم ان کے استعمال میں بھی بڑی ہنرمندی اور سلیقے کی ضرورت پیش آتی ہے، شاعر کے لیے اعتدال پہلی شرط ہے۔

سید عابد علی عابد شعر اقبال میں رقم طراز ہیں:

"معانی لطیف کو لفظوں کا پیراہن حریری پہنانے کی کوششوں میں کبھی کبھی تانے بانے الجھ جاتے ہیں اور کبھی یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ پیراہن پھٹ جاتا ہے اور معانی کا جسم عریاں الفاظ کے پیراہن سے جھانکتا ہوا دکھائی دیتا ہے" (ص ۳۶۵، طبع دوم)

پروفیسر مسعود حسن ادیب ان کے استعمال کے تعلق سے یوں روشنی ڈالتے ہیں:

"جو صنعتیں کلام کا زیور ہیں ان کے استعمال کے لیے بھی ایک خاص سلیقے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ سلیقہ بھی فطرت کی تائید کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، خالی زیور نہ حسن کی آرائش کر سکتا ہے نہ افزائش، جب تک سلیقہ اس کا ساتھ نہ دے۔ اگر کوئی گلے کا زیور پاؤں میں اور پاؤں کا کان میں لٹکا دے یا زیوروں اور اعضا میں تناسب کا خیال نہ رکھے یا مناسب مقدار سے زیادہ پہن لے تو نتیجہ کیا ہوگا۔ یہی حال صنعتوں کا بھی ہے۔ اگر محل اور مقدار کی مناسبت کا لحاظ نہ رکھا جائے تو ان کا استعمال کلام کا حسن نہیں بلکہ عیب بن جائے گا۔" (بحوالہ ہماری شاعری معیار و مسائل، ص ۱۱۱)

ذیل میں ہماری یہ کوشش ہوگی کہ جناب سید اولاد رسول قدسی کے نعتیہ کلام سے ان کی ان خوبیوں پر روشنی ڈالی جائے جن سے ان کے شعری محاسن کے باب میں مزید اضافہ ہو۔

مراعات النظیر یا تناسب: چند ایسی چیزوں کا ایک جگہ ذکر کرنا جن میں (تضاد کی نسبت کے سوا) کسی طرح کی مناسبت ہو، جیسے

تو جس دل کے اندر سمایا ہوا ہے
وہ دل کیا ہے دریائے نور و ضیا ہے

مداحِ شاہِ دین نبیل و جلیل ہے
گستاخ ان کے در کا رذیل و ذلیل ہے

عداوت میں ان کی خسارہ سراسر
محبت سے مربوط کیف و طرب ہیں

صنعت طباق و تضاد: کلام میں ایسے دو لفظوں کا لانا جن کے معنی ایک دوسرے کی ضد ہوں، خواہ وہ دونوں اسم ہوں یا دونوں فعل ہوں یا دونوں حرف ہوں۔ ذیل میں قدسی کے یہ اشعار مذکورہ خوبیوں کے حامل ہیں:

بعید از گماں جانِ جانانِ عالم
عیاں اور نہاں جانِ جانانِ عالم

دارالعلوم خیریہ نظامیہ، سہسرام، روہتاس، بہار

جو اوقات گزرے ہیں نعتوں میں ان کی
وہ راتیں مقدس ہیں وہ دن نرالے

لینا ہے جس کو لے لے درِ شاہِ دین سے
بٹتی ہے صبح و شام عنایت کی روشنی

پہلے شعر میں عیاں اور نہاں ایک دوسرے کی ضد ہیں، دوسرے شعر میں راتیں اور دن اور تیسرے شعر میں صبح و شام ایک دوسرے کی ضد کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ اس طرح کی صنعت کثرت سے استعمال کی گئی ہے۔

تکرار لفظی: کسی لفظ کا سلسلے کے ساتھ مکرر استعمال کرنا (دو لفظوں کا جو ایک ہی معنی رکھتے ہوں کسی مصرعہ میں جمع کرنا) قدسی کے یہاں اس کی کئی مثالیں ہیں:

کہوں جاں تو ہو جائے تحدید جاں کی
کہ ہیں جان جاں مصطفیٰ جانِ رحمت

عدالت میں ان کی تھی تفریق مفقود
کہیں گر ہو تعدیل تعدیل ایسی

دیکھ کر شاہ کی نظر کی چمک
پھیکی پھیکی سی ہے قمر کی چمک

ذرے ذرے میں ہے انہی کا نور
یہ نہ پوچھو کہ ہے کدھر کی چمک

طیبہ ہی طیبہ مجھ کو نظر آیا بار بار
دیکھا ہے جب بھی میں نے حرم کی نقاب سے

تشابہ الاطراف: یہ مراعات النظیر کی ایک قسم ہے، اس میں کلام کو ایسے لفظوں سے ختم کرتے ہیں کہ اس کو ابتدا کے لفظوں سے مناسبت ہو، جیسے:

سامنے عشق کا گر رہے آئینہ
پھر نہ کہیے کہ ہے دور کوئی نبی

تھا ذروں پہ آقا کی رحمت کا سورج
تھمی پل میں کفر و ضلالت کی بارش

نعمتیں ان کی مسلسل ہیں رواں
تنگ ہیں اپنے ہی داماں لکھ دے

پہلے شعر میں آئینہ کی مناسبت سامنے سے ہے، دوسرے شعر میں سورج کی مناسبت 'تھا' سے ہے اور تیسرے شعر میں رواں کی مناسبت نعمتیں سے ہے۔

ایہام: کلام میں ایسا لفظ لانا جو دو معنی رکھتا ہو، ایک قریب اور دوسرا بعید، سننے والے کا ذہن قریب معنی کی طرف منفعل ہو، لیکن کسی قرینے کی وجہ سے بعید معنی مقصود ہو، جیسے:

آقا کے اسوۂ حسنہ پر ہوگا مزن
کھویا ہوا وقار پھر اپنا بحال کر

ایہام تضاد: کلام میں بعض الفاظ ایسے ہوں جن کے دو معنیٰ ہوں اور جو معنیٰ مقصود ہوں اس میں تضاد نہ ہو۔ معنیٰ غیر مقصود میں تضاد ہو جیسے:

ستر ہزار صبح تو ستر ہزار شام
روضے پہ ان کے نوری ملک کی قطار ہے

صنعت ارصاد یا تسہیم: ابتدائے کلام میں ایسے الفاظ لانا جن سے معلوم ہو جائے کہ قافیہ یا کلام کے آخر میں فلاں لفظ آئے گا، بشرطیکہ ''روی'' کا حرف پہلے سے معلوم ہو، جیسے:

بہا کر ہمیں خلد میں لے چلے گی
قیامت میں ان کی شفاعت کی بارش

سخن ور سبھی بہہ گئے مثل سیلاب
ہوئی جب بھی ان کی فصاحت کی بارش

اسی طرح یہ اشعار بھی:

عشق کی آنکھوں سے دیکھو زاہدو!
دل میں ہر مومن کے وہ موجود ہے

کہہ رہی ہے روئے آدم کی ضیا
سب فرشتوں کا وہی مسجود ہے

حسنِ تعلیل: کسی امر کی وہ ظاہری اور پسندیدہ علت بیان کرنا جو حقیقی علت نہ ہو، مثال کے طور پر یہ اشعار:

جو جذبۂ ایماں میں عمار نظر آیا
وہ کعبۂ قسمت کا مینار نظر آیا

قطرہ تھا بنا دریا، ذرے سے ہوا تارا
یوں عرشِ کرم ان کا دربار نظر آیا

استتباع (المدح الموجہ): ممدوح کی تعریف اس طرح کریں کہ ایک تعریف سے ضمناً دوسری تعریف بھی ہو جائے، اس قبیل کے اشعار جن میں استتباع پائے جاتے ہوں، اردو کی نعتیہ شاعری میں کثرت سے ملیں گے، جناب قدسی کے یہاں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں:

فصیح اللساں مصطفیٰ جانِ رحمت
بلیغ البیاں مصطفیٰ جانِ رحمت

کہوں جاں تو ہو جائے تجدید جاں کی
کہ ہیں جان جاں مصطفیٰ جانِ رحمت

شہود ان کا خود اس پہ شاہد ہے قدسی
عجب غیب داں مصطفیٰ جانِ رحمت

ادماج: کسی کلام سے معنیٰ مقصود کے سوا دوسرے معنیٰ کا بھی نکلنا وہ کلام جس سے دو یا زیادہ مطلب نکلیں، مثال کے لیے یہ اشعار:

عشق کی آنکھوں سے دیکھو زاہدو!
دل میں ہر مومن کے وہ موجود ہے

ان کے رخ کی چاندنی کا ہر طرف
تابناک اور دیدنی منظر رہا

براعت استہلال: نظم یا نثر کی ابتدا ایسے لفظوں سے کی جائے جو اصل مضمون کے مناسب ہو، جناب قدسی نے یہ بھی کر دکھایا ہے:

ڈوب کر بحرِ رحمت میں دیکھا یہی
وردِ امت سے ہے چور کوئے نبی

حشر میں یوں ملے گا صلہ عشق کا
ہوں گے جنت کے حق دار ہم بولیے

تلمیح: متکلم کا اپنے کلام میں کسی آیت یا حدیث یا کسی مشہور واقعے کی طرف اشارہ کرنا تلمیح کہلاتا ہے، جناب قدسی کے یہاں اس کی مثالیں کثرت سے ملیں گی۔ چند اشعار پیش خدمت ہیں:

فاسجدوا میں بھی تھے وہی مسجود
کہہ رہی ہے ابو البشر کی چمک

کہتی تھی کنکری سبھی بوجہل سے یہی
پیوست تیرے کفر میں ذہنی فتور ہے

ہیں بارھویں کی ضیائیں ہر سو کہ بٹ رہی ہیں عطائیں ہر سو
دلوں کو اپنے حرم بناؤ نبی کے جلوے چمک رہے ہیں

دیکھ کر مصطفیٰ کی نبوت کی شان
ہوگئے سارے اصنام خم بولیے

اصحاب صفہ چرخِ توکل کے تھے نجوم
آقا نے ان کو رشکِ سکندر بنا دیا

قدسی ہے سرزمین اُحد آج بھی گواہ
لکڑی کو ان کے لمس نے خنجر بنا دیا

سر آنکھوں پہ بوبکر کی ہے محبت
رہے مکڑیوں کے بھی جالے نرالے

تعلیق: کسی ایک بات کا دوسری بات کے ہونے یا نہ ہونے پر موقوف کرنا:

اسے غرق آلود ساحل پہ دیکھا
تری رہ سے کترا کے جو بھی چلا ہے

یہ فیضان ہے تیری نسبت کا آقا
جو ہونٹوں پہ قدسی کے تیری ثنا ہے

خارِ طیبہ کو جب گل پہ ترجیح دی
گلشنِ دہر میں کھلبلی مچ گئی

پہلے شعر میں ساحل پر غرق آلود ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ جو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے راستے سے کترا کے چلے، یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی غرق آلود ہونے کا سبب ہے، اسی طرح دوسرے شعر میں شاعر کے ہونٹوں پر سرکار کی ثنا ان کی نسبت پر موقوف ہے۔

حسن طلب: دل پسند طریقے سے کسی چیز کو کسی سے طلب کرنا، فن میں اس کو حسن طلب کہتے ہیں، زیر نظر اشعار میں جناب قدسی کے طلب کا حسین عنصر موجود ہے:

شاہد ہے انما انا قاسم حدیث پاک
بندے تمام رب کے انہیں کے رہین ہیں

جمع: کئی چیزوں کو ایک حکم کے تحت میں جمع کرنا، جیسے:

جامع وصف وفضل وکمال وجمال
کیا نہیں ہیں وہ رب کی قسم بولیے

تشبیہ: اس کو کہتے ہیں کہ دو چیزیں کسی وصف میں ایک دوسرے کے شریک ہوں، جس کو تشبیہ دیتے ہیں اس کو مشبہ اور جس سے تشبیہ دیتے ہیں اسی کو مشبہ بہ کہتے ہیں اور وہ صفت جس میں دونوں شریک ہوں اس کو وجہ شبہ کہتے ہیں۔ اگر وجہ شبہ کو بیان کردیں تو اس کو تشبیہ مفصل اور نہیں تو تشبیہ مجمل کہیں گے:

ہے ہر اک خار تیرے گلشن کا
سنبل و یاسمیں دیار نبی

شاہ کے چہرۂ مقدس کو
والضحیٰ سورۂ مبین کہو

مشک سے بڑھ کے ہے نبی کا عرق
اس کو سنبل نہ یاسمین کہو

استعارہ: جب حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا علاقہ ہوتا ہے تو ایسے مجاز کو استعارہ کہتے ہیں، استعارہ سے غرض یہ ہے کہ مشبہ بہ کو عین مشبہ قرار دیں، حالت استعارہ میں مشبہ کو مستعار لہ، مشبہ بہ کو مستعار منہ اور وجہ شبہ کو وجہ جامع کہتے ہیں:

روئے نبی کو دیکھ کے اغیار کہہ اٹھے
مدھم سا اس کے سامنے بدر منیر ہے

مفقود تھی، رہے گی مثال ان کی دہر میں
یوں وہ سراپا نور ہیں نوری خمیر ہے

صنعت اشتقاق: جملوں میں یا بیت میں چند الفاظ کا جو ایک ہی مصدری مادہ سے مشتق ہوں جمع ہونا، اس کی دو ایک مثال قدسی کے یہاں بھی دیکھنے کو ملتی ہے، مثال کے طور پر یہ شعر:

وجود حق پہ دلالت ہے کون ان کی طرح
جو وجہ کن بھی ہوں، مدلول اور دال کہاں

یہاں دلالت، مدلول اور دال ایک ہی مادہ سے مشتق ہیں:

سخن ور ہی کیا خود سخن دنگ ہے آج
ہے قدسی کی پرواز تخییل ایسی

شہود ان کا خود ان پہ شاہد ہے قدسی
عجب غیب داں مصطفیٰ جانِ رحمت

تنسیق الصفات: کسی چیز یا کسی شخص کا ذکر بہت سی صفتوں کے ساتھ کرنا (خواہ وہ صفات مدح لیے ہوں یا ذم) قدسی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف میں رطب اللسان ہیں:

فصیح اللساں مصطفیٰ جانِ رحمت
بلیغ البیاں مصطفیٰ جانِ رحمت

توشیح: ہر مصرع یا شعر کے پہلے حرف بعینہ یا تصحیف کے ساتھ اگر جمع کریں تو کوئی نام یا کوئی دوسری چیز بن جائے، اس مثال کے لیے قدسی کے یہ اشعار:

ان کی الفت رگ و پے میں یوں رچ گئی
دل سے دنیا کی ہر ایک لالچ گئی

ہیچ ہیں اب گلاب وسمن نسترن
ان کی صورت نظر میں مری بچ گئی

چاروں مصرعوں کے ابتدائی حروف ''الف، د، ہ، الف'' کو جمع کیا تو آدھا بن گیا، اسی طرح ایک نعت کے دو اشعار:

ان کی لطافتیں ہیں دل آویز بے پناہ
کہتی ہیں بوئے خلد سے بچپن کی نکہتیں

اپنے ہوں یا کہ غیر سب ان سے ہیں فیض یاب
شاہد ہیں ان کے لطف کے مخزن کی نکہتیں

ان چاروں مصرعوں کے ابتدائی حروف ''الف، ک، الف، ش'' کو جمع کردیا تو لفظ آکاش ہوا، اسی طرح صنائع، بدائع کی روشنی میں جب ہم قدسی کے نعتیہ کلام کا محاسبہ کرتے ہیں تو ہمیں کم وبیش وہ ساری خوبیاں ان کے کلام میں مل جاتی ہیں جو دیگر مشاہیر شعرا کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔

☆☆☆☆

تنقیدات

قدسی شخص اور شاعر ——— تبصرہ کی میز پر

مولانا محمد توفیق برکاتی مصباحی

ادب کسی بھی زبان کا ہو ادب واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، وقت کے دانش وران، محققین، ماہرین، ارباب فکر و فن ایسے ادب کی قدر کرتے ہیں، عزت دیتے ہیں جو کسی خاص عقیدہ کے زیر اثر وجود میں نہ آیا ہو (بات واضح ہے مرفوع القلم کو تحریر و قلم کی اہمیت و ضرورت پر کیا اظہار خیال کرنا ہے؟ بے علم کو علم کی قدر و قیمت پر کیا تبصرہ کرنا ہے؟ قلم قلم کو پہچانتا ہے، علم علم کی قدر کرتا ہے، تحریر تحریر کی شناخت مکمل کرتی ہے) لیکن جب یہی ادب خالص اسلامی ادب کے روپ میں نمایاں ہوتا ہے، ادب کے لب و رخسار پر دین اسلام کے مسلمہ عقائد و معمولات کی چاندنی چمکنے لگتی ہے، ادب کے بعض گوشوں سے مسلک و مشرب کی خوشبو پھوٹنے لگتی ہے تو جانب دار ذہن و فکر کے حامل اشخاص جذبات پر قابو نہیں رکھ پاتے، ان کے افکار بے لگام ہو جاتے ہیں، ان کے اقلام، ان کی تحریریں، ان کی زبانیں بدمست شرابی کی طرح لڑکھڑانے لگتی ہیں، وہ شعوری اور لاشعوری طور پر سچے اسلامی ادب کے ترجمان ادبا و شعرا و قلم کاران پر برس ہی جاتے ہیں، ان کی تنگ نظری اور بد دلی صحیح تاثر فراہم کرنے سے کافی حد تک مانع ہوتی ہے، وہ تنقید بھی کرتے ہیں تو تحقیر و تمسخر سے باز نہیں آتے۔ اس وقت کا سیاست زدہ ادبی منظر نامہ میری ان باتوں کی تصدیق کرتا ہے۔ خدمات کی بے قدری، باتوں کی بے وزنی اور حوصلہ شکنی ان کا مشغلہ ہوا کرتی ہے، جو لوگ ایسے ادب کی ترویج و تنقید میں حصہ لیتے ہیں، اس میں کوششیں کرتے ہیں، اپنے علم و فن کے جلووں سے تاریخ ادب کے درخشندہ باب کو مزید روشن و منور کرتے ہیں، ان کی شخصیت پر، ان کے فن پاروں پر پردہ ڈالنے کی تگ و دو ہوئی، ان کے شعری و نثری شہ پاروں کو چھپانے، مٹانے کی بے جا جسارت کی گئی، ان کے ادبی کارناموں سے زمانہ کو بدظن کرنے کی فضا گرم کی گئی، یہ عمل اب بھی جاری ہے۔ لیکن آج میں اپنے مطالعہ کی دہلیز پر اسلامی ادب کے ایک ایسے شناور کا استقبال کر رہا ہوں جس نے دور جدید میں ادب لکھا، پڑھا، بولا، سنا، بتایا، سنایا، دنیا کے روبرو پیش کیا۔ ہر چند کہ اس نے ادب کو مذہبی، مسلکی اور مشربی رنگ و آہنگ سے سجا کر پیش کیا، اسلام کے مسلم حقائق سے بحث کی، مگر اس کی شخصیت اور علمی، فنی اور ادبی حیثیت کو ہر کوئی خراج تحسین و تبریک سے نواز رہا ہے، اس کی ادبی خدمات کو آفریں کہا جا رہا ہے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان اپنے کام سے پہچانا جاتا ہے، کام ہی اسے معزز بناتا ہے، وقار بلند کرتا ہے، اس کی حیات کے لمحات کام ہی کے ارد گرد چکر لگاتے ہیں اور بعد وصال بھی کام ہی اس کی شناخت بنتے ہیں اور کاموں ہی کی وجہ سے دنیا میں اس کے تذکرے باقی رہتے ہیں۔

اس وقت میں ایک ایسی کتاب پر اپنی تبصراتی تحریر پیش کر رہا ہوں جو حضرت علامہ سید اولاد رسول قدسی مصباحی کی بلند اقبال ذات اور علم و ادب، شعر و سخن میں ان کی قدر و منزلت کو نمایاں کرنے کی ایک اہم کوشش و کاوش ہے، عصر جدید کے مقتدر و مشہور ارباب قلم کی تجزیاتی تبصراتی، تنقیدی، تحقیقی، تاثراتی تحریروں کی عجب کہکشاں جگ مگ، جگ مگ کر رہی ہے، ان میں وقت کے جید و نامور شعرا بھی ہیں، ماہر ادبا بھی، قابل فخر فضلا و علما بھی، پروفیسران و دانش وران بھی۔ یہ کتاب ۵؍ابواب پر منقسم ہے۔ باب اول! سوانحی تذکرے، باب دوم! نعتیہ شاعری......فکر و فن، باب سوم غزلیہ شاعری.....نقد و نظر، باب چہارم! پیمانے، باب پنجم! منظومات۔ شروع کے تینوں ابواب کا عنوان باب ہی بتا رہا ہے کہ اس کے مندرجات و مشمولات کیا ہو سکتے ہیں اور اس میں کس نوعیت کے مضامین و مقالات جگہ پا سکتے ہیں، البتہ چوتھا اور پانچواں باب پیمانے اور منظومات کے عنوان سے ہے، اس کی وضاحت

ضروری سمجھتا ہوں ''پیمانے'' کے اندر قدسی کے نعتیہ وغزلیہ دواوین پر اہم شخصیات کے تبصروں کو جگہ دی گئی ہے جس میں عظیم مزاح نگار شاعر وادیب یوسف ناظم ممبئی، پروفیسر سمیع اللہ اسد، ندیم صدیقی، حاذق ضیائی جیسے مشاہیر کے اظہارات ہیں، پانچویں باب ''منظومات'' کے اندر قدسی کی غیر مطبوعہ نعتیں، غزلیں اور نظمیں شامل کی گئی ہیں۔

لائق مبارکباد ہیں مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی جنہیں محقق قدسیات نامزد کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا، صدیقی صاحب نے اس کتاب کی ترتیب وتہذیب میں کافی محنت کی ہے، اس وقت حالات ایسے ہیں کہ کسی قلم کار سے چند صفحات موضوع اور عنوان کے مطابق لکھوانا کوہ پیمائی سے کم نہیں، وہ بذات خود کئی کتابوں کے مرتب ومصنف ہیں، بہترین شاعر اور لائق وفائق ادیب ہیں، وہ اپنے تجربات کی روشنی میں بات کرتے ہیں، خوشی کی بات یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بلند قامت ذات اور آفاقی شخصیت کے افکار وپیغامات سے منسوب مشہور رسالہ ''پیغام رضا ممبئی'' کے چیف ایڈیٹر ہیں، کئی سالوں سے پیغام رضا بڑی پابندی اور خوب صورتی کے ساتھ گراں قدر علمی، ادبی، تحقیقی، تنقیدی موضوعات سے متعلق مقالات ومضامین سے سجا کر پیش کرتے رہے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب کو انہوں نے عظیم افسانہ نویس اور نعت گو شاعر جناب سید محمد اشرف میاں مارہروی کے نام منسوب کیا ہے جو ایک عظیم علمی، روحانی قدسی صفات خاندان کے چشم وچراغ ہیں، فکر وفن شعر وادب میں ان کا کافی نام ہے۔

کتاب کی کمپوزنگ، جلد سازی اور تزئین میں کافی عمدگی ہے، کمپوزنگ میں کچھ خامیاں ضرور ہیں لیکن یاد رکھیں کہ کمپیوٹر اپنی فطرت وعادت سے بغاوت کیوں کر کرسکتا ہے؟

البتہ سرورق اور ٹائٹل پیج پر دریائے نیل کے ساحل کی منظر کشی میں کامیابی جھلکتی نظر نہیں آتی، اس قدر عظیم وضخیم کتاب کا سرورق ایسا نہیں ہوا کرتا۔ کاغذ بڑا قیمتی استعمال کیا گیا ہے اور ۵۷۶ صفحات کی اس کتاب کی قیمت ڈھائی سو روپے متعین کی گئی ہے جو بہت مناسب ہے۔ ذہن پر کافی زور دینے کے باوجود یہ بات یاد نہیں آسکی کہ میں نے قدسی صاحب کا سب سے پہلے کون سا شعری مجموعہ پڑھا، البتہ اتنا یاد ہے کہ ان کا ایک مجموعہ نعت ۲۰۰۳ یا ۲۰۰۴ء میں میری نظر سے گزرا، اور میں نے اسے کافی غور سے پڑھا۔ قلم کاروں نے انہیں دور جدید کا عظیم شاعر یوں ہی نامزد نہیں کردیا، یوں ہی ان کی ادبی صلاحیت پر اطمینان بخش مسرت کا اظہار نہیں کیا؟ وہ ہیرے ہیں جس کی چکاچوند خود افکار واذہان کو اپنی طرف متوجہ کردیتی ہے اور اپنی اصلیت کا صحیح پتہ نوٹ کراتی ہے۔

سید اولاد رسول قدسی مصباحی کو ہم عشق اور علم کا سنگم کہہ سکتے ہیں، وہ بھی کام چلاؤ اور دکھاؤ علم وعشق نہیں جو اپنی ظاہری آرائش وزیبائش سے مقبولیت حاصل کرلیتا ہے، لیکن یہ مقبولیت دیرپا نہیں ہوتی، بادسموم کے ہلکے جھونکے ان کے نشانات مٹادیا کرتے ہیں، یہ قدسی کی خوش بختی ہے کہ انہیں ان کے استادوں کے علاوہ وقت کے بلند پایہ ناقدین ادب نے سند اعتبار سے نوازا، ان کی شعری وادبی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا، ان کی خدمات اور کارناموں کو تاریخ ادب میں ایک نمایاں گراں قدر اضافہ قرار دیا۔

قدسی صاحب تو فیض وعرفان پر یقین واعتماد رکھنے والوں میں ہیں، وہ حقیقت بتانے میں شرم نہیں کرتے، قدسی کے ذہن وفکر نے ایسے گلستاں سے پھول چنے ہیں جس کی خوشبوؤں میں نہ صرف شعر وادب کی دمک ہے بلکہ اس کا ایک ایک پھول ان گنت خوشبوؤں کی مہک رکھتا ہے، امام احمد رضا قدس سرہ کی گدائی پر انہیں بے پناہ فخر ہے، اسی کو اپنی زیست کا سرمایہ قرار دیتے ہیں، اپنے اشعار میں اس کا اظہار بھی کیا ہے، ملاحظہ کریں:

رضا کے فیض وکرم سے کلام قدسی میں
بلند وبالا خیالات دیکھتے رہئے

قدسی ہوں اس رضا کے در پاک کا گدا
سیکھی ہے جس نے نعت خدا کی کتاب سے

قدسی صاحب کی اب تک کل دس کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں، جن میں اردو، انگریزی، نثر ونظم، نعتیہ، غزلیہ، نظمیہ مجموعے شامل ہیں، ان کا چھٹا نعتیہ دیوان اور نثریات کا مجموعہ ''قلم آشنا'' زیر طبع ہیں، بہت جلد قارئین کے ہاتھوں میں ہوں گے، قدسی کے شعری وادبی شہ پاروں نے جس طرح ارباب فکر وفن کی داد حاصل کی ہے ان کے نثری جواہر پارے بھی ان شاء اللہ عز وجل یہی مقام حاصل کریں گے، چند مسودات میں نے خود دیکھے ہیں، انداز بیان بڑا دل نشیں، تجسس بھرا معلوم ہوتا ہے، انوکھی تراکیب، موزوں جملے اور سہل نگاری کو اس کا خصوص کہا جاسکتا ہے۔

اس کتاب میں شامل تمام کے تمام مقالات ومضامین بڑے معلوماتی اور تحقیقی ہیں، البتہ ڈاکٹر کرامت علی کرامت کا دو مضمون ''قدسی کی نعت نگاری'' اور ''مابعد جدیدیت کا ایک مشکل پسند غزل گو''۔ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی کا مضمون ''قدسی کی نعتیہ شاعری میں تلمیحات''۔ مولانا شمشاد حسین رضوی کا مضمون ''سید اولاد رسول قدسی ...فکروفن کے تناظر میں'' مولانا محمد ملک الظفر سہسرامی کا مضمون ''قدسی کی نعتیہ شاعری .....ایک تنقیدی مطالعہ''۔ عبد المتین جامی کا مضمون ''مابعد جدید دور کا جدید شاعر''۔ مولانا عبد المالک مصباحی کا مقالہ ''قدسی کی نعتیہ شاعری میں تردیدی عناصر''۔ اور ڈاکٹر ساحل شہسرامی کا مقالہ ''ماورائیت کا نمائندہ.....قدسی'' پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، امید ہے کہ وقت کے شعرا وادبا انہیں مطالعہ کی میز پر سجائیں گے۔

ایک بات عرض کردوں کہ ہر کسی کو اظہار خیال کا حق حاصل ہے شرط ہے کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو، کسی کا دل نہ دکھے، میں ان شعرا وادبا سے ایک سوال پوچھتا ہوں جنہوں نے قدسی کی مشکل پسندی کو دیکھتے ہوئے قدسی کے دور جدید کے ایک مشکل پسند شاعر ہونے کی بات کہی ہے، قدسی نے جن باتوں کو بڑے آسان لب ولہجے میں خوش سلیقگی کے ساتھ پیش کیا ہے، ہنسایا بھی ہے، رلایا بھی ہے، ذہن وفکر کو مہمیز بھی دیا ہے، کیا اس طرز کے اشعار اقلیت میں ہیں؟ یا اکثریت میں ہونے کے باوجود "للاکثر حکم الکل" کا ضابطہ یہاں جاری نہیں کیا جاسکا؟

مرتب کتاب مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب نے اپنے مقالہ ''قدسی، شخص اور شاعر'' میں پوری دیانت داری کے ساتھ قدسی مصباحی کی سوانح حیات کے اہم اہم گوشوں پر روشنی ڈالی ہے، خاندانی پس منظر سے لے کر قدسی کی ولادت، تربیت، تحصیل علم، فراغت، تدریس، تالیف، تبلیغ، اور شعر گوئی تک کے تمام احوال وکوائف بیان کیے اور اپنے مخصوص لب ولہجہ میں حقیقت حال سے پردہ اٹھایا۔ البتہ ان کے اسی مقالہ میں کتاب کے صفحہ ۳۱ پر یہ جملہ اب تک ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، لکھتے ہیں:

''ان کی نعت نگاری تجریدی انفرادیت کی حامل ہے، ان کے بعض رجحانات ومیلانات سے ہمیں اختلاف ہے، لیکن جن پہلوؤں سے ہمیں اختلاف ہے دوسرے ارباب نظر انہیں پہلوؤں کو خوبیوں میں شمار کرتے ہیں''

ان رجحانات ومیلانات اور ان پہلوؤں کی نشان دہی کا ہمیں انتظار رہے گا، امید ہے کہ یہ تشنگی دور کی جائے گی، اسی طرح ان کے دوسرے مضمون ''قدسی بحیثیت ناعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' میں صفحہ ۲۱۵ پر موجود یہ ترکیب غیر مانوس معلوم ہوئی، لکھتے ہیں:

''اب وہ انگریزی میں بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستہ یادوں کی بکھری ہوئی کڑیوں کو شعر کے قالب میں ڈھالنے کی مستحسن کوشش کررہے ہیں''

اس جملے میں ''کڑیوں کو شعر کے قالب میں ڈھالنا'' ہماری سمجھ میں نہیں آیا، کون سا محاورہ ہے؟

قارئین کو ''روکو، مت جانے دو.....روکومت، جانے دو'' کا پس منظر اچھی طرح معلوم ہوگا۔ تراکیب اور جملوں میں فل اسٹاپ اور کومہ بڑی اہمیت کے حامل ہوا کرتے ہیں، صفحہ ۳۰۷ پر یہ منظر ملاحظہ کریں اور اس کی اہمیت پر غور کریں:

''کوئی حکم نافذ نہیں ہوتا مگر حضور کے دربار سے کوئی نعمت کسی کو نہیں ملتی۔ مگر حضور کی سرکار سے''

اسی طرح ایک مقام پر تفسیر ''خزائن العرفان'' سے ایک اقتباس نقل کرنے کے بعد حوالہ میں ''کنز الایمان'' درج ہے۔ یہ قاری کو الجھن کا شکار بناسکتی ہے، اس پر توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔

اخیر میں ایک بات اور عرض کردوں کہ ادب صرف لکھا اور پڑھا ہی نہیں جاتا، بولا اور سنا بھی جاتا ہے، دونوں میں قدر مشترک ادبیت ومعنویت ہوا کرتی ہے (ہوسکتا ہے کچھ لوگوں کو میری اس بات سے اختلاف ہو) حضرت علامہ سید اولاد رسول قدسی مصباحی کی شخصیت اور فن کو جب اس حیثیت سے دیکھنے اور ناپنے کی کوشش کرتے ہیں تو بھی وہ ممتاز نظر آتے ہیں، وہ تحریر وتقریر ہر دو اعتبار سے دور جدید کے معززین میں شمار کیے جاسکتے ہیں۔

بہر صورت مذکورہ کتاب قدسیات کے باب میں ایک نمایاں اضافہ ہے۔ فاضل مرتب کی کاوشیں برابر اپنا رنگ دکھارہی ہیں، ان کا قلم بھی نکھر چکا ہے، شخصیت میں بھی جاذبیت آرہی ہے، رضویات وقدسیات میں ان کی خدمات کا دائرہ وسیع ہورہا ہے، گزشتہ سال مارچ کے مہینے میں ۳۹۲ صفحات پر مشتمل پیغام رضا کا خصوصی شمارہ ''مسلک اعلیٰ حضرت نمبر'' بڑا مقبول ہوا، کافی پڑھا گیا، کافی سراہا گیا۔ اللہ عز وجل اپنے حبیب سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل قدسی صاحب کی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے کام پر کام کرنے والوں کو مزید توفیقات سے نوازے، آمین۔ ☆☆☆

نام کتاب : خانوادۂ رضویہ کی شعری وادبی خدمات
مصنف : مولانا محمد توفیق برکاتی مصباحی
ضخامت : ۸۰؍صفحات
مبصر : وصیل خان
ملنے کا پتہ : الجامعۃ الغوثیہ، پہلا منزلہ، فائن مینشن، ۱۳۲؍کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی ۔۳

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۸۵۶ء-۱۹۲۱ء) کی ذات والا تبار مجمع الکمالات تھی وہ بیک وقت قرآن و حدیث، تفسیر وفقہ اور علم کلام کے ہی ماہر نہیں، اس کے علاوہ بھی بہت سے علوم و فنون پر انہیں کامل دسترس حاصل تھی۔ صرف ۶۵ ؍سال کی مختصری زندگی میں تقریباً ایک ہزار کتابوں کی تصنیف وہ بھی کسی ایک موضوع پر نہیں، مختلف علوم و فنون پر ایک ایسا حیرت انگیز اور عبقری کارنامہ ہے جو بہت کم لوگوں کے حصے میں آتا ہے۔ مادی طور پر انسانی زندگی کے لیے لکھنے پڑھنے کے علاوہ اور بھی بہت سی مصروفیات ناگزیر ہوتی ہیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنے نظام الاوقات کو انہوں نے کس طرح ترتیب دیا ہوگا۔ اگر ایک لمحہ اور منٹ کا بھی حساب لگایا جائے تو فطری ضروریات کے وقت کی نفی کے بغیر اتنا بڑا کام کیا ہی نہیں جا سکتا۔ حیرت تو اس وقت انتہا پر پہونچ جاتی ہے کہ کوئی بھی تصنیف سرسری نہیں بلکہ انتہائی تحقیق اور گہرے مطالعے سے لبریز نظر آتی ہے۔ آپ کی علمی و تحقیقی کاوشات کی اہمیت وعمق کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب تک ان کے علمی تدبر و تبحر پر تقریباً آٹھ سو کے قریب کتابیں لکھی جا چکی ہیں، لیکن تشنگی باقی ہے۔ مولانا محمد توفیق برکاتی ایک جواں سال عالم دین ہیں۔ حال ہی میں ان کی ایک کتاب ''خانوادۂ رضویہ کی شعری وادبی خدمات'' کے موضوع پر منظر عام پر آئی ہے۔ اس مقالے میں انہوں نے خانوادۂ رضویہ کے جد امجد مولانا مفتی رضا علی خان بریلوی سے لے کر موجودہ جانشین علامہ مفتی اختر رضا خان ازہری کی دینی وفقہی خدمات، تصلب فی الدین، تقویٰ وعبادت کے ساتھ شعر وادب میں ان کی گراں قدر خدمات پر سیر حاصل تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے، جس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ صرف اسی صفحات کا یہ مقالہ کہیں سے بھی تشنگی کا احساس نہیں ہونے دیتا۔ سمندر کو کوزے میں سمو دینے کا محاورہ شاید ایسے ہی مقالات وتصنیفات کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ پورے مقالے میں خانوادۂ رضویہ کے دس افراد کے علمی وروحانی کمالات کے علاوہ میدان شعر و ادب میں ان کی نمایاں خدمات کا تذکرہ نہایت متوازن اور پر اثر اسلوب میں کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی تمام شخصیات کے سوانحی خاکے، تعلیم وتربیت، بیعت و اجازت وخلافت، دین متین کی سربلندی اور تحفظ ناموس رسالت کے لیے ان کے جذبۂ سرفروشی، پاکیزگی ونجابت، علم دین کی اشاعت، درس وتدریس، تصنیفی وتالیفی خدمات پر مستند حوالوں کے ساتھ اس طرح روشنی بکھیری ہے کہ کوئی بھی گوشہ روشن ومنور ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ یقیناً حلقۂ دانش وبینش اس کتاب کا ضرور خیر مقدم کریں گے۔ (بشکریہ: روزنامہ اردو ٹائمز ممبئی)

نام کتاب : سبیل بخشش
تضمین نگار : مولانا محمد ادریس رضوی
ناشر : غوث الوریٰ اکیڈمی کلیان
قیمت : ۳۰؍روپئے
صفحات : ۱۴۸
مبصر : وصیل خان
ملنے کا پتہ : سنی جامع مسجد، پتری پل، کلیان، ضلع تھانہ، مہاراشٹر۔

گزشتہ دو دہائیوں سے اردو زبان و ادب کی مختلف النوع اصناف سخن پر جن اہل قلم حضرات نے جنوں کی حد تک دلچسپی لیتے ہوئے گیسوئے ادب کو سنوارا و نکھارا ہے ان میں مولانا محمد ادریس رضوی کا نام اپنی نعتیہ شاعری کے حوالے سے قدرے نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے وہ فن شاعری اور اس کے التزام سے بخوبی واقف ہیں۔ عروض محاسن شعری کے لیے آب حیات کا درجہ رکھتا ہے، اس کے بغیر کلام میں لطافت ونزاکت ممکن نہیں اور وہ اثر انگیزی اور نغمگی جو ردیف وقوافی کے التزام سے اشعار میں پیدا ہوتی ہے جس کے سبب بسا اوقات فقط ایک ہی شعر کئی کئی صفحات پر محیط فن پارۂ نثر پر بھاری ہو جاتا ہے، وہ اسی عروض کی دین ہے جس پر مولانا کی مضبوط گرفت ہے۔ حال ہی میں ان کی تازہ تصنیف ''سبیل بخشش'' دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ وہ نعت گوئی جیسی دشوار اور کٹھن صنف سخن پر اس طرح عبور رکھتے ہیں کہ کہیں بھی نہ تو افراط وتفریط کا شکار ہوتے ہیں نہ ہی لرزش قلم کے اسیر۔ خاص بات یہ ہے کہ زیر تبصرہ یہ مجموعہ پورے کا پورا تضمین نگاری پر مشتمل ہے۔ جو بذات خود ایک مشکل مرحلے سے گزرنے کا نام ہے، کسی کے شعر یا مصرع پر تضمین لگانا آسان کام نہیں، جتنا وقت ایک تضمین میں لگتا ہے، اتنے وقفے میں کئی غزلیں اور قصائد لکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن جس طرح بڑی روانی کے ساتھ آپ نے اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے یہ انفرادیت انہیں دیگر شعرا یا تضمین نگاروں میں ممتاز کرتی ہے، آپ نے جن اصحاب قلم کے رشحات پر تضمین کی ہے ان میں امام الکلام سیدنا امام احمد رضا خان بریلوی، قطب زماں مفتی اعظم ہند محمد مصطفیٰ نوری، عارف حق علامہ عبدالعلیم آسی سکندر پوری اور علامہ حسن رضا خان بریلوی جیسی نابغۂ روزگار شخصیات کے کلام بلاغت نظام شامل ہیں۔ آپ کے فن وفکر کی گہرائی کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ کہیں بھی آپ کے اشعار نہ کمزور دکھائی دیتے ہیں، نہ ہی پھیکے، بلکہ کہیں کہیں تو ہم آہنگی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ آپ کے اشعار اور وہ شعر یا مصرعہ جس پر تضمین کی گئی ہے، فرق باقی نہیں رہ جاتا۔ میری نظر میں تضمین نگاری کی یہ خوبصورت اور امتیازی صفت ہے جو مولانا کے کلام میں جگہ جگہ جھلکتی ہے۔ امید ہے کہ حلقۂ علم وادب میں اس کا والہانہ خیر مقدم ضرور ہوگا۔
(بشکریہ: روزنامہ اردو ٹائمز ممبئی)

منظومات

منظوم ترجمہ و تفسیرِ قرآن

بحوالہ کنز الایمان وخزائن العرفان

مولانا کیف الحسن قادری

الفاتحہ

تقدیم

کون واضح کر سکے اس کا مقام و مرتبہ — نام ہے مشہور اس سورہ کا سورہ فاتحہ
از روئے تفسیر ہم پاتے ہیں اس کے بیس نام — اللہ اللہ! کیسی عظمت والا ہے رب کا کلام
سات آیاتِ کریمہ، کلمے ستائیس ہیں — اور حروف اس میں مکمل ایک سو چالیس ہیں
ان میں سے منسوخ یا ناسخ کوئی آیت نہیں — فاتحہ میں قدرے قیل و قال کی حاجت نہیں

☆

جان و دل سے ہے یہ سورہ اہلِ ایماں کو قبول — مکہ و طیبہ یہ دونوں اس کی ہیں جائے نزول
بعض لوگوں سے یہاں منقول ہے یہ واقعہ — ایک دن سرکار نے حضرت خدیجہ سے کہا
اکثر اک آواز ٹکراتی ہے میرے کان سے — کوئی "اقـــرأ" بول کے پڑھنے کو کہتا ہے مجھے
واقعہ معلوم جس دم ابنِ نوفل کو ہوا — بولا اطمینان سے سنئے جب آئے یہ ندا
بعدہٗ جبریل نے خدمت میں آکے عرض کی — پڑھئے بسم اللہ اور الحمد للہ یا نبی
ڈالتی ہے یہ حدیثِ پاک اس پر روشنی — اولیں سورت یہی قرآن کی نازل ہوئی
لیکن اس کے ساتھ ناطق ہیں روایاتِ دگر — ہے نزولِ سورۂ اقـــرأ سبھوں سے پیشتر
اس میں فرمایا گیا بندوں کی بولی میں کلام — بندوں کی تعلیم ہے مقصودِ خلاقِ انام

☆

آپ لے یارو! نہ پوشیدہ رہے ہرگز یہ راز / خواندن ایں سورہ واجب است شرعاً در نماز
منفرد ہو یا امام اپنی زباں سے خود پڑھے / اور قناعت مقتدی حکمی قراءت پر کرے
جیسا کہ خود قول ہے یہ شارع احکام کا / مقتدا کا پڑھنا، پڑھنا مقتدی کا ہو گیا
ہے بہت ساری حدیثوں سے یہ ثابت مسئلہ / اور یہی چلتا ہے تصریحات فقہا سے پتہ
حکمِ قرآں ہے کہ قرآں پڑھ رہا ہو جب امام / مقتدی پوری خموشی سے سنے رب کا کلام
سورۂ اعراف دیتی ہے شہادت دیکھئے / ہے جو دو سو چار نمبر کی وہ آیت دیکھئے

☆

مسئلہ

یاد ہو جب تک نہ اے یارو! جنازے کی دعا / فاتحہ کی سورہ اس کے بدلے پڑھنا ہے روا
شرط ہے لیکن دعا کی نیت اس میں بالیقیں / ہو اگر نیت قرائت کی تو پھر جائز نہیں

☆

فضائل

اس کی عظمت کے حوالے سے بتاتے ہیں حضور / خالی اس سورت سے ہیں تورات وانجیل وزبور
یہ شرف قرآن نے پایا بہ فضلِ ایزدی / یعنی یہ سورہ فقط قرآن میں نازل ہوئی

☆

آسماں سے اک فرشتہ ایک دن نازل ہوا / اور شہ کونین سے بعد از سلام اس نے کہا
میں بشارت دینے آیا ہوں دو ایسے نور کی / آپ سے پہلے نہ جن کو پا سکا کوئی نبی
نورِ اول فاتحہ کی سورہ ہے قرآن میں / نورِ دیگر آخرِ بقرہ کی ہیں تین آیتیں

☆

یہ حدیث پاک بھی ہے مستند اپنی جگہ / ہر مرض کے حق میں ہے اکسیر سورہ فاتحہ

☆

پڑھ کے جو سو بار سورہ فاتحہ مانگے دعا / حسب قولِ نبوی ہوتی ہے قبولِ کبریا

☆

استعاذہ

استعاذہ قبلِ آغازِ کلام اللہ پڑھو / سنت اس کا پڑھنا ہے قبلِ تلاوت دوستو!
سیکھتا ہو علم دیں شاگرد اگر استاذ سے / تو نہیں مسنون اس لمحہ یہ اس کے واسطے

☆

جب رکے "سُبْحَانَ" کہہ کے منفرد یا مقتدا / حسب سنت لب پہ ہو اس دم تعوذ کی صدا

نعتیں

یہ کل جہاں ہے رسالت مآب کی خاطر
حسیں سماں ہے رسالت مآب کی خاطر

رچی بسی ہے ادائے نبی نمازوں میں
رخِ اذاں ہے رسالت مآب کی خاطر

مِرے بدن کا ہے یہ انگ انگ ان کا رہین
لہو رواں ہے رسالت مآب کی خاطر

صدائے "فُزْتُ بِرَبِّیْ" بھلا نہ کیوں گونجے
کٹی زباں ہے رسالت مآب کی خاطر

ہیں نجم، مہر، قمر، کہکشاں سبھی ان کے
کہ آسماں ہے رسالت مآب کی خاطر

تمام خرد جہاں کے نہیں فقط ان کے
ہر اک کلاں ہے رسالت مآب کی خاطر

کھلے گلاب و سمن نسترن انہیں کے لیے
چمن کی جاں ہے رسالت مآب کی خاطر

اچھل کے قدسی یہ کہتی ہیں بحر کی لہریں
یہ بے کراں ہے رسالت مآب کی خاطر

ان سے سویا مقدر ہوا باغ باغ
باغِ عالم کا منظر ہوا باغ باغ

ان کی مدحت سرائی کے آکاش میں
طائر فکر اڑ کر ہوا باغ باغ

یوں کھلی ان کی یادوں کی نازک کلی
قلبِ تیرہ منور ہوا باغ باغ

ان کی رحمت کی موجِ گہربار میں
میری حسرت کا ساگر ہوا باغ باغ

لے کے سینے میں ان کا نشانِ قدم
موم سا نرم پتھر ہوا باغ باغ

ان کی سانسوں کی خوشبوئے پرلطف میں
ذرہ ذرہ معطر ہوا باغ باغ

خوں کے آنسو یہ روتا ہے مظلوم پر
یہ نہ کہیے کہ خنجر ہوا باغ باغ

قدسی قہرِ خدا تھا کہ نمرود کا
خون پی پی کے مچھر ہوا باغ باغ

سید اولاد رسول قدسی مصباحی، ہوسٹن، امریکہ

مرکز اہل سنت بریلی شریف

اے سنیت کے مرکز کیا تیری رہبری ہے
بھٹکے ہوؤں کو تجھ سے جو راہ مل گئی ہے

علم وہنر کا بخشا تو نے ہے جام ہم کو
فیض وکرم کی پھر بھی باقی یہ تشنگی ہے

مسلک ہے اہلِ سنت، مشرب ہے قادریت
احمد رضا نے جوڑی کس طرح یہ کڑی ہے

چھوڑیں گے نہ کبھی ہم احمد رضا کا دامن
برکاتیت کی شمع جو دل میں جل رہی ہے

خواجہ معینِ دیں کا ہندوستاں ہے زندہ
بغداد کی یقیناً عمدہ یہ سروری ہے

کردو کرم خدارا ہم پر اے میرے آقا
مذہب میں آپ دیکھو کیسی یہ دھاندھلی ہے

ایمان کے لٹیرے ہیں چار سو ہمارے
جاں سوز اب یہاں پر تھوڑی بھی کاہلی ہے

علمِ رضا کے صدقے، عشقِ نبی کے بدلے
ایماں پہ خاتمہ ہو یہ آہ واقعی ہے

کہتے ہیں برملا سب ہم سے قریب آکر
احمد رضا سے تو نے سیکھی یہ شاعری ہے

احسنؔ یہ نعت کا ہی فیضان ہے یقیناً
سب کی زباں پہ دیکھو ہر دم نبی، نبی ہے

محمد توفیق احسنؔ برکاتی مصباحی

پیغام رضا کی اشاعت پر منظورتأثر

الصلاۃ والسلام — یا نبی خیر الانام
کیجئے مجھ پر کرم — ہو عطا لوح وقلم
کی محمد سے وفا — اس کو ملتا ہے خدا
مل گیا جس کو خدا — کیا نہیں اس کو ملا
اک غلام مصطفیٰ — نام ہے احمد رضا
علم و دانش کا بڑا — ہر طرف چرچہ ہوا
اہل سنت کا امام — تھا مجدد لا کلام
مسلکِ احمد رضا — اہلِ سنت کو ملا
اک رسالہ جام نور — پڑھ کے آتا تھا سرور
اہل سنت کا نقیب — تھا بہت دل کے قریب
کیا ہوا جانے خدا — دشمنوں سے جا ملا
اس کے ہر مضمون سے — بو بغاوت کی ملے
ہے مخالف بن گیا — مسلکِ احمد رضا
آگیا دل میں فتور — بک گیا وہ جام نور
اک جریدہ بے بہا — نام پیغامِ رضا
جو نقیب و پاسباں — مسلک احمد رضا
یہ رسالہ خوب ہے — جامع اور محبوب ہے
ہے مضامیں خوب تر — جب پڑھا میں کھول کر
خوب ہے اس کا جواب — توڑ دے باطل کا خواب
آج پیغامِ رضا — پاسباں احمد رضا
رحمت اللہ ہیں مدیر — با عقیدت، بے نظیر
اپنی کوشش باوقار — سے کریں باطل پہ وار
یا رسول اللہ کرم — اور ہو زور قلم
حق کی پھیلائے ضیا — اب یہ پیغامِ رضا
ہے زماں کی یہ صدا — اہل حق صد مرحبا

محمد شاہ زماں رضوی

گوہر فرمودات

یاالٰہی مسلک احمد رضا خاں زندہ باد   حفظِ ناموس رسالت کا جو ذمہ دار ہے

سید العلماء مفتی آل مصطفیٰ قادری برکاتی، مارہرہ شریف

''میرا مسلک شریعت وطریقت میں وہی ہے جو اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، میرے مسلک پر چلنے کے لئے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔

حضور سید شاہ علی حسین اشرفی میاں

دین اسلام و مذہب اسلام کا سچا خلاصہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' ہے۔ یہی وہ مجمع البحار ہے جس پر آج حنفیت وشافعیت، مالکیت وحنبلیت، قادریت، وچشتیت، سہروردیت ونقشبندیت، مجددیت وبرکاتیت وغیرہم سب سمندروں کا سنگم ہے۔

شیر بیشۂ اہلسنت مولانا حشمت علی خاں

میں مسلک اہلسنت پر زندہ رہا اور مسلک اہلسنت وہی ہے جو مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔ اعلیٰ حضرت کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ الحمد اللہ اسی پر میری عمر گزری اور الحمد اللہ آخری وقت اسی مسلک پر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں خاتمہ بالخیر ہو رہا ہے۔

مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم میرٹھی

بشیر مجھ سے مصافحہ کرلو اب میں جانے والا ہوں اور میری تمہارے لئے دعا ہے۔ دیکھو تمہارے والد فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور تمہارے تایا حضرت مولانا عبداللہ قادری رضوی اور میں عمر بھر اعلیٰ حضرت بریلی شریف والے کے مسلک کی تبلیغ کرتے رہے۔ تم بھی اسی (مسلک اعلیٰ حضرت) پر قائم رہنا۔ اللہ تمہاری مدد فرمائے گا۔

امام العلماء مولانا امام الدین کوٹلوی

مذہب حقہ اہل سنت جس کا معیار اس زمانہ میں حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی تصانیف ہیں۔ یہی مسلک میرے قبلہ عالم کا تھا اور یہی مسلک حضرات پیران عظام سلسلہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا اور اسی کا میں پابند ہوں۔''

سید شاہ مصباح الحسن مودودی پھپھوند شریف

پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری کا بیان ہے کہ: ''ایک مرتبہ ملتان میں حضرت علامہ کاظمی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا اور اس دوران داڑھی کی حد شرع ایک مشت کے واجب ہونے سے متعلق اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کے فتوے کا ذکر آیا کہ جو شخص داڑھی ایک مشت سے کم کرواتا ہے وہ فاسق معلن ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہے۔ اعلیٰ حضرت کے اس فتوے پر فقیر نے انوار العلوم کے بعض اساتذہ کی تنقید کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ''اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے فتوے پر تنقید ہم سے برداشت نہیں ہوگی، یہ مدرسہ ان کے نظریات حقہ کا علم بردار ہے۔ ہم کیا ہیں؟ اعلیٰ حضرت ہیں، سب کچھ انہیں کا صدقہ ہے، ہم انہیں کے ریزہ خوار ہیں، ہم انہیں کے نام لیوا

ہیں۔جو شخص اعلیٰ حضرت کے نظریات وتحقیقات شریفہ سے متفق نہیں، ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے، ہمارے مدرسہ میں ایسے شخص کی کوئی گنجائش نہیں۔''

حضرت علامہ سید شاہ احمد سعید الکاظمی الامروھوی

مسلک اعلیٰ حضرت واقعتاً مسلک اہلسنت و جماعت کا دوسرا نام ہے اور مذہب حق واہل حق کی پہچان ہے۔''

تاج الاسلام مفتی اختر رضا خاں ازھری بریلی شریف

''مسلک اعلیٰحضرت درحقیقت مسلک حنفی ہے اور حقانیت کی پہچان ہے۔

حضرت مفتی تحسین رضاخاں بریلی شریف

''مسلک اعلیٰحضرت فی الواقع مذہب اہل سنت وجماعت کی تنقیح ہے اور مذہب حق کی واضح تصویر ہے۔''

حضرت مولانا مفتی قاضی عبدالرحیم بستوی بریلی شریف

''مسلک اعلیٰحضرت حقیقت میں سواداعظم اہلسنت کے اس طریقۂ مرضیہ اور متوارثہ کا نام ہے جو عہد رسالت سے لے کر آج تک سواداعظم کا مسلک ہے۔''

حضرت مولانا مفتی اشفاق حسین نعیمی راجستھان

''امام احمد رضا بریلوی کی ذات گرامی تو بڑی چیز، ان کے شہر کی طرف نسبت منسوب کر کے اہل ایمان اور اس کی عاشق رسول ہونے کی دلیل بن گئی ہے۔''

شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں کچھوچھ شریف

''دور حاضر میں اگر مسلک اہلسنت و جماعت کے ساتھ تشریح کے لئے مسلک اعلیٰ حضرت بھی ہو تو فتنہ وفریب یکسر ختم ہو جائے گا۔''

حضرت مولانا مفتی محمد میاں قاضئ شھر دھلی

''مسلک اعلیٰ حضرت سلف صالحین کے مسلک کے عین مطابق ہے اور اس کو علمائے حق کی تائید حاصل ہے۔''

ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد دھلی

''سارے فرقہائے باطلہ کے مقابلے میں اپنی دینی و جماعتی شناخت کے لیے ہمارے پاس بریلوی یا مسلک اعلیٰ حضرت کے لفظ سے زیادہ جامع کوئی دوسرا لفظ نہیں ہے۔''

رئیس القلم علامہ ارشد القادری

''اس میں شک نہیں کہ فاضل بریلوی ایک مصلح قوم، داعیِ حق اور اسلامی اقدار کے محافظ ونگہبان تھے۔یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں صحیح اسلامی شناخت کی تمثیل کے لیے مسلک اعلیٰ حضرت، کہا جاتا ہے اور بجا کہا جاتا ہے۔

شہزادۂ رئیس القلم ڈاکٹر غلام زرقانی ، امریکہ

Scanned with OKEN Scanner

کنز الایمان

کے

۱۰۰ ر سال

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن پاک کا اردو ترجمہ ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' اپنے خلیفہ صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مولانا امجد علی رضوی اعظمی کی گذارش پر انہیں کو ۱۳۳۰ھ میں املا کروایا تھا جس کو ۱۴۳۰ھ میں ۱۰۰ رسال مکمل ہو جائیں گے۔

رضا اکیڈمی برادران اہل سنت سے گذارش کرتی ہے کہ کنز الایمان کے صد سالہ جشن کو شاندار طریقے سے منایا جائے اور ہر مکان، ہر مسجد، ہر مدرسہ، ہر کالج، ہر اسکول اور ہر لائبریری میں اس کو پہنچایا جائے۔ لاکھوں کی تعداد میں اس کو شائع کر کے مفت تقسیم کیا جائے۔ بوسیدہ ترجمہ قرآن چاہے وہ کسی بھی مترجم کا ہو ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' دے کر بوسیدہ ترجمہ قرآن اپنے پاس رکھ لیا جائے ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' کا جن لوگوں نے ترجمہ کیا (جیسے ہندی، سندھی، انگریزی، ڈچ، پنجابی وغیرہ میں) ان کی ہمت افزائی کی جائے۔ ''کنز الایمان'' نام سے جتنے مدارس، مساجد، اسکولس، رسائل وغیرہ ہیں ان کی فہرست شائع کی جائے اور ان کی امداد و اعانت کی جائے۔ ''کنز الایمان'' نام سے کانفرنسیں کی جائیں۔ ''کنز الایمان'' پر سیمینار، سمپوزیم وغیرہ کیے جائیں۔ ''کنز الایمان'' پر جن کا مقالہ بہت دلچسپ ہو، ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ تمام سنی اخبار و رسائل، میگزین، ماہ نامے ''کنز الایمان'' نمبر یا خصوصی شمارہ شائع کریں اور برادران اہل سنت اُن کی اشاعت میں بھر پور قلمی اور مالی تعاون کریں تا کہ نمبرات شمارے ضخیم ہوں اور بڑی تعداد میں شائع ہو سکیں۔ رضا اکیڈمی نے ایک لاکھ ''کنز الایمان'' شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ دعا فرمائیں کہ رب تعالیٰ ہم سے یہ خدمت لے۔ رضا اکیڈمی عرس نوری و رضوی کے موقعہ پر ''کنز الایمان شریف'' صرف ۷۵ ر روپے میں ہدیہ کرے گی جو کہ مارکیٹ میں ۱۵۰ ر روپے ہدیہ میں دستیاب ہے

(المعلن اسیر مفتی اعظم محمد سعید نوری بانی رضا اکیڈمی)

RAZA ACADEMY

52, Dontad Street, Khadak, Mumbai-9, Ph.: 022-66342156, 66659236

حج وعمرہ کے مسائل پر سہل انداز میں جامع معلوماتی کتاب



رہنمائے حج وزیارات

مولانا مفتی ملک الظفر سہسرامی

ترتیب وتقدیم

محمد رحمت اللہ صدیقی

ناشر

شعبۂ نشر واشاعت دار العلوم خیریہ نظامیہ سہسرام

مولانا ملک الظفر سہسرامی

تنقیدی شعور کا درخشاں ستارہ

حضرت مولانا ملک الظفر سہسرامی علم و ادب کے افق پہ ایک نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ ان کی زندگی کا ہر گوشہ دینی، علمی اور فکری خدمات سے معمور ہے۔ بطور ادیب اور نقاد، ان کی تحریریں فکر کی گہرائی اور ادبی ذوق کی بلندی کا بہترین امتزاج پیش کرتی ہیں۔ ان کا تنقیدی شعور ان کی تحریروں میں جھلکتا ہے۔ ان کے مقالات اسلامی تہذیب و ثقافت کے دفاع اور اصلاحی فکر کے فروغ میں سنگ میل ثابت ہوئے ہیں۔ مولانا نے اپنے مخصوص علمی انداز اور دلنشیں طرز بیان کے ذریعے ایسے موضوعات پہ قلم اٹھایا ہے جو عصری مسائل کو روشنی فراہم کرتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں ادبی اصول اور شرعی بنیادوں کے درمیان ایک متوازن ربط قائم نظر آتا ہے، جو ان کے گہرے تنقیدی شعور کا غماز ہے۔

مولانا کے یہ قیمتی مقالات ''فکر و نظر کے چراغ'' کے نام سے صحافی عصر حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی مدیر اعلیٰ پیغام رضا کی ترتیب و تہذیب کے ساتھ جلد منظر عام پہ آ رہا ہے۔

یہ مجموعہ ان تمام افراد کے لیے ایک گراں قدر تحفہ ہوگا جو اسلامی ادب اور تنقید سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ "فکر و نظر کے چراغ" نہ صرف مولانا ملک الظفر سہسرامی کی علمی خدمات کا اعتراف ہوگا، بلکہ یہ آنے والی نسلوں کے لیے روشنی کا مینار بھی ثابت ہوگا۔

یہ نایاب علمی مجموعہ حاصل کرنے کے لیے ابھی رابطہ کریں

قاری رضوان الہدیٰ سہسرامی

SHOBA-E-NASHR-O-ISHA'AT
DARUL ULOOM KHAIRIYA NIZAMIYA
Baradari, Sasaram-821115, Contact : 7992441600

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رہنمائے حج وزیارات

مولانا ملک الظفر سہسرامی

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے
(حضرت رضاؔ بریلوی)

حج وعمرہ کے مسائل پر سہل انداز میں جامع اور معلوماتی کتاب

بنام

رہنمائے حج وزیارات

مولانا ملک الظفر سہسرامی

ترتیب وتقدیم
مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی

ناشر

شعبۂ نشر واشاعت دارُالعلوم خیریہ نظامیہ، سہسرام

نام کتاب : رہنمائے حج وزیارات

مؤلف : مولانا ملک الظفر سہسرامی

ترتیب وتقدیم : مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی، مدیر اعلیٰ پیغامِ رضا ممبئ

سن اشاعت : ۱۴۴۶ھ-2025ء

ناشر : شعبۂ نشر واشاعت دارُالعلوم خیریہ نظامیہ، سہسرام

تعداد : 1100 (گیارہ سو)

قیمت : 150 (ایک سو پچاس روپے)

ملنے کے پتے :

(۱) دارُالعلوم خیریہ نظامیہ، سہسرام 7992441600

(۲) رضوی بک ڈپو، مدار دروازہ سہسرام

(۳) صبا بک ڈپو، چوکھنڈی سہسرام

(۴) بک امپوریم، اردو بازار، پٹنہ

(۵) جامعہ مدینۃ العلوم رتن پور ضلع کھیڑا گجرات

عارفِ وقت، زاہدِ زمانہ

حضرت مولانا مفتی محمد فرخند علی سہسرامی نقشبندی مجددی

امین الفتویٰ حضرت مولانا مفتی محمد صدیق صادقؔ سہسرامی

ضیاء العلماء حضرت مولانا مفتی ضیاء الحسن ضیاء محدث سہسرامی

فخر بہار، تاجدارِ صحافت وخطابت

حضرت علامہ محمد میاں کامل سہسرامی علیہم الرحمہ

کے نام

جنھوں نے دارالعلوم خیریہ نظامیہ سہسرام کے پلیٹ فارم سے فروغِ دین وشریعت کے لیے اپنی حیات کی ہر سانس وقف کردی تھی ان پاکانِ امّت کے لیے فخریہ کہا جا سکتا ہے کہ

ان کا سایہ اک تجلی، ان کا نقشِ پا چراغ
یہ جدھر گذرے اُدھر ہی روشنی ہوتی گئی

نیاز مند

محمد ملک الظفر سہسرامی

فہرست مشمولات

عناوین	صفحہ نمبر
عرض مصنف ۔۔۔۔۔۔مولانا ملک الظفر سہسرامی	8
تقریظ۔۔۔۔۔۔۔مفتی شمشاد حسین رضوی، بدایوں شریف	13
تقدیم۔۔۔۔۔۔مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی	17
عازمین حج وزیارت کے لیے خاص ہدایات	65
اقسام حج، شرائط حج	75
فرائض حج، واجبات حج	76
حج کی سنتیں، ممنوعات حج	77
مکروہات حج، جرم اور اس کے کفارے	78
سلے کپڑے پہننا	79
بال دور کرنا، ناخن تراشنا	80
بوس وکنار وغیرہ، جماع	81
طواف میں غلطیاں	81

سعی میں غلطیاں، وقوف میں غلطی، رمی کی غلطیاں	82
قربانی اور حلق میں غلطی، ہدایت	83
جوں مارنا، میقات سے بغیر احرام گذرنا	84
احرام ہوتے ہوئے احرام باندھنا	85
آیئے حج کریں	85
نویں ذوالحجہ کی ایک خاص دعا	94
حج کی بعض اصطلاحات ومقامات کی وضاحت	107
مختلف مقامات کی دعائیں	109
چند مقدس زیارت گاہیں	114
مکہ مکرمہ کے گم شدہ تبرکات: از تبرکات قلم فخر بہار حضرت علامہ محمد میاں کامل سہسرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	119
مناجات	127
لاکھوں سلام	128

عرض مصنف

اسلام میں حج ایک عظیم عبادت اور دین کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ ہر صاحب استطاعت مسلمان کے لیے حج کی ادائیگی ایک مرتبہ فرض ہے۔ حج اور زیارات کے مناسک ایک مقدس روحانی تجربے ہیں، جن کی صحیح ادائیگی کے لیے مکمل رہنمائی اور تیاری ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''رہنمائے حج وزیارات'' کی افادیت واہمیت ہر دور میں نمایاں رہی ہے۔

رہنمائے حج کی ضرورت:

حج کے مناسک کی درست ادائیگی گہرا مطالعہ، علمائے کرام کی بابرکت صحبت، تفصیلی معلومات، وقت اور مکمل اتباع کے بغیر کما حقہ ممکن نہیں۔ یہ مناسک اسلام کی تاریخ، عقائد، اور عبادات کے گہرے شعور کے بغیر مکمل طور پہ ادا نہیں کیے جاسکتے۔

رہنمائے حج:

(۱) حجاج کرام کو مناسک حج کی مکمل تفصیل فراہم کرتی ہے۔

(۲) عملی رہنمائی فراہم کرتی ہے تا کہ حجاج کرام سنت کے مطابق حج کے اعمال وارکان ادا کرسکیں۔

(۳) سفر کے دوران پیش آنے والے مسائل اور ان کے شرعی حل کے بارے میں

آ گاہی دیتی ہے۔

(۴) ایسے افراد کے لیے معاون و مددگار رہے جو پہلی بار حج یا زیارات کے لیے جا رہے ہوں اور مناسک حج سے ناواقف ہوں۔

رہنمائے حج وزیارات کی افادیت:

(۱) **تعلیماتِ دین کی رہنمائی:** رہنمائے حج ایک ایسا ذریعہ ہے جو حج کے شرعی احکام، فضائل، اور مناسک کی تفصیل پیش کرتی ہے۔ یہ زائرین کو اسلامی تعلیمات پہ عمل پیرا ہونے میں مدد فراہم کرتی ہے۔

(۲) **وقت اور وسائل کی بچت:** مناسکِ حج کی صحیح ادائیگی کے لیے وقت اور وسائل کی منصوبہ بندی ضروری ہے۔ رہنمائے حج ان تمام امور کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہے، جیسے: طواف کے اصول، سعی کے مراحل، رمی جمار، قربانی اور حلق کے احکام۔

(۳) **روحانی تیاری:** حج ایک روحانی سفر ہے جس میں دل و دماغ کو خلوص کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں جھکانے کی تربیت دی جاتی ہے۔ رہنمائے حج زائرین کو روحانی طور پہ تیار کرتی ہے تاکہ وہ زیادہ خشوع وخضوع کے ساتھ حج ادا کر سکیں۔

(۴) **سفر کی سہولت:** حج کے دوران سفر کے انتظامات اور دیگر عملی امور جیسے رہائش، کھانے پینے، اور نقل وحرکت کے بارے میں رہنمائی فراہم کی جاتی ہے، تاکہ زائرین کسی پریشانی کے بغیر مناسک ادا کر سکیں۔

(۵) **مشترکہ عبادت کا شعور:** ''رہنمائے حج'' مسلمانوں کو یہ سمجھنے میں مدد دیتی ہے کہ حج ایک اجتماعی عبادت ہے جہاں دنیا بھر کے مسلمان ایک جگہ جمع ہو کر اللہ کے حضور جھکتے ہیں۔ یہ امتِ مسلمہ کے اتحاد اور بھائی چارے کا بہترین مظاہرہ ہے۔

دین واحکام دین سے ہماری دوریاں اب آہستہ آہستہ بڑھتی چلی جارہی ہیں۔ایک مسلمان کی حیثیت سے احکام اسلامی پہ ہماری جو مضبوط گرفت ہونی چاہیے وہ نظر نہیں آتی ہماری معاشرتی زندگی میں دین ومذہب رسم ورواج کی شکل میں باقی رہ گیا ہے دین کی بنیادی باتوں سے بھی ہم بے خبر ہیں مسلمان کے لیے جس طرح ایمانیات کا جاننا لازم ہے اسی طرح کفریات کا علم بھی ضروری ہے- چلتے پھرتے، ہنستے بولتے، اٹھتے بیٹھتے اس طرح کفریہ کلمات کہہ کر گذر جاتے ہیں اور ہمیں اس کا شعور وادراک بھی نہیں ہو پاتا یہ ستم بالائے ستم ہے کہ آدمی مرتکب کفر ہوجائے اور اسے اس کا شعور بھی نہ ہو سکے۔

ہم جس معاشرے اور سماج میں زندگی گذار رہے ہیں وہ ایک مخلوط سماج ہے اور اس معاشرے میں آزادیِ فکر وخیال کا بول بالا ہے سوچنے سے لے کر بولنے تک، فکر وخیال کی ترسیل سے لے کر زبان وقلم تک سب بے قید وآزاد ہیں کہیں آپ پہرے نہیں بٹھا سکتے۔ لیکن ہم مسلمان ہمیشہ سے احکام اسلامی کے پابند تھے، ہیں اور رہیں گے ہمارے بولنے لکھنے پہ بھی شریعت نے پہرے بٹھا رکھے ہیں لکھنے بولنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم سوچیں کہ ہم کیا بولنے اور لکھنے جارہے ہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے سننے کے لیے دو کان دیکھنے کے لیے دو آنکھیں عنایت فرمائیں لیکن گفتگو کے لیے ایک زبان سے نوازا یعنی پہلے تولو پھر بولو عربی زبان کا ایک محاورہ ہے ''من سکت نجٰ'' جو خاموش رہ گیا نجات پا گیا۔

ہماری عام زندگی میں بول چال میں اردو زبان میں رائج کئی محاورے ایسے ہیں جن پہ شریعت کے سخت فتوے ہیں مثلاً ایک محاورہ جو آپ نے بھی سنا ہوگا ممکن ہے ناواقفی میں اس کا استعمال بھی ہوا ہوگا ''گئے روزے بخشوانے گلے پڑ گئی نماز۔''

استغفر اللہ استغفر اللہ نماز کا گلے پڑنا غور فرمایئے نماز جو ایک اہم رکن اسلامی ہے اس کے تعلق سے اس جملے میں کس قدر رکاکت ہے یقیناً یہ نماز کی توہین اور اس کا استخفاف ہے جو ایک مسلمان کو اسلام سے نکال کر وادی کفر تک پہنچا دیتی ہے۔

ہماری معاشرتی اور سماجی زندگی میں بگاڑ وفساد کا بڑا سبب فلم دنیا کی نیرنگیاں بھی ہیں

جن کے زیر اثر ہمارے پاکیزہ وصالح معاشرے کی چول ہل کر رہ گئی ہے بات فیشن، عریانیت اور نیم برہنگی سے بڑھ کر ہماری روحانیت و مذہبیات کے اثاثے میں نقب زنی تک جا پہنچی ہے نغمات ومکالمات اور جملہ بندیوں میں جو فحش کلامی ہے وہ جگ ظاہر ہے لیکن ان میں بولے جانے والے کچھ جملے لاریب صریح کفر ہیں جن کی جانکاری بحیثیت مسلمان ہم پہ فرض ہوجاتی ہے مثلاً نعوذ باللہ من ذالک۔ فلمی نغمے کا ایک شعر ہے۔

خدا بھی آسماں سے جب زمیں پہ دیکھتا ہوگا
مرے محبوب کو کس نے بنایا سوچتا ہوگا

یا

دنیا بنانے والے کیا ترے من میں سمائی کاہے کو دنیا بنائی

نعوذ باللہ من ذالك

اس طرح کے اور بھی بہت سارے کفریہ اشعار اور مکالمے ہیں جن کا سننا انہیں ادا کرنا ایک مسلمان کو ایمان کی سرحدوں سے نکال کروادی کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

سفر حج پہ جانے سے پہلے آپ اپنی زندگی کی صبح وشام کا گہرائی سے جائزہ لیں زندگی کے کسی موڑ پہ دانستہ نادانستہ خاموشی سے کفر کا عمل دخل تو نہیں ہوگیا لہٰذا وقت ضائع کیے بغیر فوراً تجدید ایمان، تجدید نکاح اور تجدید بیعت کر کے ایک نئ پاکیزہ زندگی کی ابتدا کریں تا کہ حج کے فیوض وبرکات سے بہرہ ور ہونے کے مواقع نصیب ہوسکیں۔

یہ ذہن میں رہے کہ نادانستگی میں بھی ارتکاب کفر کی بنیاد پہ ہمیں معاف نہیں کیا جائے گا۔

موجودہ حالات کے پیش نظریوں بھی بے پناہ اہم وضروری ہوگیا ہے کہ ہم موقع بموقع تجدیدِ ایمان تجدید نکاح وغیرہ کے مرحلے سے گذرتے رہیں تا کہ اگر لاعلمی اور نادانستگی میں کوئی ایسی خطا سرزد ہوگئی ہو کوئی کفریہ جملہ نوک زبان پہ آ گیا ہو تو اس سے ہماری پاکیزہ زندگی پاک وصاف ہوجائے۔

رہنمائے حج وزیارات ایک قیمتی ذریعہ ہے جو نہ صرف عبادات کے احکام سمجھنے میں مدد

دیتی ہے بلکہ حج کے روحانی اور عملی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ یہ زائرین کو ان کے مقدس سفر کو بہتر انداز میں مکمل کرنے کے لیے رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ لہٰذا، ہر مسلمان کو سفر حج پہ جانے سے پہلے رہنمائے حج وزیارات سے استفادہ کرنا چاہیے تاکہ وہ یہ عظیم عبادت سنت کے مطابق اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کر سکے۔

ہم شکر گذار ہیں ان تمام احباب مخلصین اور اہل محبت کے جو اس کی اشاعت کے عملی مرحلے سے گذارنے میں ہمارے شکستہ حوصلوں کو تقویت کا سامان فراہم فرماتے رہے۔ حضرت علامہ مفتی محمد شمشاد حسین رضوی بدایونی کی اس نظر التفات کا شکریہ جس نے رہنمائے حج وزیارات کا غائرانہ مطالعہ فرما کر اپنی قیمتی تحریر سے اسے مزید رونقیں بخشیں، عزیز گرامی قدر حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی کے اس پاکیزہ جذبے کو سلام جو دم توڑتے ہوئے ارادوں کو نئی تب وتاب اور تازہ دم کرتے رہتے ہیں۔ عزیز گرامی مولانا مفتی فیض احمد استاذ جامعہ حمیدیہ بنارس اور عزیز القدر مولانا خلیل رضا رانچی کی ان محبتوں کا شکریہ جو اس کتاب کے اشاعتی سفر کے لیے زادِ راہ بنیں۔

اہل علم کی بارگاہ میں التجا ہے کہ اگر کہیں کوئی خامی نظر آئے تو متوجہ فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو جائے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی، بدایوں

تقریظ

حرم کی سرزمیں دنیا کے تمام مسلمانوں کے لیے دل وجان سے قریب تر ہے، چاہے وہ دنیا کے کسی بھی علاقے کے ہوں، وہ حرم اور اس کے گرد وپیش کے تمام علاقوں پر دل وجاں سے فدا ہیں اور ان پر اپنی جاں نثار کرنے کو تیار ہیں اور شب وروز اسی انتظار میں رہتے ہیں کہ حرم سے بلاوا آئے اور حرم کی سرزمیں کا دیدار ہو جائے۔ یوں تو اس جہان گیتی کے تمام اطراف واکناف سے لاکھوں کی تعداد میں اہل ایمان حج وعمرہ کے موقع پر زیارت کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور دل کی مرادیں پوری کرتے ہیں۔ یہ سرزمیں کیسی سرزمیں ہے؟ اس تعلق سے سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

یہی وہ سرزمین ہے جہاں فرشتے بھی ادب سے آتے ہیں اور اپنی آنکھوں کو بچھائے ہوئے حاضر ہوتے ہیں۔ ہوائیں بھی ادب سے آتی ہیں اور گزر جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ سرزمیں عرش سے بھی نازک تر ہے یہاں کی خاک کے ذروں میں جو تاب وتوانائی پائی جاتی ہے کہیں اور نہیں، کیا آسماں اور کیا عرش معلیٰ؟ فارسی زبان وادب کے مشہور شاعر ''عزت بخاری'' کا ایک شعر ہے ۔

ادب گا ہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و با یزید ایں جا

یعنی آسماں کے نیچے ایک ایسی بھی ادب گاہ ہے جو عرش سے بھی نازک تر ہے جہاں جنید و بایزید بھی اپنی سانسیں روک کر آتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اونچی آواز میں سانس بھی نہیں لیتے۔ یہ تو بڑے بڑوں کی باتیں ہیں ان کے نقوش قدم پر چلنا ہم جیسے گنہگاروں اورسیاہ کاروں کے بس کی بات نہیں۔ پھر ہم جائیں تو کیسے جائیں؟ حاضری کے آداب کیا ہیں ؟ انہی آداب کی تفصیلات پر مشتمل یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے جس کا نام ’’رہنمائے حج وزیارات‘‘ ہے۔ اس کے مصنف ’’حضرت علامہ مولانا مفتی ملک الظفر سہسرامی ہیں۔ انہوں نے یہ کتاب بے پناہ خلوص اور محبت کے ساتھ ترتیب دی ہے اس کا مطالعہ کیجئے اور سمجھ لیجئے کہ ’’رہنمائے حج وزیارات‘‘ کتنا ضروری اور اہم ہے۔حرم کی سرزمین کوئی عام سرزمین نہیں۔وہاں کی خاک کا ہر ایک ذرہ نور ونکہت سے بھرا پڑا ہے جو دل و جاں دونوں کو روشن کرتا رہتا ہے۔ان حضرات کو یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے جو سفر حج وزیارت کے لیے روانہ ہورہے ہیں یا پھر حرم کی سرزمیں تک جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

یہ کتاب کیوں اور کیسے؟

کسی بات کو سن کر لکھنے یا پڑھ کر لکھنے میں ضرور مزہ آتا ہے مگر مشاہدہ کر کے اور آنکھوں سے دیکھے ہوئے احوال و کیفیات کے بیان کرنے میں جو لطف و مزہ پایا جاتا ہے کہیں اور نہیں پایا جاتا ہے۔ چونکہ دیکھ کر بیان کرنے میں صرف احوال واقعی ہی نہیں ہوتے ہیں بلکہ قلب و جاں کے جذبات واحساسات بھی اس میں پائے جاتے ہیں ’’رہنمائے حج وزیارات ‘‘نامی اس کتاب میں احوال واقعی کے ساتھ ساتھ مصنف کا مشاہدہ بھی پایا جاتا ہے۔اس کتاب کو پڑھیئے اور مشاہداتی کیفیات سے لطف اٹھایئے۔

یہ کتاب کیسے اور کیوں وجود میں آئی۔اس کی وضاحت کرتے ہوئے مصنف ومرتب

بیان کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

> آٹھ دس سالوں سے دارالعلوم خیریہ نظامیہ سہسرام میں عازمین حج و زیارت کے لیے تربیتی کیمپ کا انعقاد عمل میں آرہا ہے۔اس طرف تین چار سالوں سے ضلع رہتاس کے عازمین حج وزیارت کی تربیت کا سلسلہ باقاعدہ جاری ہے تربیت کی اس خدمت پہ یہ ہیچ مداں مامور ہے اسی تربیت کا فیضان ہوا کہ حج و زیارت کے موضوع پر زیر نظر کتاب ترتیب کے مرحلے سے گزر گئی۔
>
> عازمین حضرات کی سہولت کے لیے ضخیم سے ضخیم اور مختصر سے مختصر ہدایت نامے رہنما مارکیٹ میں دستیاب ہیں میں نے اپنے تئیں یہ کوشش کی ہے کہ عازمین کو مختصر انداز میں حج کے جملہ ارکان فرائض، واجبات اور سنن و مستحبات، ممنوعات، دعائیں، بعض ضروری اصطلاحات نیز حاضری و زیارت کے آداب کی جانکاری دے دی جائے۔ اپنی اس کوشش میں میں کہاں تک کامیاب ہوں یہ فیصلہ قارئین کے سپرد کرتا ہوں۔ (پیش لفظ)

''پیش لفظ'' کی مذکورہ عبارتوں کو پڑھ کر اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ''رہنمائے حج وزیارات'' کیوں اور کیسے لکھی گئی۔یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ مصنف نے پہلے حج وزیارت کا سفر کیا اور کئی عمرے بھی کیے۔انہوں نے حرم کو بھی دیکھا اور اس کے گرد و پیش کے متبرک اور نور ونکہت میں ڈوبے ہوئے علاقوں کی زیارت بھی کی۔ خاک حرمین شریفین کے ان ذروں کو بھی دیکھا جنہیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے ناز سے اکتساب نور کا موقع نصیب ہوا ہوگا۔اس دوران مصنف کے دل و دماغ میں نہ جانے کیا جذبات واحساسات بیدار ہوئے ہونگے اوران کی قلبی کیفیات کا کیا عالم ہوا ہوگا؟ یہ بتانا ذرا

مشکل ہے، کیف وطرب کے انہیں جذبات کو حضرت مصنف نے اپنے لفظوں میں پیش کیا ہے۔ یہ بھی ان کے فن کا کمال ہے کہ انہوں نے اپنے جذبات نہایت ہی مختصر انداز میں پیش کئے ہیں تا کہ قارئین کے لیے سہولت ہو اور اس کتاب سے استفادہ کرنے میں کسی طرح کی کٹھنائی پیدا نہ ہو۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ انہوں نے جو کچھ بھی بیان کیا ہے یہ ان کا آنکھوں دیکھا حال ہے اور سچے جذبات ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حضرت مصنف نے ایک وسیع اور گہرے سمندر کو مختصر سے مختصر انداز میں پیش کر دیا ہے۔

کچھ مصنف اوران کے اسلوب کے بارے میں:

حضرت علامہ ومولانا مفتی ملک الظفر صاحب خانوادۂ علم وفن کے چشم و چراغ ہیں۔ ان کے خاندان میں ایک سے بڑھ کر ایک علمی شخصیات رہی ہیں۔ ان کے والد گرامی حضرت علامہ محمد میاں کامل سہسرامی ہیں جو اپنے دور کے بڑے خطیب وقلم کار رہے ہیں۔ ان کی خطابت کی دھوم پورے ہندوستان میں پائی جاتی تھی۔ جس اسٹیج پر ان کی موجودگی ہوا کرتی تھی جلسہ کامیاب ہوا کرتا تھا ان کا انداز بیاں ایسا ہوا کرتا تھا جیسے ان کی زبان پاک سے لفظوں اور جملوں کے لعل و گوہر جھڑ رہے ہوں اور سامعین اپنے دامنوں کو پسارے اپنے دلوں میں بسا رہے ہوں، ان کی خوبی اور کمال کا ایک زمانہ متأثر تھا، ہے اور رہے گا۔ ان کا چمکتا سورج نہ ڈوبا ہے اور نہ کبھی ڈوبے گا، یہ اور بات ہے کہ ان کے چمکنے اور دمکنے کا انداز بدل گیا ہے۔ حضرت علامہ ومولانا ومفتی ملک الظفر صاحب قبلہ اپنے خاندان اور والد محترم کی چمکتی اور دمکتی کرنوں کو فروغ وارتقاء کی منزلوں سے ہمکنار کر رہے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ سہسرام اور اس کے اردو گرد کے علاقوں میں ان کی شخصیت کو اعتباریت حاصل ہے مزید یہ کہ ان کی شخصیت میں ایسی تاب وتوانائی پائی جاتی کہ خود زمانہ ان کی جانب کشاں کشاں آتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ پاک پروردگار عالم سے دعا ہے حضرت علامہ یوں ہی چمکتے اور دمکتے رہیں اور اہل زمانہ ان سے اکتساب نور وضیا کرتا رہے۔ جو کتاب انہوں نے ترتیب دی ہے ہر خاص وعام کے لیے منبع فیض وبرکت بنی رہے اور اس کی اشاعت برابر ہوتی رہے۔ آمین ثم آمین۔

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد

اسلامی تاریخ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے شروع ہوتی ہے۔ مکہ مکرمہ میں کعبہ ہے، اسے بیت اللہ بھی کہتے ہیں۔ روئے زمین پر یہ اللہ کا اولین گھر ہے۔ ذاتِ الٰہی گھر اور در سے بے نیاز ہے۔ کعبہ کو اللہ کا گھر تعظیماً اور توقیراً کہا جاتا ہے۔ سب سے پہلے کعبہ کی تعمیر فرشتوں نے کی۔ دوسری تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے کی، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے خاص اپنے دستِ مبارک سے اس کی تعمیر کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکمِ الٰہی ہوا کہ کعبہ کی طرف لوگوں کو بلائیں، آپ نے لوگوں کو آواز دی۔ روایتوں میں آیا ہے آپ کی یہ آواز ہر فرد بشر تک پہنچی۔ آپ کی آواز سن کر جس نے جتنی بار لبیک کہا اتنی بار اس کے مقدر میں کعبہ کی حاضری لکھ دی گئی۔ قرآنِ حکیم واحادیثِ مبارکہ میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

مکہ مکرمہ آیات وتبرکات کا مرکز ہے۔ مستجاب، مطاف، حطیم، مقامِ ابراہیم، منیٰ، میلین اخضرین، عرفات، مسجد نمرہ، جبل رحمت، مزدلفہ، ملتزم، مسجد خیف، چاہِ زمزم، صفا و مروہ، جبل نور اور غارِ حرا ان سب کا شمار آیاتِ الٰہی میں ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر اسی شہر خیرات وبرکات میں آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے ولادت ہے۔ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

اپنی ظاہری زندگی کے ۵۳ رسال اسی شہر کریم میں گذارے ہیں۔ اسی شہر میں آپ نے اعلانِ نبوت فرمایا۔ قرآنِ حکیم کے نزول کی ابتدا بھی اسی شہر میں ہوئی، اور آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہیں سے دعوت وتبلیغ کا آغاز فرمایا۔ اس شہر کریم کی کوئی رہگذر ایسی نہ ہوگی جس نے آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمِ ناز کا بوسہ نہ لیا ہو۔ اپنی جائے ولادت سے محبت کا چراغ ہر شخص کے دل میں روشن ہوتا ہے۔ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس شہر کریم سے غایت درجہ کی محبت تھی۔ آپ کے آبائے کرام کا بھی ایک نوری سلسلہ ہے اور سب یہیں آسودۂ خاک ہیں۔ کعبہ کی تولیت بھی آپ ہی کے خاندان کو حاصل تھی۔ آپ کے جدِّ اعلیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بچپن، جوانی اور بڑھاپا اسی شہر میں گذرا۔ اور آپ کی آخری آرام گاہ بھی اسی شہر میں ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بھی اسی شہر میں سو رہی ہیں۔ اسی شہر کی آغوش میں حضرت اسماعیل کی قربانی کے سارے مناظر محفوظ ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے مناظر ایسے مناظر ہیں کہ چشمِ فلک نے ایسے مناظر اپنی آنکھوں سے کبھی دیکھے نہیں تھے۔ ایک باپ اپنے بیٹے کے حلقوم پہ چاقو چلا رہا ہے اور بیٹا پیکرِ اطاعت بنا زمین پہ لیٹا ہوا ہے۔ ملائکہ باپ بیٹے کی اطاعت شعاری پہ حیرت کناں ہیں۔ رب کائنات جب اپنے کسی بندے کو سربلند کرنا چاہتا ہے تو اسے اسی طرح کے جذبات واحساسات سے سرشار کر دیتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس شہر کے بانی بھی ہیں اور معمار بھی۔ آپ نے حکمِ الٰہی کے تحت اس وقت اپنے بچوں کو لاکر یہاں چھوڑا جس وقت دور دور تک انسانی آبادی کا کوئی تصور نہیں تھا۔

حضرت ہاجرہ کی گود میں حضرت اسماعیل تھے۔ ان دونوں کو آپ نے اسی مقام پہ چھوڑا، جہاں آج کعبۃ اللہ ہے۔ جب آپ اپنے بچوں کو چھوڑ کر جانے لگے تو حضرت ہاجرہ نے پوچھا کہ کیا یہ آپ کے رب کا حکم ہے؟ اثبات میں جواب پا کر حضرت ہاجرہ مطمئن ہوگئیں۔ حضرت ہاجرہ نبی کی شریکِ حیات تھیں، اگر کوئی دوسرا فولادی جگر کا حامل بھی ہوتا تو سنسان وادی کے تصور ہی سے اس کا دم نکل جاتا۔ نبی کے قدمِ ناز کی برکتوں سے ویرانے آبادی میں

تبدیل ہوتے ہیں۔حج کے اکثر ارکان انھیں باپ، بیٹے اور ماں کی اداؤں کا مظہر ہیں۔

کعبۃ اللہ یہ زمین کا قلب ہے، حضرت آدم علیہ السلام کے خمیر میں کعبہ کی مٹی شامل ہے۔روایات میں آیا ہے کہ چالیس سال تک آپ کا جسم یہیں خشک ہوتا رہا اور یہیں سے آپ جنّت میں داخل کیے گئے اور پھر جنت سے ہندوستان میں اُتارے گئے، پھر آپ نے ہندوستان سے کعبہ کی طرف ہجرت کی۔آپ رب کی بارگاہ میں عرض گذار ہوئے کہ اے رب! آسمان پر بیت معمور ہے جہاں ہم تیری عبادت کرتے تھے اور بیت معمور کا طواف کرتے تھے۔اے رب! یہاں ایسا کوئی مقام نہیں جہاں ہم یکسوئی کے ساتھ تیری عبادت کرسکیں تو ربِ کائنات نے آپ کو کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا۔روایات میں آیا ہے کہ آج جہاں کعبہ ہے بالکل اسی کے اوپر آسمان پہ بیت معمور ہے۔

مکہ مکرمہ کا ذرہ ذرہ پاکیزگی، خودسپردگی اور ایثار وقربانی سے عبارت ہے۔قدم قدم پر حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ کے خدائے قادر و قیوم کے لیے ہر طوفان سے گذر جانے کے جذبات چھلکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ان پاکانِ زمانہ نے خدا سے ناز و نیاز کا جو تصور دنیا کے سامنے پیش کیا ہے تاریخ انسانی میں اس کی کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی۔انہوں نے انسانی برادری کو انتہائی واضح انداز میں یہ تصور دیا ہے کہ جو ہر ذاتی مفاد سے بے نیاز ہوکر خدا کا ہو جاتا ہے خدائے قادر و قیوم اسے کسی بھی حال میں ضائع ہونے نہیں دیتا۔اور اس کی ہر سانس کو انسانی برادری کے لیے چراغِ منزل بنا دیتا ہے۔ ارکانِ حج سے اس کی واضح شہادتیں ملتی ہیں۔حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ کی اداؤں کو قرآنِ حکیم اور احادیث مبارکہ نے اپنے سینوں میں محفوظ کرلیا ہے۔یہ فرموداتِ خدائے قادر و قیوم اور ارشاداتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تا قیامت انسانی برادری کے لیے نشانِ راہ بنے رہیں گے۔

حضرت ابراہیم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسمِ مبارک اولوالعزم رسولانِ عظام میں ہوتا ہے۔آپ کی پوری زندگی امتحان وآزمائش سے عبارت ہے۔خدائے قادر و قیوم اپنے ہر

اولوالعزم بندے کو آزمائش سے گذارتا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام خدائے قادر و قیوم کی محبت میں خود کو فنا کر چکے تھے۔ جماعت ملائکہ ان کی محبت کو رشک بھری نظروں سے دیکھتی تھی۔ خدائے قادر و قیوم سے ان کی محبت وخود سپردگی کس منزل میں ہے فرشتے اسے دیکھنا چاہتے تھے۔ ذاتِ الٰہی میں ان کی فنائیت ہر جہت سے بے غبار تھی۔ وہ خدائے قادر و قیوم کے لیے ہر آتش کدے سے گذر جانے کا بھر پور حوصلہ رکھتے تھے۔نمرود ہی کے مقابل آپ کو کھڑا کیا گیا تھا۔نمرود خدائی کا دعویدار تھا۔ وہ خدائے قادر و قیوم کے بندوں کو ذلیل و رسوا کر رہا تھا۔اس کا یہ عمل حضرت ابراہیم سے دیکھا نہیں جا رہا تھا۔حضرت ابراہیم خدا کی آواز تھے اور خدا کی آواز کو دبایا جا سکتا ہے نہ مٹایا جا سکتا ہے۔نمرود اس فلسفے سے ناآشنا تھا۔ خدائے قادر و قیوم جب کسی ظالم سے انتقام لینا چاہتا ہے تو اسے اپنے کسی محبوب بندے سے الجھا دیتا ہے۔نمرود اس خدائی فلسفے سے بھی بے خبر تھا۔نمرود حضرت ابراہیم کو اپنی راہ کا سب سے بڑا پتھر سمجھتا تھا۔ وہ اس پتھر کو اپنی راہ سے ہمیشہ کے لیے ہٹا دینا چاہتا تھا۔اس نے آگ کا ایک ایسا الاؤ سلگایا جس کی تپش کا یہ عالم تھا کہ سیکڑوں فٹ کی بلندی سے اگر کوئی پرندہ اس کے اوپر سے گذرتا تو وہ جل کر راکھ ہو جاتا۔ یہ آتش کدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے لیے سلگایا گیا تھا۔ خدائے قادر و قیوم کو حضرت ابراہیم کا امتحان بھی مقصود تھا،نمرود کو ہمیشہ کے لیے ختم بھی کرنا تھا اور تخلیق آدم پہ فرشتوں کے خدشات کا جواب بھی دینا تھا۔حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا جاتا ہے۔آگ کو خدائی حکم ملتا ہے۔قرآنِ حکیم نے اس کی یوں وضاحت کی ہے: یانار کونی بردًا وسلامًا علیٰ ابراھیم۔ اے آگ! حضرت ابراہیم پہ ٹھنڈی ہو جا۔حضرت ابراہیم چالیس یوم تک ہر غم سے بے نیاز ہو کر اس آتش کدے میں عبادتِ الٰہی میں مصروف رہے۔عشق کے امتحان کا یہ منظر فرشتوں نے پہلی بار اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ڈاکٹر اقبال نے اس واقعہ کی یوں منظر کشی کی ہے ۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق | عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

جب بندہ ہر طرح سے خدائے قادر و قیوم کا ہو جاتا ہے تو خدائے قادر و قیوم اس کی

حفاظت ہی نہیں فرماتا بلکہ اپنے بندوں کے ہجوم میں اسے سربلند فرما دیتا ہے۔صدیاں بیت گئیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا ہر نقش آج بھی اسی طرح تر وتازہ ہے۔ان کے ایثار وقربانی کے ہر ورق سے تازگی کا اظہار ہوتا ہے۔جب بھی باطل حق پہ حملہ آور ہوتا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات نگاہوں میں تیرنے لگتی ہے۔سونا آگ کی بھٹی میں جا کر کندن ہوتا ہے، جب کوئی انسان حق وصداقت کے لیے خود کو قربان کر دیتا ہے تو اس کی ذات کائنات گیر ہو جاتی ہے وہ خلقِ خدا کے دلوں کے طاق میں اپنی جگہ محفوظ کر لیتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ظاہری زندگی کی کوئی سانس ایسی نہیں ہے جو آزمائش سے عبارت نہ ہو۔خدائے قادر و قیوم نے بڑھاپے میں آپ کو اولاد کی نعمت سے بہرہ ور فرمایا، حضرت اسماعیل کی ولادت ہوئی۔اب محبت کا ایک نیا قبلہ آپ کے سامنے آ گیا، ملائکہ محبت کے اس نئے قبلے کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔حکمِ الٰہی ہوتا ہے اسے خود سے الگ کر دو، اور ایک ایسے ویرانے میں لے جا کر اسے ڈال دو جہاں میلوں آبادی کا کوئی تصور نہ ہو۔حکم ہوتے ہی آپ نے حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ کو آبادی سے سیکڑوں میل دور مکہ کی غیر آباد زمین پہ لے جا کر چھوڑ دیا۔یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دودھ پینے کا زمانہ تھا۔مکہ کی سرزمین جنگلات سے بھری ہوئی تھی اور پہاڑی سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ایسے ویرانے اور وحشت سے گھری ہوئی زمین پر اپنے دودھ پیتے بچے کو اس کی ماں کے ساتھ چھوڑ دینا یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے تصور ہی سے روح کانپ اٹھتی ہے۔
جب دل میں قربانی کے اس طرح کے جذبات جنم لیتے ہیں تو خدائے قادر و قیوم اسے تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش حصہ بنا دیتا ہے۔اگر حضرت ابراہیم یہ قربانی پیش نہ کرتے تو زمزم کے نام سے دنیا آشنا نہ ہوتی۔یہ حضرت ابراہیم کی قربانی کا ثمرہ ہے کہ زمزم جیسے پوتر پانی سے پوری دنیا سیراب ہو رہی ہے۔یہ زمزم دوا بھی ہے، غذا بھی ہے اور شفا بھی ہے۔اس پانی کی خصوصیت یہ ہے کہ برسوں اسے کسی بوتل میں رکھ دیجیے پھر بھی یہ خراب نہیں ہو سکتا۔
آقائے کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت ہاجرہ نے اسے زمزم نہ کہا ہوتا تو یہ پانی پوری

دنیا کے لیے کافی ہوتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کا سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا ہے۔ حضرت سیدنا ابراہیم گاہے گاہے فلسطین سے مکہ جا کر اپنے عیال کی خبر گیری کر لیتے تھے۔ آپ نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ خدائے قادر و قیوم کی محبت پہ کسی کی محبت غالب نہیں ہوسکتی، چاہے وہ نگاہوں میں بڑے سے بڑا محبوب ہی کیوں نہ ہو؟ ہم خدائے قادر و قیوم سے بے غبار محبت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ کائنات کی ہر شئے فانی ہے اور خدائے قادر و قیوم کی ذات باقی ہے۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام نے شعور کی دہلیز پہ قدم رکھا (یہ بات ذہن میں رہے کہ ہر نبی ماں کے پیٹ ہی سے باشعور پیدا ہوتا ہے) تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدائے قادر و قیوم کا حکم ہوتا ہے کہ میری راہ میں اپنے بیٹے کی قربانی پیش کرو۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فنا فی اللہ کی منزل میں تھے، انہوں نے رضائے الٰہی کے لیے خود کو ہر طرح سے تیار کر رکھا تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کی آنکھوں کی روشنی اور عصائے پیری تھے لیکن محبت الٰہی پہ حاوی نہیں تھے۔ حضرت ہاجرہ نے شیطان کو جواب دیا تھا کہ رضائے الٰہی کے لیے ایک نہیں بلکہ ایسے ہزار اسماعیل کو قربان کیا جا سکتا ہے۔ یہ جواب صرف حضرت ہاجرہ کا ہی نہیں تھا بلکہ یہی جواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی تھا۔ تعمیل حکم کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو راہِ خدا میں قربان کرنے کے لیے میدانِ عمل میں سرگرمِ عمل ہوئے اور منیٰ آ گئے۔ باپ بیٹے کو راہِ خدا میں قربان کرنے کے لیے اور بیٹا راہِ خدا میں قربان ہونے کے لیے بے تاب نظر آ رہے تھے۔ ایسا منظر زمین و آسمان نے اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں تھا۔ خدائے قادر و قیوم کو باپ اور بیٹے کی خودسپردگی کا انداز اتنا پسند آیا کہ قیامت تک کے لیے اسے قانون کی حیثیت دے دی گئی۔ جب بھی ذی الحجہ کا مبارک مہینہ آتا ہے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی قربانی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ہر صاحبِ استطاعت پر قربانی واجب ہے اور یہ حج کے رکن میں بھی داخل ہے۔ ایامِ نحر میں بندوں کا خدائے قادر و قیوم کی راہ میں خون بہانے سے زیادہ محبوب کوئی عمل نہیں ہے۔ قربانی کا خون

زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ کی بارگاہ میں قبول کرلیا جاتا ہے۔

یہ بات آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ ارکانِ حج محبوبانِ الٰہی کی اداؤں کا مجموعہ ہے۔ جب بندہ خدائے قادر و قیوم کی محبت میں خود کو فنا کر دیتا ہے تو خدائے قادر و قیوم اس کی اداؤں کو قانونِ محبت میں تبدیل فرمادیتا ہے۔

محبوبانِ خدائے قادر و قیوم کو یہ کرامت حاصل ہے کہ جو شئے ان سے وابستہ ہو جاتی ہے اس کی قدر و قیمت دوبالا ہو جاتی ہے۔ اس کی بے شمار نظیریں تاریخ کے سینے میں محفوظ ہیں۔ زمزم شریف حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی کی رگڑ سے وجود میں آیا۔ اس کی کرامت یہ ہے کہ بیمار پیتا ہے شفایاب ہو جاتا ہے۔ بھوکا پیتا ہے شکم سیر ہو جاتا ہے اور پریشان حال پیتا ہے خوشحال ہو جاتا ہے۔ یہ دوا بھی ہے، غذا بھی ہے اور شفا بھی ہے۔ اس پانی پہ گردشِ ایام کا کوئی اثر نہیں ہوتا، حجاجِ کرام جو تبرکات لے کر آتے ہیں ان میں زم زم شریف کو اولیت حاصل ہے۔

کعبۃ اللہ کے ٹھیک دروازے کے سامنے مقامِ ابراہیم ہے، قرآنِ حکیم میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ کعبۃ اللہ کے زائرین و حاضرین کو یہاں دو رکعت نفل نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ یہ حج کے ارکان میں داخل ہے، یہ نماز ہر طواف کے بعد واجب ہے۔ اس نماز کی فضیلت یہ ہے کہ جو مسلمان مقامِ ابراہیم پہ دو رکعت نماز ادا کرے گا اس کے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ اگر بھیڑ کے باعث مقامِ ابراہیم پہ نماز پڑھنے میں دقت پیش آرہی ہو تو مسجد حرام میں جہاں بھی ادا کرلیں گے واجب ساقط ہو جائے گا۔

مقامِ ابراہیم کیا ہے؟ یہ وہی پتھر ہے جس پہ کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کی تھی۔ اس پتھر کو یہ کرامت حاصل ہے کہ جیسے جیسے کعبۃ اللہ کی دیوار بلند ہوتی تھی یہ پتھر خود بخود بلند ہوتا رہتا تھا۔ اس پہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے واضح نشانات ہیں۔ اس نے حضرت خلیل علیہ السلام کے قدموں کو اپنے سینے میں محفوظ کرلیا تو اس کو یہ اعزاز مل گیا کہ حجاجِ کرام احتراماً وہاں سجدۂ شکر ادا کرتے ہیں، اور سجدۂ شکر کا یہ سلسلہ

قیامت تک یونہی جاری وساری رہے گا۔ نبی کے قدموں سے وابستگی کا یہ انعام ایک پتھر کو مل رہا ہے، اگر کوئی انسان نبی کی سیرت کے سانچے میں خود کو ڈھال لے تو وہ انعامِ خدائے قادرو قیوم سے کس قدر بہرہ ور ہوگا۔

مکہ مکرمہ کا ذرہ ذرہ اپنے اندر بے شمار فضائل ومناقب رکھتا ہے، اس کی عظمت شان و رفعت مکان کا چراغ ہر مومن صادق کے دل میں ہر وقت روشن رہتا ہے۔

مومن کے وجود میں یہاں کی مٹی شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مومن کعبۃ اللہ کی دید و شنید کے لیے ہر وقت مضطرب رہتا ہے۔ دنیا میں رحمت الٰہی سب سے پہلے کعبۃ اللہ پر اُترتی ہے، پھر وہاں سے دنیا کے دوسرے مقامات پہ جاتی ہے۔ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ کعبۃ اللہ پہ ہر روز ایک سو بیس رحمتیں اُترتی ہیں۔ جن میں ساٹھ رحمتیں ان لوگوں کے لیے خاص ہیں جنھیں طواف کی سعادتیں ملتی ہیں۔ چالیس رحمتیں نماز ادا کرنے والوں کے لیے ہیں اور بیس رحمتیں کعبۃ اللہ کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو نور بار کرنے والوں کے لیے ہیں۔ صاحبِ تفسیر روح البیان فرماتے ہیں کہ جو حرمِ کعبہ میں داخل ہوا وہ جہنم کی آگ سے محفوظ ہو گیا۔ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمانِ ذیشان ہے کہ جس شخص کی موت کعبۃ اللہ یا مدینہ طیبہ میں ہوئی وہ قیامت کے دن محفوظ و مامون اٹھے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے حج کیا اور اس میں جماع یا اس کے متعلق باتیں نہیں کیں اور کوئی گناہ نہیں کیا وہ گناہوں سے اس طرح پاک لوٹے گا جس طرح اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایت ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک عمرہ سے لے کر دوسرا عمرہ، اس کے درمیان گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور کی جزا صرف جنت ہے۔
(تبیان القرآن، ج:۲،ص:۵۷۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تیسری روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ! کون سا عمل بہتر ہے؟ آپ نے

فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ پھر عرض کیا گیا، پھر کون سا؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ عرض ہوا پھر کون سا؟ فرمایا حجِ مقبول۔ (مرأۃ المناجیح، ج: چہارم، ص:۱۰۰)

شیرِ خدا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص سفر خرچ اور سواری کا مالک ہو، جس کے ذریعے وہ بیت اللہ تک پہنچ سکے، اس کے باوجود وہ حج نہ کرے تو اس پر کوئی افسوس نہیں، خواہ وہ یہودی ہو کر مرے خواہ نصرانی ہو کر مرے۔ (تبیان القرآن، ج:۲، ص:۲۷۹)

قرآن واحادیث میں مکہ مکرمہ کی بکثرت فضیلتیں آئی ہیں، مزید فضیلتوں کا بیان یہاں طوالت سے خالی نہیں۔ مکہ مکرمہ جائے امن ہے۔ رحمت الٰہی کا مسکن ہے اور رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے۔ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ شہر مقدس تمام شہروں سے زیادہ محبوب تھا۔ خدائے قادر و قیوم نے آپ کی ولادت کے لیے اس شہر کریم کو پسند فرمایا۔ نزولِ قرآنِ حکیم کی ابتدا بھی اسی شہر میں ہوئی۔ اہلِ مکہ نے آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انسانیت سوز اذیتوں سے دوچار کیا، یہاں تک آپ کے قتل کا منصوبہ بھی ترتیب دیا۔ اہلِ مکہ کی ریشہ دوانیوں سے عاجز آ کر آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کے لیے ہجرت کی اور اسی شہر کو اپنے لیے جائے قیام بنایا۔ خدائے قادر و قیوم نے آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اہلِ مدینہ کے دل کے دروازے کھول دیئے۔ اہلِ مدینہ جلد سے جلد آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے شاد کام ہونا چاہتے تھے۔ انھیں جب آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کے لیے ہجرت کی خبر ملی تو وہ شہر مدینہ طیبہ سے نکل کر آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کرتے تھے۔ انہوں نے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے آنکھوں کو فرشِ راہ کر رکھا تھا۔ صاحبِ ''مدینۃ الرسول'' نے زرقانی کے حوالے سے اس کی یوں منظر کشی کی ہے۔

مدینہ منورہ میں آپ کی آمد کی خبر پہنچ چکی ہے۔ ہر فرد آفتابِ نبوت کے انتظار میں چشم براہ ہے۔ دیدہ و دل فرشِ راہ کیے ہوئے ہے۔ صبح ہی سے لوگ مقامِ حرّہ پر آجاتے ہیں۔ دوپہر کو واپس ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے آپ کو ایک یہودی نے دیکھا اور کہا یابنی قیلہ

ھذا اجل کم ۔ اے بنی قیلہ! تمہارا نصیب جاگ اٹھا۔ عمارہ بن خزیمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وادی بنی سالم میں نمازِ جمعہ ادا فرمانے کے بعد حضور سیّد عالم ﷺ نے اپنی سواری منگوائی اور مدینہ منورہ کی جانب سفر شروع فرمایا۔ سفر کی کیفیت یہ تھی حضور سیّد عالم ﷺ کے آگے پیچھے، دائیں بائیں انصار کے مسلح نوجوان تھے، جن میں سے کچھ پیدل چل رہے تھے اور کچھ سوار تھے۔ انصار کا یہ عظیم الشان گروہ نہایت وجدانی کیفیت میں بڑھ رہا ہے۔ سیدنا بریدہ اسلمی جھنڈا لیے آگے آگے چل رہے ہیں۔ (زرقانی، ج:۱، ص: ۳۵۴)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، حضور سیّد عالم ﷺ کی آمد کی خوشی میں حبشی نوجوانوں نے نیزہ بازی کے کرتب دکھائے۔ جس دن حضور سیّد عالم ﷺ مدینۃ الرسول ﷺ میں جلوہ گر ہوئے ہر شئے جگمگا اٹھی۔ (خلاصۃ الوفا، ص: ۱۲۷)

یسعیاہ نبی کی کتاب درس ۴۲ / سلع کے باشندے گیت گائیں گے۔ اس بشارت کا ظہور آج ہورہا ہے۔ آج عشق محبت، ذوق ووجد کا عجیب سماں ہے، توراۃ کی پیشگوئی پوری ہو رہی ہے۔ جمالِ نبوی کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے خواتین بھی باہر آگئیں اور انتہائی وجد و کیف میں یہ اشعار پڑھے۔ اسی توراۃ کی پیش گوئی پوری ہوئی۔

۱۔ طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع

ترجمہ: وہ دیکھو ثنیات الوداع کی پہاڑیوں سے چودھویں کا چاند نظر آگیا۔

۲۔ وجب الشکر علینا — ما دعا للہ داع

ترجمہ: اب ہم پر اس عظیم احسان کا شکر کرنا لازم ہے جب تک اللہ کو کوئی پکارنے والا باقی ہے۔

۳۔ ایھا المبعوث فینا — جئت بالامر المطاع

ترجمہ: اے وہ مقدس ذات جو ہم میں رسول بنا کر بھیجے گئے۔ آپ ایسے احکام لے کر آئے ہیں جن کی اطاعت لازم ہے

۴۔ انت شرّفت المدینہ — مرحبا یاخیر داع

ترجمہ: آپ نے اپنے قدومِ میمنت لزوم سے مدینہ کو شرف بخشا حق کی طرف بہتر

انداز میں بلانے والے آپ کا آنا مبارک جب یہ شاہی سواری محلہ بنونجار سے گزری تو قبیلہ بنو نجار کی بچیاں دفیں بجا بجا کر یہ شعر پڑھ رہی تھیں۔

۵۔نحن جوارین من بنی نجار یاحبذا محمد من جار

ترجمہ: ہم بنونجار کی بچیاں کس قدر خوش نصیب ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پڑوس نصیب ہورہا ہے۔

ہم ہیں بچیاں نجار کے عالی گھرانے کی خوشی ہے آمنہ کے لال کے تشریف لانے کی

مسلمانوں کے بچے بچیاں مسرور تھے سارے
گلی کوچے خدا کی حمد سے معمور تھے سارے
نبوت کی سواری جس طرف سے ہوتی جاتی تھی
درود و نعت کے نغمات کی آواز آتی تھی

یہاں بھی کشتگانِ عشق و محبت نے اونٹنی کی مہار پکڑی تو فرمایا: دعوھا چھوڑو۔ فبرکت علی باب ابی ایوب۔ آخر یہ مقدس اونٹنی ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر بیٹھ گئی۔ (خلاصۃ الوفا،ص:۱۳۶) سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے آپ کا سامان اٹھایا اور گھر لے گئے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سید الانبیا محمد وعلی اٰلہ وصحبہ وسلم

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہ چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کسی مقام کا انتخاب نہ فرمایا تا کہ کشتگانِ تسلیم و رضا، پیکرانِ صدق وصفا کے دلوں میں کوئی ذرہ بھر بھی مناقشہ پیدا نہ ہو۔مقدس اونٹنی کا بیٹھنا سب کے لیے باعث عشق ومحبت ثابت ہوا۔

رکی یکبارگی ناقہ بحکم حضرت باری
جہاں اِک سمت بستے تھے ابو ایوب انصاری

تاریخ مدینہ منورہ،ص: ۱۱۴، ۱۱۵ قادری دارالاشاعت مصطفےٰ مسجد ویلکم دہلی ۵۳

آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفعت شان وعظمت مکان پہ قرآنِ حکیم کے تیس پارے ناطق ہیں۔مخلوقاتِ الٰہی میں کوئی ان کا ہم رتبہ پیدا ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ بلکہ کائنات کی ہر شئے کا وجود ان کے وجود کے طفیل ہے۔حضرت آدم کی پیشانی انھیں کے نور سے منور تھی۔انبیائے کرام کے نصابِ حیات میں ان کی اطاعت اور ان سے بےغبار محبت شامل ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے ان کے امتیازات،خصوصیات اور تفردات کا شعری انداز میں یوں اظہار کیا ہے۔

وہی نورِحق وہی ظلِ رب ہے انھیں سے سب ہے انھیں کا سب
نہیں ان کی مِلک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں
وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سرِ عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہے جس کے ہیں یہ مکان وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں
سرِ عرش پر ہے تری گذر دلِ فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شئے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں
ترا قد تو نادر دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سروِ چماں نہیں

تو ہے خورشید رسالت پیارے چھپ گئے تیری ضیا میں تارے
انبیا اور ہیں سب مہ پارے تجھ سے ہی نور لیا کرتے ہیں
اپنے مولیٰ کی ہے بس شانِ عظیم جانور بھی کریں جن کی تعظیم
سنگ کرتے ہیں ادب سے تسلیم پیڑ سجدے میں گرا کرتے ہیں
رفعتِ ذکر ہے تیرا حصہ دونوں عالم میں ہے ترا چرچا
مرغِ فردوس پس از حمد خدا تیر ہی مدح و ثنا کرتے ہیں
انگلیاں پائیں وہ پیاری پیاری جن سے دریائے کرم ہیں جاری

جوش پر آتی ہے جب غم خواری تشنے سیراب ہوا کرتے ہیں
کیوں نہ زیبا ہو مجھے تاجوری تیرے ہی دم کی ہے سب جلوہ گری
ملک و جن و بشر حور و پری جان سب تجھ پہ فدا کرتے ہیں
لب پہ آجاتا ہے جب نامِ جناب منہ میں گھل جاتا ہے شہدِ نایاب
وجد میں ہو گئے ہم اے جانِ بے تاب اپنے لب چوم لیا کرتے ہیں

آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس یہ ہے کہ جہاں قدمِ ناز رکھ دیں وہیں جنت اُتر آتی ہے۔ مکہ مکرمہ تو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں بھی ذیشان تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وحضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے میں بھی فضل وشرف کا حامل تھا، مگر آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کی برکت سے اس کی شان وعظمت دوبالا ہو گئی۔ قبلۂ اول بیت المقدس ہے لیکن آپ کی خواہشات کے پیشِ نظر رب نے کعبہ کو سارے عالم کا قبلہ بنا دیا۔ قرآنِ حکیم میں اس کی صراحت موجود ہے۔ آپ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کے لیے ہجرت کی، اس سے مکہ مکرمہ کی عظمت کم نہیں ہوئی مگر مدینہ طیبہ کی عظمت دوبالا ہو گئی۔ بلکہ بعض مشائخ نے مدینہ طیبہ کو مکہ مکرمہ سے افضل قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس بالاتفاق ساری کائنات سے افضل ہے تو آپ نے جس شہر کو اپنے قیام کے لیے منتخب فرمایا، وہ شہر تمام شہروں سے افضل کیوں نہ ہو گا۔

حضرت ملا علی قاری قدس سرہٗ فرماتے ہیں، قاضی عیاض اور دوسرے علما نے اس پہ اجماع نقل کیا ہے کہ جس جگہ کے ساتھ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسمِ مبارک متصل ہے وہ کعبہ سے بھی افضل ہے۔ اختلاف قبر مبارک کے ماسوا میں ہے۔ اور ابن عقیل حنبلی نے نقل کیا ہے کہ یہ جگہ عرش سے بھی افضل ہے، اور فاکہانی نے تصریح کی ہے کہ یہ جگہ آسمانوں سے افضل ہے۔ اور کہا کہ ظاہر اور متعین یہ ہے کہ تمام روئے زمین اور تمام آسمانوں سے افضل ہے، یعنی اس جگہ کے ماسوا جس کے ساتھ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم متصل ہے۔

علامہ علائی وعلامہ شامی نے بھی اس حصۂ زمین کو کعبہ وعرش سے افضل بتایا ہے جو نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ مبارک سے متصل ہے۔ علامہ ابوالولید باجی متوفیٰ ۴۷۴ھ، ابن عقیل حنبلی متوفی ۵۱۳ھ اور حضرت قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ وغیرہ کے نزدیک قبر مبارک سب سے افضل ہے۔ (اسلامی احکام ومسائل، ص: ۹۷)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں کون افضل ہے، اس کا بڑا نفیس فیصلہ فرمایا ہے۔

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد	ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

اعلیٰ حضرت امام احمد قادری برکاتی قدس سرہٗ نے اپنے ایک نعتیہ کلام میں بتایا ہے کہ کعبہ کی خصوصیات اور اس کا مقام ومرتبہ کیا ہے اور مدینہ طیبہ کی خصوصیات، امتیازات اور مقام ومراتب کیا ہیں۔ کعبہ جلالِ الٰہی کا مظہر ہے اور مدینہ طیبہ جمالِ مصطفائی کا مظہر ہے۔ کعبہ میں بے نیازی سے طاعت وعبادت کا نپتی رہتی ہے اور مدینہ طیبہ میں ہر وقت رحمت الٰہی کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ کعبہ میں زمزم شریف سے پیاسیں بجھائی جاتی ہیں تو مدینہ طیبہ میں مصطفیٰ جانِ رحمت کے جود وکرم کی نہریں جاری ہیں۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے فرقِ مراتب کے حوالے سے اردو نعت گوئی کی تاریخ میں ایسا کلام نہیں ملے گا۔ اب ذیل میں وہ کلام پیش ہے ؎

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو
رکن شامی سے مٹی وحشتِ شامِ غربت اب مدینہ کو چلو صبح دل آرا دیکھو
آبِ زم زم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں آؤ جودِ شہِ کوثر کا بھی دریا دیکھو
زیر میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے ابرِ رحمت کا یہاں روز برسنا دیکھو
دھو چکا ظلمتِ دل بوسۂ سنگِ اسود خاک بوسیِ مدینہ کا بھی رتبہ دیکھو
کرچکی رفعتِ کعبہ پہ نظر پروازیں ٹوپی اب تھام کے خاک درِ والا دیکھو
بے نیازی سے وہاں کانپتی پائی طاعت جوشِ رحمت پہ یہاں ناز گنہ کا دیکھو
رقصِ بسمل کی بہاریں تو منیٰ میں دیکھیں دلِ خوں نابہ فشاں کا بھی تڑپنا دیکھو
غور سے سن تو رضاؔ کعبہ سے آتی ہے صدا میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر کریم مدینہ طیبہ کی حاضری اور روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ارکانِ حج میں شامل نہیں ہے۔ فتح مکہ مکرمہ کے بعد آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں قیام کر سکتے تھے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ منظور نہیں تھا۔ دنیا حج بیت اللہ کے لیے مکہ مکرمہ حاضر ہوتی، اور ارکانِ حج کی ادائیگی کے ساتھ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اقدس کی بھی زیارت کر لیتی۔ اللہ رب العزت کو یہ بات پسند نہ تھی۔ مدینہ طیبہ کی حاضری اور روضۂ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اگر ارکانِ حج میں شامل ہوتی تو یہ سوال اٹھتا کہ ہم مدینہ طیبہ اس لیے حاضر ہوتے ہیں اور روضۂ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ارکانِ حج میں شامل ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے حج سے جدا رکھا کہ دیکھتے ہیں کہ کون میرے محبوب کے شہر کریم کی حاضری اور میرے محبوب کے روضے کی زیارت کے لیے از خود حاضر ہوتا ہے۔ یہ عشق کا امتحان ہے اس لیے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اصل ایمان ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ رقم طراز ہیں ۔

اللہ کی سرتابہ قدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

مکہ مکرمہ میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے اور ایک گناہ ایک لاکھ گناہ کے برابر ہے۔ اور مدینہ طیبہ میں ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار نیکی کے برابر ہے اور ایک گناہ، ایک گناہ کے برابر ہے۔ اگر مکہ مکرمہ میں کسی نے ایک نیکی کی اسے ایک لاکھ نیکی کا ثواب مل گیا۔ اور اگر اس نے ایک گناہ کیا تو جو ایک لاکھ نیکی پہلے کی تھی اس ایک گناہ کے سبب سب نیکی ختم ہوگئی۔ لیکن مدینہ طیبہ میں اگر کسی نے ایک نیکی کی تو اسے پچاس ہزار نیکی کا ثواب حاصل ہو گیا اور اگر اس نے ایک گناہ کیا تو ایک گناہ، ایک گناہ کے برابر ہے۔ اس طرح اس کے نامۂ اعمال میں انچاس ہزار نو سو ننانوے نیکی بچی ہوئی ہے۔ اس طرح بھی مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔

والمدینة خیرٌ من مکة۔ مدینہ مکہ سے افضل ہے۔ (وفاء الوفا، ج:۱، ص:۴۷)

مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ دونوں کی فضیلتیں منصوص ہیں۔ مکہ مکرمہ کو قدیم زمانے سے فضیلت حاصل ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اس کے معمارِ اول ہیں اور معمارِ ثانی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ کعبۃ اللہ کو سجدوں سے آباد رکھنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعائیں بھی کیں اور کعبۃ اللہ کی طرف آنے کی لوگوں کو دعوت بھی دی، یہ دعوت بھی آپ کی مستجاب ہوئی۔ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے میں ہی کعبۃ اللہ کو شہرت مل گئی تھی۔ آپ کے بعد دوسرے انبیائے کرام کی توجہات کا بھی یہ شہر مقدس مرکز رہا۔ روایات میں آیا ہے کہ مطاف میں قریب قریب چار سو سے زائد انبیائے کرام و رسولانِ عظام کے مزارات ہیں۔ حطیم کعبہ میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مزارات ہیں۔ کعبۃ اللہ جس طرح عظمتوں اور فضیلتوں کا جامع ہے اسی طرح مدینہ طیبہ بھی اپنے اندر بے شمار فضیلتیں اور خیرات و برکات رکھتا ہے۔ مدینہ طیبہ کی خاک ہر مرض کے لیے شفا ہے۔ ابن نجار، ابن جوزی اور ابن کثیر نے اس حدیث پاک کو بیان کیا ہے کہ آقائے دو عالم ﷺ جب غزوۂ تبوک سے واپس ہوئے تو حاضرین میں سے کسی نے مدینہ طیبہ کے غبار سے اپنے چہرے کو ڈھانپا تو آقائے دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے مدینہ طیبہ کے غبار میں شفا ہے۔ استاذِ زمن حضرت حسنؔ بریلوی رقم طراز ہیں۔

مری خاک یارب نہ برباد جائے پسِ مرگ کردے غبارِ مدینہ

ملائک لگاتے ہیں آنکھوں میں اپنی شب و روز خاکِ مزارِ مدینہ

آقائے دو عالم ﷺ کو مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ زیادہ محبوب تھا۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا:

(۱) عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من زار قبری وجبت لہ شفاعتی۔

(راحت القلوب، ص: ۲۰۴، دار قطنی، بیہقی)

(ا) حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی اس پر میری شفاعت لازم ہوگئی۔ دوسری حدیث یوں آئی ہے

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما من جاءنی زائرًا لا تعمدہ حاجۃ الّا زیارتی کان حقًا علی ان اکون لہ شفیعًا یوم القیامۃِ۔

(دارقطنی، راحت القلوب، ص:۸۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو خالصتاً میری زیارت کے لیے میرے پاس آیا اسے کوئی اور کام نہ تھا تو مجھ پر لازم ہے کہ قیامت کے روز اس کی شفاعت کروں۔

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری وفات کے بعد حج کیا اور میری قبر کی زیارت کی وہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ (راحت القلوب، ص:۲۰۶)

اسی عنوان سے دوسری حدیث یوں آئی ہے۔

من حج فزارنی فی مسجدی بعد وفاتی کان کمن زارنی فی حیاتی۔

آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے حج کیا اور میری مسجد میں میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ (خلاصۃ الوفا، ص؛۶۰)

آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ طیبہ کی حاضری کے لیے خصوصی توجہ دلائی ہے۔ اس حوالے سے آپ کے بکثرت ارشادات وفرمودات ہیں۔ جو لوگ قصداً مدینہ طیبہ کی حاضری کے لیے آتے ہیں آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انھیں اپنا پڑوسی کہا ہے اور یہ ایک مومن کے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے۔ حدیث پاک ہے سرورِ کائنات احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من زارنی متعمدًا کان فی جواری یوم القیامۃ۔ (خلاصۃ الوفا،ص:۶۱)

جو ارادتاً میری زیارت کے لیے آیا وہ قیامت کے دن میرا پڑوسی ہوگا۔

حضرت سعید مقبری فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی وہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے مجھے بقید حیات دیکھا۔(خلاصۃ الوفا،ص:۶۱)

حضرت امام غزالی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

لا فرق بین موتہٖ وحیاتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت وحیات میں کوئی فرق نہیں ہے۔

محققین علماء کی ایک جماعت نے اپنے اس عقیدے کا اظہار کیا ہے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں اور اپنی امت کے حالات پر مطلع ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ ہے عام اہلِ قبور کو بھی ادراک، علم، سماع حاصل ہے۔(خلاصۃ الوفا،ص:۶۵)

حضرت ابن نجار حضرت کعب احبار سے نقل فرماتے ہیں کہ ہر فجر کو ستر ہزار فرشتے اُتر کر قبرِ انور کو ڈھانپ لیتے ہیں اور آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درودِ پاک پڑھتے ہیں۔ جب شام ہوتی ہے یہ چلے جاتے ہیں پھر ستر ہزار اور آجاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ رقم طراز ہیں:

ستر ہزار صبح ہیں ستر ہزار شام یوں بندگیِ زلف ورخ آٹھوں پہر کی ہے
معصوموں کو ہے عمر میں صرف ایک بار عاصی پڑے رہیں تو صلا عمر بھر کی ہے
جو ایک بار آئے دوبارہ نہ آئیں گے رخصت ہی بارگاہ سے بس اس قدر کی ہے

حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری مسجد میں بہتری سیکھنے یا سکھانے کی غرض سے داخل ہو اس کا درجہ مجاہد فی سبیل اللہ کا درجہ ہے۔(وفاء الوفا، ج:۱،ص:۴۲۵)

حضرت سہل بن حنیف سے مروی ہے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو پاک

وصاف ہوکر صرف میری مسجد میں نماز کی ادائیگی کے ارادے سے نکلا یہاں تک کہ اس میں نماز ادا کی تو اس کا ثواب حج کے برابر ہے۔ (وفاء الوفا، ج:۱،ص:۷۷)

بزاز نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک شخص کو بیت المقدس کی سمت جاتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے اس شخص سے پوچھا کہ کہاں جارہے ہو؟ اس نے عرض کی، بیت المقدس۔ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے فرمایا کہ میری اس مسجد کی نماز وہاں کی ہزار نمازوں سے افضل ہے۔ (تاریخ الحرمین، ص:۱۲۲)

مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ دونوں شہروں کی عظمت شان یہ ہے کہ اگر یہاں آنکھوں سے بھی چلا جائے تو ادب واحترام کا حق ادا نہ ہوگا۔ ان شہروں کے رفعت مکان کا حال یہ ہے کہ کوچہ کوچہ میں مہکتی ہے یہاں بوئے قمیص، یہاں کا ذرہ ذرہ رحمت ونور کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور قدم قدم پر ادب واحترام کے تقاضے کی قندیلیں روشن ہیں۔ یہاں گناہ کا تصور بھی گناہ ہے۔ جو لوگ خشیت شعار ہوتے ہیں ان کے وجود پہ ہر وقت خوف کا پہرا ہوتا ہے۔ یہاں مطیعوں کا جگر خوف سے پگھلتا رہتا ہے۔ بے نیازی سے یہاں طاعت کانپتی رہتی ہے۔ دونوں شہروں کے تقاضے اور مطالبات ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن احترام مشترک ہے۔ مکہ مکرمہ پہ ہر گھڑی جلال کی چادر تنی رہتی ہے جبکہ مدینہ طیبہ پر ہر وقت ابرِ جمال سایہ فگن ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے دونوں شہروں کے فضائل ومناقب اور جلال وجمال کا نقشہ کچھ اس انداز میں کھینچا ہے ؎

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

اس نعت پاک کے کچھ اشعار گذشتہ صفحات میں پیش کیے جاچکے ہیں، یہاں عرض یہ ہے کہ دونوں شہروں کی حاضری کے لیے قانونِ الٰہی متعین ہیں جن خوش بختوں کو وہاں کے لیے اذنِ حاضری مل جاتی ہے انھیں قانونِ الٰہی کی تفہیم ضروری ہے۔ جو لوگ قانون واصول کی تفہیم کے بغیر حاضری دیتے ہیں انھیں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ علماء جو اپنے سینوں میں دردِ ملت کا چراغ جلائے ہوتے ہیں، عوامی مشکلات پہ ان کی ہر وقت نظر

رہتی ہے۔ ان کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ فلاحِ ملت کے لیے جسم سے خون کا ہر قطرہ نچوڑ کر رکھ دیں۔ اس وقت بازار میں خام مال کی کثرت ہے۔ ایسے حالات میں عوام کے لیے کھرے کھوٹے میں تمیز دشوار ہو جاتی ہے۔ لیکن جن پہ فضلِ الٰہی ہوتا ہے مقصود تک ان کی رسائی ہو جاتی ہے۔

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے۔ حج کا لغوی معنٰی قصد و ارادہ کے ہے۔ اصطلاحِ شرع میں حج فقہی مراد ہے یعنی مخصوص ایام میں خالص رضائے خدائے قادر و قیوم کے لیے مکہ مکرمہ میں مخصوص اور مقررہ افعال مخصوص حیثیت کے ساتھ ادا کرنا۔

حضرت مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شرح مشکوٰۃ باب کتاب المناسک میں لکھتے ہیں کہ سن ۸ ر ہجری میں مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ اور سن ۹ ر ہجری میں حج کا حکم نازل ہوا۔ حضرت ابن ہمام فرماتے ہیں کہ سن ۵ ر یا ۶ ر یا ۹ ر ہجری میں حج فرض ہوا۔ ہجرت سے پہلے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دو یا تین حج ادا کیے۔ ہجرت کے بعد سن ۱۰ ر ہجری میں آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آخری حج ادا فرمایا جسے ''حجۃ الوداع'' کہا جاتا ہے۔ (مرأۃ المناجیح، ج: چہارم، کتاب المناسک)

حج مکہ مکرمہ میں ہی ہوگا۔ دوسرے کسی شہر یا مقام پہ کوئی ارکانِ حج ادا کرنا چاہے تو نہیں ہوگا۔ دوسری عبادتوں کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔ ہم نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی زیارت کے لیے ایک مومن کا دل ہر وقت بے قرار رہتا ہے۔ چونکہ حضرت آدم کی تخلیق میں کعبہ کی مٹی اور ان کی پیشانی میں نورِ محمدی رکھا گیا۔ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت ایمان ہی نہیں بلکہ جانِ ایمان ہے۔ ہر فرد بشر کو انھیں کی سمت رجوع ہونا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ۔

کعبہ بھی ہے انھیں کی تجلی کا ایک ظل روشن انھیں کے عکس سے پتلی حجر کی ہے
ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے
ان کی نبوت ان کی ابوت ہے سب کو عام ام البشر عروس انھیں کے پسر کی ہے
ظاہر میں میرے پھول حقیقت میں میرے نخل اس گل کی یاد میں یہ صدا بوالبشر کی ہے

علماء فرماتے ہیں کہ آقائے دو عالم ﷺ تمام عالم کے پدر معنوی ہیں کہ سب کچھ انھیں کے نور سے پیدا ہوا ہے۔ اسی لیے آقائے دو عالم ﷺ کا نامِ پاک ابوالارواح ہے تو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اگر چہ صورت میں آقائے دو عالم ﷺ کے باپ ہیں مگر حقیقت میں وہ بھی حضور کے بیٹے ہیں، تو ام البشر یعنی حضرت حوا حضور ہی کے پسر حضرت آدم کی عروس ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ حضرت آدم جب آقائے دو عالم ﷺ کو یاد کرتے تو یوں کہتے یا ابنی صورۃً وابی معنیً۔ اے ظاہر میں میرے بیٹے اور حقیقت میں میرے باپ۔ (حدائق بخشش، ج:۱،ص:۱۳۱، ۱۳۲)

حج بیت اللہ کے لیے پوری دنیا سے مسلمان مکہ مکرمہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ سب کی زبانیں اوران کے جینے کا انداز ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ ارکانِ حج کی ادائیگی کے لیے علمِ دین، مشاہد اور مکاشفہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لیے اسلام نے طلبِ علم کو ہر مسلمان مرد وعورت کے لیے فرض قرار دیا ہے۔ بغیر علمِ دین کے عبادت کے تقاضوں کی تکمیل بہت مشکل ہے۔ بغیر علمِ دین کے عرفانِ الٰہی کا حصول بھی دشوار ہی نہیں بلکہ دشوار تر ہے۔ عموماً لوگ جب عمر کے آخری پڑاؤ میں ہوتے ہیں تو حج کے سفر پہ نکلتے ہیں۔ ان میں اکثریت ناخواندہ حضرات کی ہوتی ہے۔ لاکھ سکھانے اور بتانے کے بعد بھی عربی الفاظ کی ادائیگی ان کے لیے مشکل ہوتی ہے۔ انھیں قدم قدم پر رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ عام طور پر معلمین سے ان کی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ دنیا کے ہر خطے کے علماء کی نگاہ اس پہلو پہ ہوتی ہے، اور وہ حجاجِ کرام کی مثبت رہنمائی کے لیے کتاب کی صورت میں رہنمائے حج وزیارات تیار کرتے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب ''رہنمائے حج وزیارات'' اس کی روشن مثال ہے۔

صاحبِ کتاب حضرت مولانا مفتی ملک الظفر صاحب کو دینی علوم ومعارف اور دینی درد وراثت میں ملا ہے۔ وہ ایک عظیم علمی اور روحانی خانوادے کے چشم وچراغ ہیں۔ ان کے آبائے کرام کی دینی قدروں کے فروغ میں ناقابلِ فراموش قربانیاں ہیں۔ ان کے جدِ کریم عالم ربانی، عارفِ حقانی اور طبیب روحانی حضرت مولانا مفتی محمد فرخند علی فرحت (۱۳۰۱ھ/

۱۳۵۳ھ) سہسرامی قدس سرہٗ کا شمار اپنے عہد کے اکابر علماء میں ہوتا تھا۔ ان کی ذات و صفات کا ہر نقش علم وتقویٰ اور خوف وخشیت سے عبارت ہے۔ وہ عشق وعرفان کی نا قابلِ تسخیر چٹان تھے۔ ان کی ذات اک ایسی شمع تھی جس میں دھواں نہیں تھا۔ علم وسلوک سے فراغت کے بعد انہوں نے اپنے وطن سہسرام ہی کو اپنی دعوت وتبلیغ کا محور ومرکز بنایا۔ ان کی زندگی کا سفر بہت مختصر تھا۔ صرف ۵۲ رسال انہوں نے عمر پائی۔ اس تھوڑی سی عمر میں انہوں نے وہ کام کیے جو دوسرے لمبی سے لمبی عمر میں بھی نہیں کر پاتے۔ وہ تاحیات علم وتقویٰ اور خوف و خشیت کی تلوار سے تاریکیوں کا جگر چھلنی کرتے رہے۔ فکر رضا کے نور سے ان کی چادرِ حیات کا ہر دھاگہ منور تھا۔ ان کی خصوصیات میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ کوئی بڑی طاقت انھیں کبھی مرعوب نہ کرسکی۔ تاحیات وہ سینوں کو علومِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجالتے رہے۔ آلائش دنیا کا کوئی جھونکا کبھی ان کے قریب سے نہیں گذر سکا۔ ان کی پیشانی پر عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاندنی ہمیشہ مسکراتی رہی۔ ڈاکٹر ساحل سہسرامی مرحوم نے ان کا کچھ اس انداز میں تعارف پیش کیا ہے:

حضرت علامہ فرخند علی فرحت سہسرامی قدس سرہٗ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم، عظیم الشان مفتی، بہترین شاعر اور مرتاض شیخ طریقت تھے۔ آپ کے استاذ اور شیخ طریقت حضرت علامہ محمد عبد الکافی نقشبندی الٰہ آبادی قدس سرہٗ کے علم و روحانی فیضان نے آپ کو متاعِ بے بہا بنا دیا تھا۔ آپ ان صاحبِ دل بزرگوں میں ہیں، جنھوں نے اپنے خونِ جگر سے شجر اسلام کی آبیاری فرمائی ہے۔ پوری زندگی علمِ راسخ، ثباتِ کامل، ولولہ جانباز اور قلب پُرسوز کے ساتھ دین وملت کی خدمات گرامی انجام دیتے رہے۔ علم وفن اور زہد واتقا میں اپنے استاذِ محترم اور مرشد مکرم کا عکس جمیل تھے۔ آپ ان افراد میں تھے جنھیں مرید مراد کہا جاتا ہے۔ حضرت علامہ محمد عبد الکافی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر قیامت میں خدا مجھ سے سوال کرے گا کہ تم دنیا سے کیا لائے تو میں مولانا سجاد اور مولانا فرخند علی کو پیش کردوں گا۔

(تحریر شافی در مسلک کافی، ص: ۳۷، بحوالہ حضرت صادق سہسرامی حیات اور شاعری ص: ۱۳۵)

حضرت مولانا مفتی محمد فرخند علی فرحت سہسرامی قدس سرہٗ کا سینہ علم ومعرفت کا مدینہ تھا۔ انہوں نے اپنے مرشد کریم سے عشق جنوں خیز کی دولت فراواں پائی تھی۔ دین وشریعت کا جو شعور انہوں نے اپنے اساتذہ اور مرشد گرامی سے حاصل کیا تھا، اس شعور سے ایک عالم کو وہ منور کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد خیر کی تکمیل کے لیے انہوں نے اپنے وطن عزیز میں دار العلوم خیریہ نظامیہ کی بنیاد رکھی۔ اسے اپنے خونِ جگر سے سینچا اور اس کے فروغ کے لیے تاحیات کوشاں رہے۔ دار العلوم خیریہ نظامیہ کے پلیٹ فارم سے ان کی دینی، ملی اور علمی خدمات تفصیل کا تقاضا کرتی ہے اور یہاں اس کی گنجائش نہیں۔

دار العلوم خیریہ نظامیہ صوبہ بہار کا مرکزی اور نمائندہ ادارہ ہے۔ علومِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس چشمۂ شافی سے سیراب ہونے والوں کی ایک طویل فہرست ہے اور یہ پہلو بھی تفصیل چاہتا ہے۔ دار العلوم خیریہ نظامیہ حضرت مولانا مفتی محمد فرخند علی فرحت سہسرامی قدس سرہٗ کے خوابوں کی حسین تعبیر ہے۔ اس کے در و دیوار سے ان کے خلوص کی چاندنی چھلکتی ہے۔ رب کائنات انھیں اپنی آغوشِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

صاحبِ کتاب حضرت مولانا مفتی محمد ملک الظفر صاحب کے والد ماجد حضرت علامہ محمد میاں کامل سہسرامی (۱۳۵۱ھ/ ۱۳۹۹ھ) کا شمار اپنے عہد کے نمائندہ اہلِ علم، اہلِ فن اور اہلِ زبان وقلم میں ہوتا ہے۔ اپنے والد ماجد (حضرت علامہ فرخند علی فرحت) کی طرح ان کی زندگی کا سفر بھی انتہائی مختصر تھا۔ ان کے فکر وفن کا چراغ پورے شباب پہ تھا۔ روشنی سے جماعت اہلِ سنّت کے در و دیوار روشن ہو رہے تھے۔ فکری وفنی اعتبار سے عین عالمِ شباب میں انہوں نے رخت سفر باندھ لیا۔ غالباً انہوں نے یہ شعر اپنے ہی لیے کہا تھا۔

کیا خبر تھی موت کا یہ حادثہ ہو جائے گا یعنی آغوشِ زمیں میں آسماں سو جائے گا

اپنی مختصر عمر میں انھوں نے فکر وفن اور زبان وقلم کے جو نقوش ابھارے ہیں، ان کے مطالعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ برسوں کی ریاضت کا نتیجہ ہیں۔ انھیں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے لغت میں ہمیں موزوں الفاظ نہیں مل رہے ہیں۔ ان کا وصال اس وقت ہوا

جب راقم کا شعور پختہ نہیں تھا لیکن آج بھی جب ان کی شخصیت یادوں کی دہلیز پہ دستک دیتی ہے تو پلکیں اشکوں میں نہانے لگتی ہیں اور پورا وجود غم کے ساگر میں ڈوب جاتا ہے۔ ان کی شخصیت جماعت اہلسنّت کے لیے قدرت کی ایک ایسی نعمت تھی جسے برسوں بھلایا نہیں جاسکتا۔ ان کا وجود ملک کے لیے درد وکرب کا استعارہ تھا۔ وہ تاحیات بھیڑ میں تنہا نظر آئے۔ وہ اپنے عہد کا فخر تھے۔ ان کے بڑوں نے انھیں فخر بہار کے لقب سے نوازا تھا۔ وہ صرف بہار کا فخر نہیں تھے بلکہ وہ دنیائے اہلسنّت کے لیے فخر تھے۔ حق وصداقت کے اظہار میں انہوں نے کبھی کسی کی رعایت نہیں کی۔ جیسے شیر سے جنگل کے دوسرے جانور ہر وقت خوف زدہ رہتے ہیں، اسی طرح باطل ہر وقت ان سے سراسیمہ رہا کرتا تھا۔ آلاتِ حرب وضرب سے ان کی شخصیت پوری طرح لیس تھی۔ فکر رضا کے وہ جاں فروش سپاہی تھے۔ وہ زبان وقلم کے دھنی تھے۔ ان کی خطابت پتھر کو بھی موم بنا دیتی تھی۔ خطابت ان کا پیشہ نہیں تھا بلکہ مشن تھا، اور اس پلیٹ فارم سے انہوں نے دینی، ملی اور مسلکی بیداری کا جو صور پھونکا ہے اسے برسوں بھلایا نہیں جاسکتا۔ ان کا تعارف جس انداز میں ہونا چاہیے اب تک نہیں ہوسکا ہے۔ ہم چادر اور مزارات کی آرائش وزیبائش پہ اپنے خزانے کا منھ کھول دیتے ہیں لیکن چادر اور مزارات کی عظمت ووقار کے تحفظ میں جن افراد وشخصیات نے اپنا خونِ جگر جلایا ہے، جب ان کی تعریف اور تعارف کی بات آتی ہے تو ہم لکیر کے فقیر بن جاتے ہیں۔

حضرت علامہ محمد میاں کامل سہسرامی قدس سرہٗ کی عظمت کا اعتراف ان کے عہد کی اکابر شخصیات نے بڑی فراخ دلی اور کشادہ قلبی سے کیا ہے۔ حضور مجاہد ملت جیسی تارک الدنیا شخصیت کے وہ مرید ہی نہیں بلکہ مراد تھے۔ ان کے وصال پہ جن شخصیات نے برسوں اشک ریزی کی ہے ان میں پاسبانِ ملت اور مجاہد دوراں کے اسما بہت نمایاں ہیں۔ ان دونوں شخصیات کی آنکھوں میں اشکوں کا سمندر تھا جو خشک ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ ان کا رونا دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ان کے اپنے جگر کا کوئی ٹکڑا بچھڑ گیا ہو۔ انھیں اس سے پہلے اس طرح روتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ ان کے فاتحہ کی محفل ماتم کدہ بنی ہوئی تھی۔

ملک کی بڑی بڑی شخصیات کے علاوہ شہروفنائے شہر کا ہر چھوٹا بڑا شریک محفل تھا۔اس میں دین ودھرم کی کوئی قید نہیں تھی، جہاں ایک مسلمان کا بچہ رورہا تھا وہیں ایک ہندو کا بچہ بھی اپنی پلکوں کو اشکوں سے بھگوئے ہوا تھا۔ جب حضور مجاہد دوراں حضرت علامہ سیّد مظفر حسین کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے منقبت کی شکل میں اپنا لکھا ہوا مرثیہ سنانا شروع کیا تو مجمع کے ساتھ خود بھی غم کی ساری حدوں کو توڑ گئے۔ان کی لکھی ہوئی منقبت کے اشعار کچھ اس طرح تھے۔

سو گیا ہاں سو گیا صد آہ کامل سوگیا
آسمانِ سنّیت کا ماہِ کامل سوگیا
اے وقارِ سنّیت اے تاجدارِ سہسرام
زندۂ جاوید بن کر آہ کامل سوگیا
اے صحافی، اے زباں داں، نازشِ صبح بہار
شہرِ خاموشاں میں جاکر آہ کامل سوگیا
جو اٹھا تھا ایک دنیا کو جگانے کے لیے
میں یقیں کیسے کروں وہ آہ کامل سوگیا
کیا خبر تھی ہوگی عجلت تیرے اس کردار میں
اک جہاں بیدار کرکے آہ کامل سوگیا
گلشنِ خیریہ تیر لوٹ لی کس نے بہار
واقعی کیا تیرا مالی آہ کامل سوگیا
اس چمن کا غنچہ غنچہ آج کیوں ہے سوگوار
کیا ترا ہمدرد و مونس آہ کامل سوگیا
خیریہ کے بچے بچے کی زباں زد ہے یہی
کیا خطا ہم سے ہوئی کیوں آہ کامل سوگیا
آج بزمِ کہکشاں کیوں ماند پڑتی جائے ہے

کیا شبِ دیجور تیرا ماہ کامل سوگیا
مجھ کو کیا معلوم تھا داغِ رفاقت دے کے تو
وقت سے پہلے تو آکر آہ کامل سوگیا
تو مظفر اب کہاں پائے گا اس غمخوار کو
تیرا مونس تیرا ساتھ آہ کامل سوگیا

حضرت علامہ محمد میاں کامل سہسرامی قدس سرہٗ کے وصال سے متاثر ہوکر پاسبانِ ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی قدس سرہٗ نے ماہنامہ پاسبان میں ایک ادارتی تحریر شائع کی تھی وہ تحریر کیا ہے؟ درد وکرب اور غم والم کا ایک سمندر ہے۔ پاسبانِ ملت کی اس تحریر سے دونوں شخصیات کے آپسی قرب کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ذیل میں ماہنامہ پاسبان کا پورا اداریہ ملاحظہ کریں۔

آہ! مِرا کامل جاتا رہا

ستارہ نہیں۔۔۔آسمانِ صحافت کا سورج ڈوب گیا!

کامل تم کیا گئے! کانفرنسیں خاموش ہوگئیں۔ صحافت اجڑ گئی، خطابت سوگوار ہوگئی۔

سچ تو یہ ہے! سہسرام کی دولت پیوندِ خاک ہوگئی۔ مدرسہ خیریہ کی شہرت گہنا گئی، اور بِہار کی بَہار رُخصت ہوگئی۔

میرے کامل! آفس پاسبان اور آفس تاجدار کے دیوار و درتم پر رورہے ہیں اور وہ قلم جو تمہارے ذہن وفکر کی عکّاسی کرتا تھا وہ اب روشنائی نہیں خون اُگل رہا ہے۔

دارالعلوم غریب نواز! جس میں تم چہکتے تھے وہاں سکوت اور خاموشی کا پہرہ ہے۔ اساتذہ اور طلبا تمہارے غم میں سوگوار کھڑے ہیں۔

تصورات کی دُنیا میں

کامل دیکھو تو سہی! یہ وہی مدرسہ خیریہ ہے جس کی دیواروں میں اینٹ و پتھر کے ساتھ

تمہارے قاشہائے دل بھی جڑے ہیں اور اس کے گارے میں پانی کے ساتھ تمہارا خون وجگر بھی شامل ہے، اس کی زلفیں پریشاں ہیں اب اس کی مانگ میں سیندور کون بھرے گا، افشاں کون چھڑ کے گا؟

کامل کیا تم سچ مچ خاموش ہو گئے! دیکھو تو سہی خیر یہ کے یہ وہی طلبہ ہیں کہ تمہاری غیرت وحمیت نے اپنے لیے کہیں بھی دست طلب نہ پھیلایا۔ مگر ان بچوں کے لیے تم نے در در کی بھیک مانگی۔ یہ تمہاری خاموشی پر سِسک رہے ہیں، بلک رہے ہیں اور دھاڑیں مار مار کے رو رہے ہیں۔ اب کون ہے جو انھیں کلیجہ سے لگائے اور اپنی آستینوں سے ان کا آنسو پوچھے۔

کامل! انھیں تو پہچانو۔ یہ فخر اماثل مولانا ضیاء الحسن ہیں، جن کی گود میں تم پلے، بڑھے، جوان ہوئے، پھلے، پھولے، یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ تمہارے جوان کاندھے پر ان کا جنازہ اٹھے گا۔ لیکن یہ تم نے نہ برداشت کرنے والا کیسا غم دیا۔ اسّی سال کا بوڑھا جواں سال کی میّت اپنے کاندھے پر اٹھائے؟

کامل تم خاموش کیوں ہو! دیکھو تو سہی یہ تمہارے ساتھیوں کی بارات کھڑی ہے یہ مولانا مظفر ہیں، مولانا رحمانی میاں، مولانا اسرار الحق، مفتی شریف الحق، مولانا ارشد، مولانا نسیم بستوی، مولانا غلام ربانی یہ تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ پیارے تم بھی تو کچھ کہو، اس طرح نہ چپ ہو جاؤ کہ تمہارا درد ِجگر ہم سب کے کلیجے کا چبھتا ہوا کانٹا بن جائے۔

ارے کامل۔ اِسے تو پہچانو۔ یہ تمہارا نورِ نگاہ ''ملک الظفر'' ہے۔ جسے تم نے گود لیا، کلیجے سے لگایا، کاندھے پہ بٹھایا، سر چڑھایا یہ تم سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ ''نہ بولو' پیار تو کرلو۔ ہونٹوں سے نہ سہی آنکھیں کھولو آنکھوں ہی کا پیار دے دو۔

کامل۔ کامل۔ کامل۔۔۔۔ آہ۔۔۔ ایسی طویل خاموشی۔

میرے کامل۔ دیکھو میرے دونوں شاہزادے آفاق اور منّا جنھیں تم نے پڑھنے کے لیے سہسرام بلایا تھا۔ یہ سامانِ سفر لیے کھڑے ہیں اور مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ 'لالہ' کامل میاں

سے پوچھیے کہ اب سہسرام میں ہمارے پرسشِ غم کون کرے گا؟ لالہ کیا اب کامل میاں ہم لوگوں سے بھی نہیں بولیں گے۔ یہ بھولے بھالے سادہ لوح بچے ہیں ان سے تو بول لو۔

کامل۔ یہ تمہارا اطاعت شعار ''ظل الرحمان'' ہے جس کی زندگی کا ہر لمحہ تمہارے گردشِ ابرو پر رقص کرتا رہا، جس نے تمہاری رضا کو متاعِ زندگی اور حاصل شادمانی سمجھا، وہ بس اتنا ہی کہنا چاہتا ہے کہ پیارے جاؤ تمہیں کون روک سکتا ہے مگر جاتے جاتے کچھ تو کہہ دو تا کہ تمہارا پیغام مشعلِ رہ بن سکے۔ مگر' کامل' یہ کیسا ساتھ ہے کہ تم اتنا بھی نہ کر سکے! اور ہمیشہ کے لیے چپ ہو گئے۔

کامل۔ اسے پہچانو یہ تمہارا اسیرِ محبّت ''انوار نظامی'' ہے قلم تمہارا چلتا مگر جیل یہ جاتا تھا، جیل کی زنجیروں اور آہنی بیڑیوں سے آزاد ہو کر پھر تمہارے عشق کی زنجیریں پہن لیتا۔ اسے تم پھر جیل بھیجتے اور آزاد ہو کر پھر تمہارا گرفتارِ محبت بن جاتا لیکن تم دونوں محبت کے ایسے بندھن میں بندھے تھے کہ تم نہ کبھی شرمسار نظر آئے اور نہ ہی انوار نے تم سے شکوہ کیا۔ پھر تم روٹھ کیوں گئے تمہاری ناز برداری میں کوئی دقیقہ نہ اٹھایا گیا، کامل منھ کی چادر ہٹاؤ، لب کا سکوت توڑو، پلکیں کھولو۔ زیادہ نہ سہی کچھ تو بولو۔ کامل۔ کامل کیا محبت کا صلہ یہی ہوتا ہے؟

میرے کامل۔ کیا تم نے مجھے بھی نہیں پہچانا، میرے پیارے میں تمہارا مشتاق ہوں جس سے تم کوئی بات منوانا چاہتے تو بھیاؔ نظامی کہہ کے لپٹ جاتے؟

اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ تم نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھیا نظامی کہا ہو، اور میں نے تمہاری بات ٹال دی ہو۔ میری کتابِ زندگی کا ورق اُلٹو کیا کہیں ایسا بدنما داغ ملے گا۔

کامل۔ میں نے ہمیشہ تمہاری بات مانی آج تم بھی میری ایک بات مان لو۔ دیکھو یہ پاسبانؔ کے اوراق غم کے مارے ایک دوسرے پر سر پٹک کے یہ کہہ رہے ہیں کہ اب مجھے کون سجائے گا؟ کون نکھارے گا؟ کون سنوارے گا؟

انوار۔ سر جھکائے رو رہے ہیں کہ جس کاندھے پر پاسبان کا بوجھ تھا اس نے ساتھ چھوڑ دیا۔ آفاق، مُنّا، چنّو، وقار، شبینہ سب پوچھ رہے ہیں لالہ لالہ اب ہم لوگ ''کامل میاں'' کہہ کر کسے پکاریں گے۔ میرے کامل۔۔۔ کچھ تو بولو۔ دیکھو یہ وہ آہنی الماری ہے جس میں

تمہارے فائل رکھے ہیں۔ یہ میز ہے۔ یہ قلمدان ہے، یہ کاپی ہے؟ لیکن کرسی تمھیں ڈھونڈ رہی ہے۔آؤ۔آؤاس پر بیٹھو۔تم چپ کیوں ہو۔خاموش کیوں ہو۔کچھ تو بولو؟

ایک مدھم سی آواز بھیّا نظامی میں نے آپ کی بات کبھی نہیں ٹالی۔لیکن میں آج ایک بہت ہی طویل سفر پر جارہا ہوں دور، بہت دور، بہت دوراب کچھ بولنا تو درکنار پیچھے پلٹ کے دیکھ بھی نہیں سکتا۔ اگر ہو سکے تو آپ سب میرا آخری سلام قبول کرلو۔ کامل۔ کامل۔ کامل۔خاموشی۔خاموشی۔خاموشی۔

ایک سوگوار: مشتاق نظامی

طنز ومزاح ایک کٹھن فن ہے۔زبان وادب کے ایوان میں طنز نگاروں کا ایک ہجوم نظر آتا ہے،ان میں حضرت علامہ کامل سہسرامی کا نام بہت نمایاں ہے۔ان کی طنز نگاری کا ایک نمونہ ذیل میں ملاحظہ کریں:

اگر عقیدت مندیوں کے اظہار پر اُتر آئے تو شیخ جی کو حضرت عبداللہ ابن مبارک اور سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا متقدا بنا کر تالیاں بجائے۔ پیر جی کو صدیق، فاروق، متاع الکل، مربی خلائق ثابت کردے۔دشمنی پر اُتر آئے تو کائنات کی افضل ومقدس ترین ذات کو گاؤں کا چودھری بناڈالے۔خدائی کے ساتھ ساتھ خدا پر بھی ہاتھ صاف کرنے میں نہ چوکے۔فتوے بازیوں پر اُتر آئے تو نذر ونیاز، فاتحہ وزیارت ہر چیز کو نہ صرف حرام ثابت کردے بلکہ شرک کے موٹے موٹے کیڑے بھی نکال دے۔ یہ اور بات ہے کہ اسی کے فتوے کا مارا کھانا اگر خوش قسمتی سے اسے مل جائے تو اس طرح ہضم کرلے کہ ڈکار بھی نہ لے۔سیّد سالار مسعود غازی کے مزار شریف کی سات گز لمبی چادر اوڑھ لے اور شرک کی آلودگیوں سے پاک بھی رہے۔ حلال کرنے پر آئے تو کوّا حلال کردے، کپورہ حلال کردے یہاں تک کہ دین وملت بھی حلال کرڈالے۔آپ نے نہیں سنا کہ ایک غریب شکاری نے جنگل میں جال ڈالا۔ایک کبوتر کے ساتھ ہی ایک بدنصیب چیل بھی آ پھنسی۔شکاری اپنے دونوں شکار کو لیے مکان کی طرف چل پڑا۔راستے میں ان کا ایک کھدر دھاری شناسا مل گیا۔علیک سلیک کے بعد دونوں اس طرح

آگے بڑھے کہ جال شکاری کے ہاتھ میں اور شکار مولوی کھدر دھاری کے ہاتھ میں۔

کبوتر تو سمجھ چکا تھا کہ اب اس کی زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں اور کوئی خریدار ذبح کر ہی ڈالے گا۔ وہ غریب مولوی کے ہاتھ میں خاموش راضی برضا لٹکا ہوا تھا لیکن چیل فرطِ غم سے رو رہی تھی۔ کبوتر نے اس طرح زاروقطار روتے دیکھ کر پوچھا، بی چیل رونا تو مجھے چاہیے کہ میں چند گھڑی کا مہمان ہوں لیکن تمہارے اس طرح رونے کا سبب کیا ہے؟ تم تو مسلمانوں کی شریعت میں حرام ہو، تمہیں کاہے کا غم؟

چیل نے کہا میاں کبوتر جب تک شکاری کے ہاتھ میں تھی مطمئن تھی لیکن اب اس لیے رو رہی ہوں کہ بدقسمتی نے ایک مولوی کے ہاتھ پہنچا دیا ہے جو حرام کو حلال بنانے کے فن میں پوری مہارت رکھتا ہے۔ (نجد سے سہارن پور تک، ص: ۲۷، رضا دار المطالعہ پوکھریرا، سیتامڑھی ۲۰۱۸ء)

حضرت علامہ کامل سہسرامی زمین آشنا اور ضمیر آشنا بھی تھے۔ مذہبی تہذیب وسیاست کا بھی انہیں گہرا عرفان تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی عالمانہ، قائدانہ اور مدبرانہ رکھ رکھاؤ کے ساتھ گذاری۔ وہ آسمان بدوش عظمتوں کے حامل تھے۔ شہر کے چھوٹے تو انھیں بڑا سمجھتے ہی تھے حیرت یہ ہے کہ بڑے بھی انہیں بڑا سمجھتے تھے۔ انہوں نے بدعقیدگی کو نہ صرف شہر سے بلکہ کئی اضلاع سے شہر بدر کر دیا تھا۔ وہ اپنے عہد کے پہلے عالم تھے جن کے وصال پہ بلاتمیز مذہب وملت پورا شہر کئی دنوں تک سوگ میں ڈوبا رہا۔ حضور مجاہد دوراں تیجہ تک شہر میں خیمہ زن رہے، کلکتہ میں جب ان کا جنازہ تیار ہوا تو حضور مجاہد دوراں نے ان کی پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا کہ بیٹا جنت میں جا رہے ہو۔ اہلِ سہسرام انھیں جس عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اس کی کوئی نظیر اب تک سامنے نہ آسکی ہے۔ جب شہر میں ان کی تقریر ہوتی تھی تو لوگوں کو بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی تھی۔ ان کی کمی کا کرب اہل شہر آج بھی محسوس کرتے ہیں۔ رب ذوالجلال کروٹ کروٹ انھیں غریق رحمت فرمائے آمین۔

حضرت مولانا مفتی ملک الظفر صاحب میں ان کے والد ماجد حضرت علامہ کامل سہسرامی اور جد امجد حضرت علامہ مفتی محمد فرخند علی فرحت سہسرامی کے عکوس ونقوش واضح انداز

میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ نام ونمود اور آرائش وزیبائش میں اس خانوادے کو کبھی دلچسپی نہیں رہی جبکہ ذہنوں اور زمینوں پہ خدمات کے اثرات دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ عوامی قلوب میں احترام وعقیدت کے چراغ خوب روشن ہیں۔ مولانا موصوف اپنے آبا کی باقیات وروایات کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ جنوبی بہار کا یہ خطہ جب بھی مسائل کا شکار ہوتا ہے تو لوگ آپ سے رجوع ہوتے ہیں۔ آپ خود کو قائد نہیں سمجھتے لیکن قوم آپ کی قیادت کو تسلیم کرتی ہے۔ ایک قائد کو جن خصوصیات کا جامع ہونا چاہیے وہ ساری خصوصیات آپ کے اندر پائی جاتی ہیں۔ اس قحط الرجال میں آپ کی شخصیت ہر اعتبار سے غنیمت ہے۔ آپ کے شرعی معمولات ومراسم سے آپ کے دینی شعور کی پختگی کا اظہار ہوتا ہے۔ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات پہ آپ کی گہری نظر ہے۔ آپ بڑی بے باکی سے قومی مسائل اٹھاتے ہیں۔ حق کے اظہار میں آپ کسی طرح کا خوف محسوس نہیں کرتے۔ آپ کو ان لوگوں سے سخت شکایت رہتی ہے جو خود کو بڑا سمجھتے ہیں لیکن قومی مسائل پہ اپنی زبان بند رکھتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی ملک الظفر صاحب جس طرح خاندانی وجاہت رکھتے ہیں اسی طرح علمی وجاہت بھی رکھتے ہیں۔ آپ کی مکمل علمی تربیت دار العلوم خیریہ نظامیہ کی آغوش میں ہوئی۔ ذہانت اور مضبوط قوتِ حافظہ آپ کو وراثت میں ملی ہے۔ والد ماجد کی پُرخلوص دعائیں اور خصوصی توجہات آپ کے ساتھ تھیں۔ جس وقت آپ کے سر پہ فضیلت کی دستار باندھی گئی والد ماجد کا ظاہری سایہ آپ کے سر پہ نہ تھا۔ اگر وہ بقید حیات ہوتے تو دستارِ فضیلت کا حسن دوبالا ہو جاتا۔ آپ کی علمی، فکری اور لسانی تربیت میں جن شخصیات نے نمایاں رول ادا کیا ہے، ان میں دو شخصیات اپنا علمی اعتبار رکھتی ہیں۔ شمس العلماء حضرت مولانا مفتی نظام الدین قادری حبیبی علیہ الرحمہ (۱۹۱۳ء/ ۱۹۹۴ء) اور حضرت علامہ مفتی ضیاء الحسن محدث سہسرامی علیہ الرحمہ (۱۳۲۱ھ/ ۱۴۰۱ھ) شمس العلماء حضرت مولانا مفتی نظام الدین قادری حبیبی علیہ الرحمہ علمی اور فنی اعتبار سے اپنے عہد میں تنہا تھا۔ حضور مجاہد ملت کی دعاؤں کا وہ پیکر محسوس تھے۔ حضور مجاہد ملت نے کسی کے سوال کرنے پر فرمایا تھا کہ میرے

تلامذہ کی تعداد بہت مختصر ہے، لیکن جو ہے ان میں کا ہر فرد ہزاروں پہ بھاری ہے۔ حضور شمس العلماء کی شخصیت سمندر نواز تھی، پورے ملک میں ان کی علمی برتری کے دف بجا کرتے تھے۔ پاسبانِ ملت جیسی درجنوں شخصیات ان کے حاشیے پر مسکراتی دکھائی دیتی ہیں۔ شمس العلماء پہ بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے فرصت کے لمحات درکار ہیں۔ راقم نے بھی ان کی برسوں جوتیاں سیدھی کی ہیں۔ راقم نے ان کے جیسا عالمِ ربانی نہیں دیکھا۔ کتابوں میں عالمِ ربانی کی جو خصوصیات ملتی ہیں وہ ساری خصوصیات ان کی ذات میں موجود تھیں۔

حضرت علامہ ضیاء الحسن ضیاء سہسرامی قدس سرہٗ بہت بڑے صاحب علم وتقویٰ تھے۔ انہوں نے اپنے علمی وقار واعتبار کو اپنے تقویٰ کی چادر سے ڈھانپ رکھا تھا۔ ان کی پاکیزگیٔ فکر ونظر کے باعث اہل شہر بلا تفریق مذہب وملت ان کا کافی احترام کرتے تھے۔ حد تو یہ ہے کہ وہ طلبہ میں بھی ہر دل عزیز تھے۔ ان کے عہد میں جن خوش بختوں نے ان سے علمی استفادہ کیا وہ اپنے نام کے ساتھ ضیائی ضرور لگاتے ہیں۔ ان کی بہت ساری کرامات بھی عوام وخواص میں شہرت رکھتی ہیں۔ ڈاکٹر ساحل سہسرامی نے ان کا سوانحی خاکہ یوں پیش کیا ہے:

استاذ العلماء محدث سہسرام حضرت علامہ محمد ضیاء الحسن ضیاء سہسرامی قدس سرہٗ اپنے وقت کے ممتاز عالمِ دین، مستند پیشوا، مسلّم بزرگ اور عارف باللہ تھے۔ پوری زندگی بڑی سادگی، قناعت، زہد وورع اور علم وفضل کے سائے میں گذر بسر کی۔ طالب علمی کے اخیر چند سال چھوڑ کر پوری زندگی وطن عزیز میں گذری۔ اس کے باوجود پورا شہر آپ کی بزرگی کا معترف تھا۔ جس راہ سے گذر جاتے ہندو مسلم، چھوٹا بڑا اٹھ کر تعظیم دیتا۔ شہر کا باشعور طبقہ اور سارے طلبہ آپ کو بڑے حضرت کے لقب سے یاد کرتے۔ آپ کی عظمتوں اور کرامتوں کا زمانہ شاہد ہے۔ جب تک آپ کا مسعود وجود دار العلوم خیریہ کی زینت رہا خیریہ کے در و بام رحمت ونور کی بارش میں نہاتے رہے۔ حضرت صادق سہسرامی اور آپ نے مل جل کر بانی خیریہ کے مشن کی لو کبھی مدھم نہ ہونے دی۔ خیریہ کا پرچم شان وشوکت کے ساتھ لہراتا رہا۔

آپ دونوں حضرات کا ہر لمحہ اس شعر کا ترجمان تھا۔

تم نے جو شمع جلائی ہے، نہ بجھنے پائے　　　اب تو لے دے کے یہی کام ہمارا ٹھہرا

(حضرت صادق سہسرامی، حیات وشاعری، ص:۱۳۹)

حضرت مولانا مفتی ملک الظفر صاحب کی تربیت علمی ماحول میں ہوئی اور ان کی تربیت میں جو لوگ شریک تھے وہ علم، فضل، تقویٰ اور شرافت میں اپنی نظیر آپ تھے۔ بچوں پہ سب سے زیادہ اثر ماحول کا ہوتا ہے۔ ان کے جد امجد کی تقویٰ شعاری کی خوشبو سے نہ صرف گھر کے در و دیوار معطر تھے بلکہ پورا شہر ان کی شرافت نفس اور بے ریائی کے نور سے مستنیر و مستفیض تھا۔ ایثار و قربانی کے جذبے سے ان کی پوری حیات عبارت تھی۔ ترکِ دنیا کو انہوں نے اپنی زندگی کا عنوان بنالیا تھا۔ انھیں اپنی فکر کبھی نہیں ہوئی۔ ان پہ ہر وقت دین و شریعت اور قوم وملت کی فکر حاوی تھی۔ خوف و خشیت علم ہی سے وجود پاتی ہے۔ معرفت الٰہی کا رشتہ علم ہی سے مربوط ہے۔ جو جتنا بڑا عالم ہوتا ہے اتنا ہی بڑا عارف بھی ہوتا ہے۔ دن کے اجالے میں وہ علومِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سینوں کو اجالتے تھے اور رات کی تنہائی میں وہ اپنے رب سے ناز و نیاز میں مصروف ہو جاتے تھے۔ ان کی روئداد حیات تفصیل چاہتی ہے اور ہمیں تفصیل کی اجازت نہیں ہے۔

حضرت مولانا مفتی ملک الظفر صاحب اپنے آبا کی امانتوں کے سچے امین ہیں۔ انھیں بھی دنیا میں کوئی رغبت نہیں ہے۔ ان کے معمولاتِ زندگی دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دنیا اور دنیا داری کے فلسفے سے انھیں کوئی واقفیت نہیں ہے۔ عرفان و آگہی کے نور سے ان کی پیشانی روشن ہے۔ دن کے اجالے میں وہ سفیر قوم وملت کے فرائض انجام دیتے ہیں اور جب رات کی تاریکی پھیلتی ہے تو وہ ہر شئے سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ ان کا سینہ علم و اخلاق کا مدینہ ہے۔ اپنے بڑوں سے انہوں نے علوم و معرفت کی جو دولت پائی ہے اس کی ترویج و تشہیر ہی ان کا مقصد حیات ہے۔ ان کی طرزِ حیات انھیں بھیڑ میں ممتاز کرتی ہے۔ آج علماء کی اکثریت پہ دنیا حاوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین و شریعت سے قوم کا فاصلہ بڑھتا جارہا ہے۔ آج کا انسان اپنوں سے بچھڑ چکا ہے۔ ایسے نازک حالات میں آپ کی ذات چراغِ رہگذر کی حیثیت رکھتی ہے۔

حضرت مولانا مفتی ملک الظفر صاحب گہری بصیرت کے حامل ہیں۔ان کی شخصیت اپنے اندر بڑی وسعت رکھتی ہے۔وہ زبان و بیان کے ہر نشیب و فراز کے عارف و عامل ہیں، زبان و بیان کی تفہیم میں انہوں نے شدید ریاضت کی ہے۔ ان کا علمی، فکری اور قلمی سرمایہ کئی مجلدات میں پھیلا ہوا ہے۔ان کے تنقیدی شعور میں بڑی بالیدگی اور پختگی ہے، فی زمانناجماعت علماء میں یہ شعور خال خال نظر آتا ہےاور جن میں یہ شعور پایا جاتا ہے وہ اظہارِ شعور سے ڈرتے ہیں۔ جرأت و بے باکی بھی انھیں وراثت میں ملی ہے۔وہ حق کے اظہار میں کبھی کسی مصلحت کے شکار نہیں ہوئے۔وہ اپنے والد ماجد حضرت علامہ محمد میاں کامل سہسرامی قدس سرہٗ کے بالکل قدم بقدم ہیں۔ جینے کی جس ڈگر کا آپ نے انتخاب کیا ہے وہ ڈگر بھی والد ماجد کی بنائی ہوئی ہے۔انہوں نے خود کو دین و شریعت کے لیے ہر طرح وقف کر رکھا ہے۔جن تحریکات سے جماعتی مزاج کو چوٹ لگتی ہے ان تحریکات کو کبھی انہوں نے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا بلکہ وقت آنے پر ان کے رد و ترد سے بھی گریز نہیں کرتے۔ان کے عزم کی اس شعر سے آئینہ بندی ہوتی ہے ؎

اِدھر آؤ پیارے ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

ان کے کشکولِ حیات میں علم و عمل، فکر و فن اور زبان و بیان کی لطافتوں کی کائنات پنہاں ہے۔ان میں اپنی ذات کو منوانے کا شوق نہیں ہے۔ان کا پیمانۂ حیات کمالات، خصوصیات اور امتیازات سے بھرا ہوا ہے۔ان کی ہر سانس سے دینی، ملی اور قومی مفادات کی خوشبو پھوٹتی رہتی ہے۔ان کی ذمہ داریاں بہت ہیں۔درس و تدریس کی ذمہ داریاں، ادارے کی ذمہ داریاں، افتاء کی ذمہ داریاں، دارالقضاء کی ذمہ داریاں، مدرسین کی ذمہ داریاں، طلبہ کی ذمہ داریاں اور قومی فلاح کی ذمہ داریاں۔ وہ اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں کبھی بے توجہی کے شکار نہیں ہوئے۔ان کی ذات دیانت، شرافت، وجاہت اور حسنِ اخلاق کا محسوس پیکر ہے۔ان سے راقم کے ربط و تعلق کی عمر چالیس سال سے زائد پہ محیط ہے۔تعلقات کے اس طویل سفر میں

ہم نے ہر موڑ پہ انھیں بے نفس پایا۔ چالیس سال قبل نوازشات کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ بدستور قائم ہے۔اوران شاءاللہ تاحیات یونہی قائم رہے گا۔

ڈاکٹر ساحل سہسرامی حضرت مولانا مفتی ملک الظفر صاحب کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ڈاکٹر صاحب مرحوم بڑی خوبیوں اور کمالات کے جامع تھے۔دارالعلوم خیریہ نظامیہ کی آغوش سے ایسے صاحبِ کمالات نکلتے رہتے ہیں۔انہوں نے بہت کم عمر پائی۔انھیں ہر وقت کام کی فکر رہتی تھی۔ان کی خدمات آسانی سے بھلائی نہیں جاسکتیں۔وہ ہمیشہ اپنی صحت سے پریشان تھے لیکن ان کے قلم کی رفتار کبھی کم نہیں ہوئی۔ان کی یاد بہت دنوں تک خون کے آنسو رلائے گی۔ڈاکٹر موصوف نے حضرت مولانا مفتی ملک الظفر صاحب کا ایک مختصر اور نامکمل سوانحی خاکہ پیش کیا ہے،تھوڑے تصرف کے ساتھ ذیل میں وہ خاکہ ملاحظہ کریں۔

حضرت مولانا ملک الظفر صاحب، حضرت علامہ محمد میاں کامل سہسرامی کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۲ء میں ان کی ولادت ہوئی۔ابتدا سے انتہا تک تعلیم دار العلوم خیریہ نظامیہ سہسرام میں ہوئی۔والد ماجد کے وصال کے بعد ۱۹۸۲ء میں دستارِ فضیلت سے نوازے گئے۔آپ کے اساتذہ میں حضرت علامہ محمد ضیاء الحسن ضیا سہسرامی، شمس العلماء حضرت علامہ مفتی محمد نظام الہ آبادی، حضرت مولانا مفتی محمد ظل الرحمٰن بھاگلپوری، حضرت مولانا وجاہت حسین سہسرامی اور حضرت مولانا مفتی محمد شمس الدین بہرائچی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۴/سال تک جامعہ فیض العلوم جمشید پور میں حضور شمس العلماء حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین بلیاوی ثم الہ آبادی کی خدمت میں رہ کر منتہی کتابوں کا درس لیتے رہے۔ اسی دوران معین المدرسین کی حیثیت سے وہیں درس بھی دیتے رہے۔ ۱۹۸۶ء میں دارالعلوم خیریہ نظامیہ میں نائب مہتمم اور مدرس کی حیثیت سے تشریف لائے اور حضرت مولانا مفتی ظل الرحمٰن صاحب کی سرپرستی میں مادرِ علمی کا نظم ونسق سنبھالا اور اسے تعمیراتی سطح پر خاصی ترقیاں عطا کیں۔ (حضرت صادق سہسرامی، حیات اور شاعری،ص:۱۵۲)

حضرت مولانا مفتی ملک الظفر صاحب کے ایوانِ حیات میں کمالات کی بے شمار

قندیلیں روشن ہیں۔ان کی شخصیت تفصیلی تعارف چاہتی ہے۔ یہاں تاریخ گڑھنا نہیں ہے بلکہ تاریخ کے بکھرے ذروں کو سلیقے سے سمیٹنا ہے۔ہم شخص اور شخصیت کے تعارف میں کوتاہ نظر واقع ہوئے ہیں۔ہمیں اپنے شہ پاروں کو دفن کرنے کا خوب ہنر آتا ہے،صوبائی سطح پہ دیکھا جائے تو سیکڑوں علمی اور ہمالیائی شخصیات ہماری نگاہوں سے پورے طور پر اوجھل ہو چکی ہیں۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ زبان وقلم کا شعور رکھتے ہیں ان کی ہمت افزائی سے ہم پورے طور پر غافل ہو چکے ہیں۔ ہمارے جماعتی مزاج پہ بے بسی مسکرا رہی ہے۔اگر اس روش میں تبدیلی نہیں آئی تو آنے والی نسلوں کو تاریکیوں کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا اور ہماری قبروں پہ پھول کی جگہ پتھروں کی بارش ہوگی۔

حضرت مولانا مفتی محمد ملک الظفر صاحب کی حیثیت قومی سرمائے کی ہے۔ وہ سوتے ہیں تو فلاحِ ملت ہی کا خواب دیکھتے ہیں۔ یہ گفتگو مشاہدات کی بنیاد پہ ہو رہی ہے۔ان کے ذاتی اور شخصی مطالعے اور مشاہدے کی مدت چالیس سال پہ پھیلی ہوئی ہے۔ وہ فطرتاً بے نیاز واقع ہوئے ہیں۔اس عہد نفاق میں علماء اور مصلحین امت کی اکثریت اپنے ہر سانس کی قیمت چاہتی ہے۔ جبری مطالبات کے واقعات بھی نگاہوں سے گذرتے ہیں۔دلیل یہ دی جاتی ہے کہ ہم اپنے وقت کی قیمت مانگتے ہیں، شریعت اس کی اجازت دیتی ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمارا ماضی بھی ایسا ہی تاریک تھا۔ ماضی قریب میں ان شخصیات کی ایک طویل فہرست ہے جو ایثار و قربانی کا استعارہ تھے۔جن کی سانسوں سے ملت کی وفاداری کی خوشبو پھوٹتی تھی۔ ان کے ایک اشارے سے ذہنوں اور زمینوں کی سوچ کا قبلہ بدل جاتا تھا۔اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اپنے گھر کی زمینوں اور ذہنوں پہ بھی اثر انداز نہیں ہو پاتے۔جن کے دامن حیات سے جبری مطالبات کا تعفن اٹھتا ہے، وہ اپنے عمل کی صحت کے لیے فتاویٰ رضویہ شریف کا حوالہ دیتے ہیں جبکہ اعلیٰ حضرت کی تحریر سے ان افراد کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے جو جبری مطالبات کے مرض میں گرفتار ہیں۔ اعلیٰ حضرت کو یہ خبر ملی کہ کچھ لوگ آپ کے نام ونسبت کا غلط استعمال کر رہے ہیں تو اعلیٰ حضرت نے اپنے ۵۰ / پچاس خلفا کی ایک فہرست جاری کی اور برائے

ہدایات ایک اشتہار شائع فرمایا۔اس اشتہار کی ابتدائی عبارت ذیل میں ملاحظہ کریں۔

برادرانِ اہلسنّت کو اطلاع۔فقیر کو شکایتیں گذریں بعض صاحب باوصف بے علمی دنیا طلبی کے لیے وعظ گوئی کرتے ہوئے اکنافِ ہند میں دورہ فرماتے ہیں اور یہاں سے اپنا علاقہ انتساب بتاتے ہیں، جس کے سبب فقیر سے محبت رکھنے والے حضرات دھوکا کھاتے ہیں۔اس شکایت کے رفع کو یہ سطور مسطور۔ یہاں بحمدہ تعالیٰ نہ کبھی خدمت دین کو کسب معیشت کا ذریعہ بنایا گیا نہ احباب علمائے شریعت یا برادرانِ طریقت کو ایسی ہدایت کی گئی، بلکہ تاکید اور سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دست سوال دراز کرنا تو درکنار اشاعت دین وحمایت سنّت میں جلب منفعت مالی کا خیال دل میں بھی نہ لائیں کہ ان کی خدمت خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ ہاں اگر بلا طلب اہلِ محبت سے کچھ نذر پائیں، ردنہ فرمائیں کہ اس کا قبول سنّت ہے۔ یہاں سے نسبت ظاہر فرمانے والے صاحبوں کے پاس فقیر کی دستخطی مہری سند علمی یا اجازت نامہ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔زبانی دعوے پر عمل پیرانہ ہوں۔(تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت،ص:۸)

جبہ و دستار کے پردے میں ہزاروں بھیڑیے قوم وملت کی رگوں سے لہو چوس رہے ہیں۔وہ زمینوں کا سفر نہیں کرتے بلکہ ہواؤں کا سفر کرتے ہیں۔وہ ہر وقت اپنی عدیم الفرصتی کا جواز پیش کرتے ہیں، سفر خرچ وصول کرنے کے بعد ہی تاریخ یقینی ہوتی ہے۔درمیان میں کوئی بڑا مرغا پھنس گیا تو تاریخ رد بھی ہوسکتی ہے۔ یہ عصر حاضر کا بھیانک منظر نامہ ہے۔ جماعت اہلسنّت ایسی بے چارگی کا کبھی شکار نہیں ہوئی تھی۔ ہر چھوٹے بڑے شاعر وخطیب کی فیس متعین ہے۔مذہب کاروبار نہیں ہوتا۔ یہاں سانسیں بھی عبادت میں شامل ہے۔اگر وہ شرعی اصولوں کی روشنی میں لی جاتی ہے۔

حضرت مولانا مفتی ملک الظفر صاحب کے والد ماجد کا ملک کے ممتاز خطبا میں شمار ہوتا تھا۔اجلاس کی کامیابی ان کی شرکت پہ منحصر ہوتی تھی۔علم کی مختلف شاخوں پہ ان کی گہری نظر تھی۔زبان وبیان کی لطافتوں اور نفاستوں کے وہ عارف تھے۔اہلِ علم وفن میں وہ عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ملک کی غالب زمینوں کی شاہی انھیں حاصل تھی۔ان سب کے

باوجود انہوں نے اپنی فیس کبھی متعین نہیں کی۔ دلوں کو دین وشریعت سے جوڑنا ان کا مشن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عوامی قلوب میں ان کے احترام وعقیدت کی جو شمع جلتی تھی اس کی لو کبھی مدھم نہیں ہوئی۔ ان کے وصال پہ پورا ملک سوگوار تھا۔ حضرت مولانا ملک الظفر صاحب کے لیے خطابت کی وسیع دنیا تھی۔ خود ان کی ذات علم وخبر کے نور سے منور ہے اس کے باوجود انہوں نے اپنے والد ماجد کی اس وراثت کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ انہوں نے اس میدان میں عزتِ نفس کو محفوظ نہیں پایا، چونکہ ان کے عہد میں زمانہ بدل چکا ہے اور زمانے کی ریت بدل چکی ہے۔ انھیں پیشہ ور افراد کے ساتھ بیٹھنا پڑتا اور اسے وہ غیرتِ عشق کے دامن پہ بدنما داغ سمجھتے ہیں۔ ان کا فرمان ہے کہ خدمت دین وشریعت اس میدان تک محدود نہیں ہے۔ انہوں نے درس وتدریس اور قرطاس وقلم سے خود کو وابستہ کرلیا۔ تقریر وخطابت پانی کا بلبلہ ہے۔ درس وتدریس سے انسان اور انسانیت کی تعمیر ہوتی ہے اور قرطاس وقلم کے اثرات دیر پا اور دور رس ہوتے ہیں۔ کسی قوم کو تاریخ سے مٹانا ہے تو اس کے ہاتھوں سے قرطاس وقلم چھین لو۔ مسلم امہ کا رشتہ جب تک قرطاس وقلم سے جڑا رہا اس کی شوکت وسطوت کے جھنڈے آسمانوں پر لہراتے رہے۔ دنیا تہذیب وثقافت سے نا آشنا تھی، اسلام نے علوم و فنون کا ایسا صور پھونکا کہ انسان اور انسانیت بلند سے بلند تر ہوتی گئی۔ جن افراد وشخصیات نے فروغِ علومِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جدوجہد کی وہ ذہنوں اور زمینوں میں خوشبو کی طرح پھیل گئے۔ اہلِ علم سینوں اور سفینوں میں زندہ ہیں۔ اور جن لوگوں نے دنیا طلبی کو اپنا شعار بنایا تاریخ نے انھیں اپنے سینے میں جگہ دینے سے انکار کردیا۔ ماضی قریب کی شخصیات میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ انسانی قلوب میں اس لیے مقیم ہیں کہ انہوں نے فروغِ علومِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خود کو وقف کردیا تھا۔ انھیں کتنے علوم وفنون میں مہارت تھی اس کی اب تک تعداد متعین نہیں ہوسکی ہے۔ اہلِ زبان وقلم بتاتے ہیں کہ حضرت امام بخاری قدس سرہٗ کے بعد ان سے بڑا ذہین وفطین انسان اب تک پیدا نہیں ہوا ہے۔

حضرت مولانا محمد ملک الظفر صاحب دین وشریعت کا اعلیٰ شعور رکھتے ہیں۔ حدیث

پاک ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے جس بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین میں فقیہہ بنا دیتا ہے۔ ان کے جدامجد کا بھی فقہائے زمانہ میں شمار ہوتا تھا۔ فہم دین کے زیور سے ان کی ذات مزین تھی۔ اور درد دِین بھی ان کے چہرے سے چھلکتا تھا۔ آپ کے والد ماجد بھی دینی فہم وفراست کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ فہم دین و ذوق دین دونوں کا اللہ تبارک و تعالیٰ کی اعلیٰ نعمتوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ دونوں نعمتیں اس کو ملتی ہیں جس پہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی خصوصی رحمتیں ہوتی ہیں۔ فہم دین وشریعت ہی کے باعث آپ کا خانوادہ برسوں سے خطے میں مرکز توجہ بنا ہوا ہے۔ سہسرام میں اور بھی خانوادے تھے جن کے حصے میں علم وادب کی نمائندگی آئی تھی، آج ان کے آثار تو ملتے ہیں نمائندگی نہیں ملتی۔ نعمت کی قدر ضروری ہے نا قدری سے نعمت رخصت ہو جاتی ہے۔ لیکن آپ کے جدامجد نے رشد و ہدایت کی جو مسند بچھائی تھی وہ آج بھی آراستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنوبی بہار کے مسائل آج بھی آپ ہی سے رجوع ہوتے ہیں۔ پورا جنوبی بہار آپ کا ہم خیال و ہم آواز ہے۔ حالاتِ زمانہ کے تحت مزاج ومنہاج بدلتے ہیں، جذبوں کی شدت میں کمی آتی ہے اور معمولات ومراسم کی ادائیگی میں ضعف آتا ہے لیکن افکار ونظریات میں تبدیلی نہیں آتی۔ اگر بروقت رہنمائی مل جاتی ہے تو دلوں سے ہر طرح کے غبار نکل جاتے ہیں۔ آپ کی قومی مسائل پہ گہری نظر ہے۔ وقتاً فوقتاً آپ کی جانب سے ہدایات بھی جاری ہوتی رہتی ہیں۔ فلاحِ دین وشریعت کے لیے آپ ہر طوفان سے گذر جانے کا حوصلہ رکھتے ہیں، اور قوم کو اس کا احساس بھی ہے۔ دنیاداری آپ کے منشورِ حیات میں دور دور تک نظر نہیں آتی۔ آپ کے سینے میں جو ملی درد پلتا ہے اس درد کے حامل علماء ہر خطے میں پیدا ہو جائیں تو مذہبی اور مسلکی آزاد خیالی کو کہیں بھی قدم جمانے کا موقع نہیں ملے گا۔ ہر قوم اپنے مقتدا کے زیر اثر ہوتی ہے، جب مقتدا کی نیت میں فساد پیدا ہوتا ہے تو مقتدی کی صفیں منتشر ہو جاتی ہیں۔

حضرت مولانا مفتی ملک الظفر صاحب سلیم الفہم بھی ہیں اور کثیر الفن بھی ہیں۔ آپ چار دہائیوں سے مسند ارشاد و ہدایت پہ جلوہ افروز ہیں۔ خانقاہی ہوتے ہوئے بھی خانقاہی

مزاج نہیں رکھتے۔

چونکہ عصر حاضر میں خانقاہوں کے رول سے وہ مطمئن نہیں ہیں۔آپ کے والد ماجد فخر بہار حضرت علامہ محمد میاں کامل سہسرامی قدس سرہٗ کا بھی یہی مزاج تھا۔انہوں نے دیکھا کہ خانقاہوں سے ملی اقدار کی حفاظت نہیں ہورہی ہے۔اگر درس گاہیں محفوظ ہیں تو خانقاہوں کی حرمت کو کوئی پامال نہیں کرسکتا، خانقاہوں سے بہرحال دین وشریعت کو توانائی ملی ہے۔ اسلامی اقدار کے فروغ میں صوفیاء کے کلیدی رول سے انکار بہت مشکل ہے۔اگر حضرت خواجہ غریب نواز نہ ہوتے تو ہندوستان میں اسلام کو قطعی فروغ نہ ملتا۔یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے خانقاہی نظام کی بحالی میں سرفروشانہ رول ادا کیا لیکن آج خانقاہیں اعلیٰ حضرت کے خلاف متحد ہورہی ہیں۔جب تک برصغیر میں اعلیٰ حضرت کی فکر زندہ ہے، دین کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔خطرات موجودہ خانقاہوں سے بڑھ رہے ہیں۔خانقاہوں کا رول ماضی میں تھا، حال بہرحال بےحال ہے۔موجودہ خانقاہی مزاج پہ آپ احتجاج کرتے رہے ہیں۔اس حوالے سے اخبار ورسائل میں آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں اور آج بھی کثرت سے ہورہے ہیں۔ملی مفادات سے متعلق وہ ہر سوال کا بروقت جواب دیتے ہیں۔ایسے حالات میں کہ پوری جماعت پہ شہر خموشاں جیسا سکوت طاری ہے۔نذر ونیاز میں پوری جماعتی برادری الجھی ہوئی ہے۔قیامتیں دہلیز پہ دستک دے رہی ہیں۔مسلمانوں سے ان کے جینے کے حقوق چھینے جارہے ہیں اور انھیں ملک میں دوسرے درجے کا شہری ثابت کرنے کے لیے ہمارا حریف آسمان سر پہ اٹھائے ہوا ہے۔پھر بھی نام نہاد قیادت کی پیشانی شکن آلود نہیں ہوتی۔ایسے نازک اور پُرخطر حالات میں آپ کا دینی، ملی، مسلکی اور سیاسی قد بہت نمایاں ہوجاتا ہے۔جو لوگ وقت کے بڑھتے ہوئے خطرات سے ہر وقت خوف زدہ رہتے ہیں، ان کے لیے آپ کی ذات امید کی کرن بن جاتی ہے۔آپ نے ہر اس راہ کو چھوڑ دیا جس راہ سے گھر میں دنیا کے داخل ہونے کا گمان گذرا۔ اسے فیضانِ نظر کا نام دیا جاسکتا ہے یا مکتب کی کرامت کا۔اخبارات ورسائل میں آپ کے

جومضامین شائع ہوتے ہیں کچھ مضامین کی ذیل میں ایک مختصر فہرست ملاحظہ کریں۔

درودِتاج پہ اعتراضات اوران کا جواب

دعوت وتبلیغ کا صوفیانہ اسلوب

نعت کی تخلیقی سچائیاں

میں نے اسلام کیوں قبول کیا

فقہ حنفی پہ غیر مقلدوں کے اعتراضات کا ایک تنقیدی جائزہ

ہسپانیہ پہ کیوں نہیں حق اہلِ عرب کا

بریلوی ہمارا نشانِ امتیاز ہے

ایک ملک میں دوعیدیں کیوں؟

لہولہوارضِ فلسطین

مسجد گیان واپی پس منظر پیش منظر

چین سے آکر ہندوستان کرونا ہوا مسلمان

مذہبی مقامات کی دستوری حیثیت

کیوں دیتے ہوالزام میرے دیدۂ نم کو

ملنے کونہیں نایاب ہیں ہم

فروغ اردوزبان: مسائل اورامکانات

کعبہ کس منھ سے جاؤ گے غالب

قومی انتخابات میں علماء کا کردار

حرم کی زمیں اورقدم رکھ کے چلنا

آج اہلِ خانقاہ کی نئی نسل تعلیم سے دور کیوں؟

کیا اسلام کا عائلی قانون عورتوں کے حقوق کی مکمل نگہداشت نہیں کرتا؟

شریعت کے باب میں امارتِ شرعیہ کی مطلق العنانی

طلاقِ ثلاثہ اور مسلم پرسنل لاء بورڈ

اسلامی جہاد اور مخالفین کے پروپیگنڈے

جماعت وہابیہ کا تاریخی جائزہ

یہاں تو کام بن جائے گا کچھ شکل ریائی سے

(ا) جمہوریت مذہبی منافرت اور مسلمانوں کی سیاسی طاقت کے عنوان سے لکھتے ہیں:

حضرت مولانا مفتی ملک الظفر صاحب کی ذات ملی درد سے عبارت ہے۔ اسلامی مزاج ومنہاج کے خلاف جب بھی کوئی تحریک سامنے آئی ہے یا کوئی سوال اٹھتا ہے تو آپ تحریک کا تعاقب کرتے ہیں اور اس کے اٹھائے گئے سوالات کا انتہائی جرأت و بے باکی سے جوابات دیتے ہیں۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ سائل کون ہے اور اس کی علمی، سماجی اور سیاسی طاقت کتنی ہے۔ یا وہ کس معیار کا ہے۔ مصلحین امت کی اکثریت خود کو کسی الجھن میں گرفتار کرنا نہیں چاہتی۔ انھیں قوم وملّت کی فکر نہیں ہوتی۔ انھیں ہر وقت اپنی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ یہ تلخ حقیقت ہے آج لوگ اپنے مفاد کے لیے ہر طبقے سے اپنے روابط ومراسم بنائے رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ ذہنیت دینی مطالبات کے منافی ہے۔ اسلام تصلب وتشخص چاہتا ہے مداہنت کو وہ قطعی پسند نہیں کرتا۔ زندگی وہی ہے جو دین وشریعت کے وقار واعتبار کے لیے قربان ہو جائے۔ حضرت مولانا مفتی ملک الظفر صاحب قوم کیا ہے اور قوموں کی امامت کیا ہے؟ وہ اس سلسلے کے عارف ہیں۔ وہ اسلامی آفاقیت کے چہرے پہ کسی طرح کی دھول دیکھنا نہیں چاہتے۔ وہ کہتے ہیں کہ زندگی زندہ دلی کا نام ہے جو لوگ مردہ دل ہیں ان کا مرجانا جینے سے بہتر ہے۔ مذہب وملّت کے لیے ان کے جو جذبات واحساسات ہیں اس میں بڑی صداقت ہے۔ عصر حاضر میں ایسے علماء کی شدید قلّت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینی غیرت و حمیت زوال آمادہ ہے۔ اس وقت ملک کی آب وہوا میں مسلم دشمنی کا زہر بھرا ہوا ہے۔ جو لوگ اقتدار پہ قابض ہیں مسلمانوں کا وجود ان کی آنکھوں میں خار بن کر چبھتا ہے۔ وہ اپنی زبانوں سے ہر وقت مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتے ہیں، ان کی زہر افشانی سے مسلمانوں کا

وزن بھی سمجھ میں آتا ہے۔ اگر مسلم قیادت ہوتی تو ایسے حالات پیدا نہ ہوتے۔ مسلمان ملک کی غالب اقلیت ہے اسے حاشیے سے ہٹانا لوہے کا چنا چبانے کے مترادف ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو اپنی آواز اور اپنے انداز کو موثر بنانے کی ضرورت ہے۔ یہ وقت کا فطری تقاضا ہے۔ اگر منصوبہ بندی میں تاخیر ہوئی تو نتائج انتہائی بھیانک ہوں گے۔ حضرت مولانا ملک الظفر صاحب کی تحریرات سے ان کا مذہبی درد چھلکتا ہے۔ ذیل میں اہم مضامین کی چند سطریں ملاحظہ کریں جو حالات، وقت اور تقاضے کے تحت اخبارات کی زینت بنے ہیں۔

(ا) ہندوستانی جمہوریت آج ایک نازک موڑ پہ کھڑی ہے۔ جہاں مختلف سیاسی اور سماجی عوامل ملک کے سیکولر اور جمہوری ڈھانچے پر بری طرح اثر انداز ہو رہے ہیں۔ ایک خاص طبقے کے خلاف نفرت اور تعصب کو ہوا دی جا رہی ہے اور اس کے اثرات واضح طور پر نظر آرہے ہیں۔

ہندوستانی جمہوریت میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً ۲۰/ ۲۵/ فیصد ہے لیکن اس کی سیاسی طاقت منتشر ہونے کی وجہ سے غیر موثر نظر آتی ہے۔

طاقت کا ادراک کرنے اور منظم ہونے کی اشد ضرورت ہے۔ اگر وہ اپنے ووٹوں کا استعمال مضبوط حکمت عملی سے کریں اور اپنے نمائندے اسمبلی اور پارلیمنٹ میں بھیجیں تو کسی بھی حکومت کے لیے ان کے حقوق کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہوگا۔

ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے جہاں ووٹ کی طاقت سب سے بڑی طاقت ہے۔ ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے دینی، سماجی اور تعلیمی اداروں کو سیاسی شعور سے ہم آہنگ کریں اور اپنی برادری کے اندر سیاسی بیداری پیدا کریں۔ جب تک ہم خود اپنی سیاسی قیادت پیدا نہیں کریں گے تب تک دوسروں کے رحم و کرم پر ہی ہم رہیں گے۔

اگر ہندوستانی مسلمان اپنی سیاسی حکمت عملی کو منظم کریں اور اپنی متحدہ قوت کو تسلیم کروائیں تو نہ صرف اپنے حقوق کی حفاظت کر سکیں گے بلکہ ملک کی سیاست میں ایک مضبوط اور پائیدار کردار بھی ادا کر سکیں گے۔ یہ ایک تاریخی لمحہ ہے۔

وقف ترمیمی بل، مذہبی آزادی اور شرعی اقدار پہ حملہ کے تحت لکھتے ہیں:

ہندوستانی جمہوریت کا دعویٰ ہے کہ یہاں ہر مذہب، ہر طبقے اور ہر قوم کو برابری کا حق حاصل ہے۔لیکن گذشتہ چند برسوں میں جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ ہوااور ہو رہا ہے وہ صرف اقلیت کی حیثیت سے ہمارے وجود پہ حملہ نہیں بلکہ ہمارے دینی،تہذیبی اور تاریخی شعائر کو مٹانے کی ایک منظم اور منصوبہ بند کوشش ہے۔حالیہ دنوں میں ''وقف ترمیمی بل'' جس انداز میں دونوں ایوانوں میں پیش کیا گیا اور پھر بعض نام نہاد سیکولر پارٹیوں کے تعاون سے اسے پاس بھی کرادیا گیا وہ یہ حقیقت عیاں اور بیاں کر گیا کہ ہمارے تحفظ کے دعوے دار خود ہماری جڑیں کاٹنے میں شریک ہیں۔ یہ بل درحقیقت وقف جائیدادوں پہ گورنمنٹ تصرف کی نئی راہیں ہموار کرتا ہے۔وقف کی روح اس کا اسلامی پس منظر اور اس کا مقصد (اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قوم وملّت کی فلاح و بہبود) اس ترمیمی بل کی زد پہ ہے۔وقف ترمیمی بل ملی اتحاد اور عملی جدوجہد کا وقت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

آج کا یہ خطبہ ایک نہایت اہم موضوع پہ ہے جس کا تعلق ہماری دینی وملی شناخت، ہماری آزادی اور ہماری خودمختاری سے ہے۔میں وقف ترمیمی بل کے نقصانات اور اپنی ذمہ داریوں پہ آپ کی توجہ مرکوز کرنا چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ اس نے ہمیں وقف جیسا عظیم تحفہ عطا فرمایا۔ یہ نظام نہ صرف دین کی حفاظت کا ذریعہ ہے بلکہ ملّت کی سماجی،تعلیمی اور معاشرتی بہبود کا بھی ضامن ہے۔لیکن افسوس! کہ آج اس نظام پہ حملہ ہو رہا ہے،خطرات کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ وقف ترمیمی بل، درحقیقت ملّت کی بنیادوں کو کمزور کرنے کی ایک منصوبہ بند کوشش ہے۔

بل کے اثرات (۱) وقف املاک حکومت کے زیر تسلط آئیں گی۔جس کا مطلب ہے ملّت کا ان پہ اختیار ختم ہو جائے گا۔(۲) وقف منتظمین کو حکومت کی نگرانی میں لایا جائے گا۔ جس سے ان کی آزادی متاثر ہو گی۔(۳) مدارس، مساجد، خانقاہیں اور فلاحی اداروں کی خودمختاری ختم ہو جائے گی اور ان کی خدمات محدود ہو جائیں گی۔

ہمارا ردعمل! میرے بھائیو اور بزرگو! اس نازک وقت میں ہمیں متحد ہو کر اس قانون

کے خلاف جدو جہد کرنی ہوگی۔ یہ وقت خاموش رہنے کا نہیں بلکہ عملی اقدام اٹھانے کا ہے۔

آئینی جدو جہد! منتخب نمائندوں سے وفد بنا کر ملاقات کریں، اور اپنے خدشات ان کے سامنے رکھیں، عدالت سے رجوع کریں تا کہ اس بل کے آئینی پہلوؤں کو چیلنج کیا جا سکے۔

(۲) عوامی بیداری مہم! وقف کی اہمیت سے عوام کو آگاہ کریں، اجتماعات اور جلسے منعقد کریں تا کہ اس بل کی زہریلی حقیقت ہر فرد تک پہنچے۔

ملی اتحاد! تمام مسالک اور تنظیموں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کریں، ملی مسائل پہ سیاست سے بالاتر ہو کر اتحاد کا مظاہرہ کریں۔ (۴) میڈیا اور سوشل میڈیا! میڈیا کو اپنا پیغام پہنچائیں اور اپنی آواز کو بلند کریں۔ سوشل میڈیا پہ اس کے خلاف باقاعدہ تحریک کا حصہ بنیں۔

اس طرح کے ان کے بیانات اور خیالات اس کثرت سے ہیں کہ اگر انھیں ترتیب دیا جائے تو ایک جامع اور معلوماتی کتاب سے علمی دنیا مستنیر ہو سکتی ہے۔

حضرت مولانا ملک الظفر صاحب جماعت اہلسنّت کا فخر ہیں اور ہمیں اس فخر کی قدر کرنی چاہیے۔ انہوں نے اپنی زندگی کو ہر جہت سے بامعنی انداز میں استعمال کیا ہے۔ ان کی کتابِ حیات میں کوئی لفظ ایسا نہیں ملتا جو ملی مفادات کے منافی ہو۔ مصلحین امت کے لیے اصول متعین ہیں، انہوں نے کسی اصول کو اپنے کسی عمل سے کبھی داغدار ہونے نہیں دیا۔ دین و شریعت سے وفاداری ان کے خون میں شامل ہے۔ ہم لوگ ذاتی مفادات کے لیے بہت کچھ کر جاتے ہیں، کرتے وقت شریعت کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ پہلے شریعت دیکھتے ہیں، جب تک شریعت اجازت نہیں دیتی سانس لینا بھی قبول نہیں کرتے۔ ہم بہت دنوں سے ان کی خلوت وجلوت دیکھتے آرہے ہیں، ان کی خلوت ذکر وفکر سے عبارت ہے۔ خلوت میں بھی حدودِ شریعت پل بھر کے لیے ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوئیں۔ کتابوں میں عالم ربانی کی خصوصیات بتائی گئی ہیں، آپ ان کو قریب سے دیکھیں گے تو وہ ساری خصوصیات آپ کے سامنے آئینہ ہو جائیں گی۔ انہوں نے کئی بار حج و عمرہ کی سعادتیں اور ساعتیں حاصل کی ہیں۔ وہاں اصولوں کی رعایت میں حجاجِ کرام و

زائرین حرمین شریفین کو دقتوں اور دشواریوں کا سامنا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ بہت دنوں سے حجاجِ کرام کے لیے کسی ایسی کتاب کی ترتیب پہ غور کر رہے تھے جو قدم قدم پر حجاجِ کرام کو ارکانِ حج کی ادائیگی میں اطمینان بخش سہولت فراہم کرے۔ چونکہ حج بار بار کچھ بہت آسان نہیں ہے۔ اس میں خطیر رقم اور خطیر وقت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ سہولت سب کو میسر نہیں ہوتی۔ غلطی ہو جائے اور اس کا عرفان نہ ہو سکے ایسی صورت میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔

رہنمائے حج وزیارات کے نام پر بکثرت کتابیں مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔ زیر نظر کتاب ''رہنمائے حج وزیارات'' ان کتابوں سے قدرے مختلف ہے۔ اس میں بنیادی مسائل پہ گفتگو کی گئی ہے۔ قاری کو غیر ضروری مباحث میں الجھانے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ حج کے ارکان کیا ہیں، ان کی ادائیگی کی آسان صورتیں کیا ہیں، مقدس مقامات کی دعائیں کیا ہیں اور ان کی قرأت کے طریقے کیا ہیں، ہجوم، قلت وقت کی صورت میں دعائیں نہیں پڑھی جاتی ہیں تو دعاؤں کا بدل کیا ہے، یہ کتاب اپنے موضوع پہ انتہائی مختصر اور جامع ہے۔ اگر یہ کتاب ساتھ میں ہوتی ہے تو خطا اور لغزش کا امکان کم سے کم ہو سکتا ہے۔ سفر حج سے قبل بار بار کے مطالعے سے مسائل ذہن میں محفوظ ہو جائیں گے۔ ایسی صورت میں مقاماتِ مقدسہ پہ حاضری سے قبل ایک بار کا دیکھنا کافی ہوگا۔ یہ کتاب حجاجِ کرام کے لیے ایک انتہائی شفیق معلم کا کردار ادا کرے گی۔ قانون کی زبان انتہائی کھری ہوتی ہے، پھر بھی کتاب میں جگہ جگہ صاحب کتاب کی زبان کی لطافتیں قاری کو عشق وعرفاں کی جنوں خیز دنیا میں پہنچا دیتی ہیں۔ ذیل میں کچھ نظیریں ملاحظہ کریں۔

اس کی (کعبہ) قدامت کے سامنے تاریخ کے سارے پیمانے ناقص نظر آتے ہیں۔ کون ہے جو اندازہ کر کے بتا سکے اس طویل اور بے حساب مدت میں اس چشمِ فلک نے کتنے انقلابات دیکھے، کتنے عبادت خانے بنے اور بگڑے، کتنے مندر تعمیر ہوئے اور کھنڈر میں تبدیل ہو گئے، کتنے گرجے آباد ہوئے اور اجڑ گئے، بلندیاں پستیوں میں تبدیل ہوئیں، مصر مٹا، یونان مٹا، روما مٹا، ہندوستان مٹا، چین مٹا، بابل مٹا، خدا معلوم کتنے ابھرے اور ابھر کر

مٹ گئے لیکن عرب کے ریگستان میں، چٹانوں اور پہاڑوں کے درمیان یہ چوکور گھر جسے نہ تو کسی انجینئر نے بنایا، نہ کسی مہندس کی مرہونِ منت اس کی تعمیر ہے۔ جوں کا توں کھڑا دعوتِ نظارہ دے رہا ہے۔ عارف رومی نے بہت پتے کی بات کہی ہے۔ کعبہ کی عزتوں اور فضیلتوں میں تم جو ہر لحظہ ترقی و برتری دیکھتے ہو، یہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلوص اور صدقِ نیت کا ثمرہ ہے۔ حضرت دوسری جگہ رقم طراز ہیں۔

ہوائی جہاز کا سفر مکمل ہوا، اب آپ جدہ ایئر پورٹ پر پہنچ گئے۔ اس مقدس سرزمین پر قدم رکھتے ہی آپ بارگاہِ خداوندی میں شکرادا فرمائیں کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے نواز کر آپ کو اس مقدس سرزمین کی زیارت کا شرف عطا فرمادیا۔ جہاں سے اسلام کا آفتاب طلوع ہوا، جس مقدس سرزمین کے خوش بخت ذروں نے اس خاکدانِ گیتی کی سب سے افضل ترین ہستی کے قدمِ مبارک کو بوسے دینے کا شرف حاصل کیا، جس کی خوش نصیب فضاؤں میں اس پاک ہستی کے جسمِ اقدس کی خوشبوئیں رچی بسی ہیں، جو وجہ تخلیق کائنات ہے۔ حضرت تیسری جگہ رقم طراز ہیں۔

اب کاروانِ شوق اور قافلۂ محبت اس مقدس دیار کی جانب کوچ کرنے کے لیے تیار ہے جس کی خاک رہگذر بھی عقیدتوں کی کہکشاں ہے۔ اب اندازِ جنوں خیز دیوانگی کی حدوں سے باہر نکلیے اور فرزانگی کی دہلیز پہ قدم رکھنے کا حکم دیجیے کہ یہ محبوبِ خدا کی بارگاہِ ناز ہے، جہاں سید الملائکہ حضرت سیدنا جبرئیل علیہ السلام دست بستہ حاضر رہا کرتے تھے، جہاں فرشتوں کا قافلہ صبح وشام جاروب کشی کے لیے حاضر رہتا ہے۔ یہ وہ حریم ناز ہے جہاں سے شفاعت کا مژدہ اور مغفرت کی تسکین ملتی ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر ۔ نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت خوش بخت مسلمان کی تو دیرینہ تمنا اور آرزو ہے۔ یہی حاضری تو ایمان کی جان اور روح کا قرار ہے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب اور ضروری ہوگئی۔ حضرت نے کتاب میں گفتگو کا آغاز کچھ اس طرح کیا ہے:

سرورِ کائنات حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس پاک شریعت، دائمی قانون اور ہمہ گیر دین کا تکمیلی صحیفہ لے کر اس عالمِ رنگ و بو میں تشریف لائے وہ دین و دنیا کا ایک ایسا نگار خانہ اور حکمتوں، مصلحتوں کا ایسا بے غبار آئینہ ہے جس میں فطرت کا جمال اور خرد کی رعنائی اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ انگڑائی لیتی نظر آتی ہے۔ اسلام کی تمام عبادتوں میں جہاں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی کارفرمائیاں ہیں وہیں سازِ فطرت کی نغمہ سرائیاں بھی۔

حج بھی ایک ایسی ہی عبادت ہے جو اپنے گرد و پیش اور احکام و شرائط کی روشنی میں عشق و ایمان کا ایسا سدا بہار چمن ہے جس میں ایک مرتبہ پہنچنے کے بعد ہر زائر اس کی خوشبوئے معنبر سے سرشار اور زندگی بھر اس کی عطر بیزی سے معطر رہتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی ملک الظفر صاحب کی ذات شریعت و طریقت کا بے غبار آئینہ ہے۔ ان کے اقوال و افعال سے شریعت دوستی کی خوشبو پھوٹتی ہے۔ ریا اور فریب سے ان کو سخت نفرت ہے۔ اور ان لوگوں سے بھی نفرت ہے جو دین کے پردے میں حصولِ دنیا میں مصروف ہیں۔ آپ دینی محافل و مجالس میں شریک ہوتے ہیں لیکن نذر و نیاز کی دل میں کوئی تمنا نہیں ہوتی۔ دار العلوم خیریہ نظامیہ کی ساری ذمہ داریاں بحسن و خوبی انجام دیتے ہیں لیکن بدلِ خدمت کے نام پہ کچھ نہیں لیتے۔ عصر حاضر میں اس کی مثال نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ آپ کی ذات عوام ہی کے لیے نہیں بلکہ علماء کے لیے لائق تقلید ہے۔ آپ کی بہت ساری خصوصیات کا تذکرہ یہاں قصداً نہیں کیا گیا ہے۔ آپ کے مقالات کا مجموعہ تین جلدوں میں ''فکر و نظر کے چراغ'' کے نام سے بہت جلد منظر عام پر آنے والا ہے، ہم وہاں آپ کا ایک جامع اور تفصیلی تعارف پیش کریں گے ان شاء اللہ۔

زیر نظر کتاب ''رہنمائے حج و زیارات'' اپنے موضوع پہ ایک جامع کتاب ہے۔ حضرت کے خلوص اور للّٰہیت سے ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب اہلِ علم اور اہلِ ضرورت میں خاطر خواہ پذیرائی حاصل کرے گی۔ رب کائنات صاحب کتاب کے علم، عمل اور عمر میں برکتیں عطا فرمائے۔ اور ان کو دین و شریعت کی خوب سے خوب تر خدمت کی توفیق بخشے آمین۔

عازمین حج وزیارت کے لیے خاص ہدایات

تمام عازمین کے لیے کووڈ ویکسین کا دونوں ڈوز لینا ضروری ہے۔

بیس بیس کلو کی کیپیسیٹی کے دوسوٹ کیس۔ سوٹ کیس میں ٹیگنگ اسٹیکر ضروری ہے۔

سات کلو کا ایک کیبن بیگ۔

ہینڈ بیگ میں ضروری اشیاء:

ضروری دوائیں، تھوڑا کھانے کا سامان، پانی کی بوتل، ایک جوڑی چپل، اکسٹرا چشمہ، جائے نماز، مسواک، قلم، ٹوپی، تسبیح، پاور بینک، موبائل چارجر، پاسپورٹ، ویزا، کووڈ ویکسین سرٹیفکیٹ، کچھ سعودی ریال، میڈیکل ڈائری۔

ہینڈ بیگ میں ممنوع چیزوں کی فہرست:

لوشن، کریم، چاقو بلیڈ، ریزر، فلش لائٹ، ٹورچ، سوئی، فولڈنگ چھاتا، قینچی، ماچس، سگریٹ، لائٹر، رسی، ٹیپ، نیل کٹر، تیل، خشک اچار، مصالحجات، پسٹ، گٹکا، سگریٹ، بیڑی، تمباکو وغیرہ۔

ممنوع اشیاء:

ماچس، سگریٹ، لائٹر، اسٹوو، کروسین، کوئلہ، تیل، شہد، اچار، خشخاش، گٹکے، سگریٹ، بیڑی، تمباکو تمام نشہ آور چیزیں وغیرہ اور زیادہ مقدار میں کوئی بھی سامان۔

دو سالوں سے سعودی ریال حج کمیٹی کی جانب سے نہیں مل رہے ہیں لہٰذا کم از کم پندرہ

سوسعودی ریال فی کس رکھ لیں۔ ریال لینے کے لئے ضروری کاغذات پاسپورٹ، حج انٹی میشن لیٹر اور پین کارڈ کی دو سلف اٹیسٹیڈ فوٹو کاپی۔

حج ہاؤس پہ رپورٹنگ: رقم جمع کرنے کی رسیدیں اور حج انٹی میشن لیٹر ساتھ لے کر جائیں رپورٹنگ کے وقت حج ہاؤس سے آپ کو اوریجنل پاسپورٹ، ای ویزا، فلائٹ کا ٹکٹ، بورڈنگ پاس، بیگ، آئی کارڈ، بریسلٹ، دیے جائیں گے۔تمام کاغذات کی تین تین فوٹو کاپیاں کرا لیں دو سیٹ اپنے ہینڈ بیگ میں رکھ لیں اور ایک سیٹ گھر میں کسی ذمہ دار شخص کے سپرد کردیں۔

گروپ میں کم از کم ایک شخص اپنے موبائل میں انٹرنیشنل رومنگ کرالیں تو بہتر ہوگا۔ ائیر پورٹ پہ تمام ضروریات سے فارغ ہوکر باوضو ہوجائیں۔ ایئر پورٹ پہ لگیج لے لیا جائے گا ہینڈ بیگ آپ کے ساتھ رہے گا۔ ہوائی جہاز میں پانی کا استعمال کم سے کم کریں۔ مدینہ شریف ائیر پورٹ پہ پہنچنے کے بعد امیگریشن کا مرحلہ طے ہونے کے بعد سب سے پہلے میڈیکل ڈائری دیکھی جائے گی۔ بس میں بیٹھنے کے بعد پاسپورٹ لے لیا جائے گا ایک کارڈ آپ کو دیا جائے گا۔ لگیج تقریباً چار پانچ گھنٹے بعد ہوٹل آئے گا اسے آپ کو خود تلاش کرنا ہوگا۔ ہوٹل کے ریسپشن پہ وائی فائی کا پاس ورڈ لکھا ہوا ہوتا ہے اسے نوٹ کرلیں اور وائی فائی سے اپنا موبائل کنکٹ کرلیں آپ اس سے ہر جگہ فری بات کرسکتے ہیں آپ اس کیلئے پہلے سے ہی IMO ڈاؤن لوڈ کرلیں۔

نئی چپل کا استعمال نہ کریں غیر حالت احرام میں جوتے یا موزوں کا استعمال کریں ایڑیاں پھٹنے پہ پٹرولیم جیلی استعمال کریں۔ عرب شریف میں ماہ مئی و جون میں شدت کی گرمی رہتی ہے دھوپ میں چھاتے اور سن گلاسز کا استعمال کریں۔ صحت و تندرستی کا خاص خیال رکھیں اپنے آپ کو ضرورت سے زیادہ نہ تھکا دیں کیوں کہ ابھی آپ کو ارکان حج کی ادائیگی کرنی ہے۔ دھوپ سے آنے کے بعد ٹھنڈا پانی نہ استعمال کریں آب زمزم شریف کے لیے اپنے پاس بوتل رکھیں۔ ٹیکسی میں سوار ہونے کے وقت پہلے مرد حضرات بیٹھیں خواتین بعد میں اترنے کے وقت پہلے خواتین اتریں مرد حضرات بعد میں۔

روضۃ الجنہ میں خواتین کی حاضری صبح 6 بجے سے گیارہ بجے دن تک اور جمعہ کے دن صبح 6 بجے سے 9 بجے دن تک اور رات میں ساڑھے نو بجے سے بارہ بجے تک۔

مرد حضرات کے لیے بعد نماز ظہر سے مغرب تک اور بارہ بجے رات سے فجر تک۔

مدینہ شریف سے روانگی: ایک دن قبل آپ کا لگیج مکہ شریف پہنچا دیا جائے گا ہینڈ بیگ جس میں اکسٹرا احرام، ضروری چیزیں اور کچھ کھانے پینے کا سامان اپنے ساتھ رکھیں۔

مدینہ شریف سے مکۃ المکرمہ کے لیے سفر کی صورت میں ذوالحلیفہ میقات ہے آپ وہاں سے حالت احرام میں آجائیں۔ مکۃ المکرمہ میں آپ کو آپ کے ہوٹل میں بذریعۂ بس پہنچا دیا جائے گا آپ کا لگیج آپ کے فلور پہ مل جائے گا۔

بس کے ذریعے آپ حرم شریف پہنچیں۔ آپ کی رہائش گاہ کے پاس جو بس ملے گی اس سے آپ عزیزیہ بس اسٹینڈ پہنچیں گے وہاں سے ایک کومن بس سرنگ کے راستے حرم شریف تک پہنچائے گی۔

عمرے کے ارکان سے فارغ ہونے کے بعد ایک نمبر گیٹ کے سامنے تین نمبر حمام TOILET سے قریب کلاک ٹاور کے نیچے حلاقہ (SALOON) ہے وہاں آپ حلق کرائیں۔

رہائش گاہ پہ واپسی کیلئے کومن بس سرنگ کے راستے سے ٹین شیڈ کے نیچے عزیزیہ بس اسٹینڈ پہ ہندستان کی بسوں کے پاس چھوڑ دیگی اس سے آپ اپنی رہائش گاہ پہنچیں۔ آپ اپنے کارڈ پہ دیے ہوئے نمبر کی بس پہ ہی بیٹھیں۔

گری ہوئی کوئی بھی چیز مثلاً موبائل فون پرس وغیرہ نہ اٹھائیں ورنہ چوری کے الزام میں گرفتار ہو جائیں گے۔

مکہ شریف نہ چھوڑیں جیسے جدہ، طائف یا مدینہ شریف نہ جائیں دوبارہ داخلہ مشکل ہو جائے گا۔

منیٰ روانہ ہونے سے پہلے خیمے کے کارڈ، میٹرو کارڈ اور قربانی کے کوپن دیے جائیں گے جن حاجیوں کو وہیل چیئر چاہیے وہ خادم الحجاج سے رابطہ قائم کریں۔

منیٰ روانہ ہونے سے پہلے گروپ بنالیں اکیلے نہیں رہیں۔

۷/ذوالحجہ کی شام سے ہی معلم کے نمائندے عازمین کو منیٰ بھیجنا شروع کر دیتے ہیں۔اپنی رہائش گاہ پہ حج کا احرام باندھیں اور نیت کر لیں۔منیٰ میں خیمے یکساں ہیں آپ کے خیمے میں نصب ٹاور پہ خیمہ نمبر اور روڈ نمبر رہتا ہے اوپر والا نمبر خیمے کا اور نیچے والا روڈ کا ہے اسے نوٹ کر لیں۔

۷/ذوالحجہ کی رات اور آٹھ کا دن منیٰ میں گذاریں اور معلم کی جانب سے ملنے والی ہدایت کا انتظار کریں۔ہوسکتا ہے آٹھ ذوالحجہ کی شام سے ہی وہ حاجیوں کو عرفات بھیجنا شروع کر دیں۔میٹرو ٹرین اور بسوں کے ذریعے آپ عرفات پہنچیں گے آٹھ ذوالحجہ کی رات کو عرفات میں قیام کریں نو ذوالحجہ کا دن عرفات میں گذاریں گے۔خیمہ چھوڑ کر آپ نہ جائیں۔ آفتاب ڈوب جانے کے بعد مزدلفہ کے لیے روانہ ہوں ساتھ میں پینے کا پانی ضرور رکھیں۔ مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ ادا کریں۔دس ذوالحجہ نماز فجر کے بعد مزدلفہ سے منیٰ کے لیے روانہ ہوں گے۔منیٰ پہنچ کر خیمے میں اپنی ضروریات سے فارغ ہوکر بڑے شیطان یعنی جمرۃ العقبہ کو کنکری مارنے جائیں گے۔قربانی کے بعد سر منڈائیں گے اور احرام کھول کر عام لباس پہن لیں گے۔ممکن ہو تو آج طواف زیارت کریں۔

۱۱/ذوالحجہ اگر طواف زیارت نہیں کیا ہو تو طواف زیارت کریں گے ظہر کے وقت سے تینوں شیطانوں کو کنکریاں ماریں گے۔

۱۲/ذوالحجہ طواف زیارت نہیں کیا ہو تو طواف زیارت کریں گے ظہر کے وقت سے تینوں شیطانوں کو کنکریاں ماریں گے۔آج تینوں شیطانوں کو کنکریاں مار کر منیٰ سے اپنی رہائش گاہ کے لیے بذریعۂ بس روانہ ہوں گے۔

۱۳/ذوالحجہ کچھ حاجیوں کو حکومت تیرہ ذوالحجہ تک روک لیتی ہے انہیں تیرہ ذوالحجہ کو بھی تینوں شیطانوں کو کنکریاں مارنی ہوں گی۔

باقی بچے دنوں میں آپ حرم شریف جائیں طواف کریں،زیارات کریں عمرہ کریں۔

عزیزیہ رہائش گاہ پہ بیس پچیس حاجیوں پہ ایک کچن ہوگا۔یہاں بھی ریسپشن پہ وائی فائی کا پاس ورڈ ہوتا ہے اسے آپ نوٹ کر لیں اور اس سے موبائل کنکٹ کر لیں۔رہائش گاہ سے

قریب ہی سپر مارکیٹ ہوتا ہے وہاں تقریباً ضروریات کی تمام چیزیں مل جاتی ہیں جیسے دودھ پھل سبزی کرانہ وغیرہ اس سے قریب ہی انڈین ڈسپنسری ہوتی اس کے لئے آپ خادم الحجاج سے پوچھیں۔

وطن کے لیے روانگی:

تقریباً اڑتالیس گھنٹے پہلے آپ کا لگیج لے لیا جائے گا دوسوٹ کیس ایک ہینڈ بیگ۔ ہینڈ بیگ آپ کے ساتھ رہے گا اس میں دو دنوں کے حساب سے ضروری چیزیں، واپسی کا ٹکٹ، بورڈنگ پاس، ای ویزا، کچھ کھانے پینے کا سامان کپڑے چپل وغیرہ رکھ لیں۔ لگیج لینے کا نوٹس ہوٹل پہ لگا دیا جائے گا۔

پانچ لیٹر آب زمزم شریف وطن پہنچنے پہ ائیر پورٹ پہ آپ کو ملے گا۔

جدہ ائیر پورٹ پہ بس سے اترنے سے پہلے آپ کو آپ کا پاسپورٹ دے دیا جائے گا اسے سنبھال کر رکھیں۔ جدہ ائیر پورٹ پہ ایمیگریشن کا مرحلہ طے کیجیے اس کے بعد ہندستان کے ائیر پورٹ پہ ایمیگریشن اسٹامپنگ کا مرحلہ طے کیجیے اس کے بعد چک ان لگیج لیجیے۔

والدہ یا بالغ اولاد:

ہدایت: جو صاحب اپنی، والدہ، اہلیہ یا بالغ اولاد کے ساتھ سفر حج کا عزم وارادہ رکھتے ہیں وہ رقم جمع کرنے سے قبل اس رقم کا انہیں مالک بنا دیں تا کہ بعد میں اگر یہ حضرات صاحب استطاعت ہوں تو ان پہ دوبارہ حج کی ادائیگی فرض نہ ہو۔

دم: یعنی ایک بکرا، بکری، دنبہ، بھیڑ وغیرہ

بدنہ: اونٹ، گائے وغیرہ

صدقہ: صدقۂ فطر کی مقدار یعنی نصف صاع گندم یا آٹا یا اس کی رقم یا ایک صاع جو یا کھجور یا اس کی قیمت۔

قلم اور پیڈ، ڈائری، قبلہ نما، گلے میں لٹکانے والا چھوٹا بیگ، نائیلون یا چمڑے کا بیلٹ، جانماز، تسبیح، چار جوڑے کپڑے، سردی سے حفاظت کے لیے سویٹر یا ایز، چٹائی،

چادر، آئینہ، تیل، کنگھا، مسواک، سرمہ، سوئی دھاگہ، قینچی، ناخن تراش مارکر پن، تولیہ، رومال، اگر استعمال کرتے ہوں تو چشمے ۲ عدد، صابن، گلاس، پلیٹ، پیالہ دستر خوان، گلے مین لٹکانے والی پانی کی بوتل، چمچہ، چھری، ضروری دوائیں، دستی پنکھا، حسب ضرورت کھانے پکانے کے لیے برتن اگر عزیزیہ کیٹیگری میں ہوں تو۔

صبر، تحمل، برداشت قدم قدم پہ اس کا مظاہرہ کرنا ہوگا غصے پہ قابو رکھیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے آپ کے حج کو حج مبرور فرمائے، سفر آسان سے آسان تر فرمائے، تمام مشکلات دور فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

عمرہ کے ارکان:

(۱) احرام باندھنے کے بعد نیت کرنا۔ اوراللھم لبیک عمرۃ کہنا

(۲) بیت اللہ کا طواف کرنا۔

(۳) صفا و مروہ کی سعی کرنا

عمرہ کے واجبات:

(۱) میقات سے احرام باندھنا۔

(۲) بال کٹوانا یا سر منڈوانا اور سر منڈانا یہ افضل ہے۔

حج کے ارکان:

(۱) احرام باندھنا اور نیت کر کے اللھم لبیک حجا کہنا

(۲) میدان عرفات میں ٹھہرنا۔

(۳) طواف افاضہ کرنا۔

(۴) صفا و مروہ کی سعی کرنا۔

حج کے واجبات:

(۱) میقات سے احرام باندھنا۔

(۲) عرفات میں سورج غروب ہونے تک ٹھہرنا۔

(۳) مزدلفہ میں رات گذارنا۔

(۴) ایام تشریق (۱۱۔ ۱۲اور ۱۳ تاریخ) کی راتیں منٰی میں گذارنا۔

(۵) شیطانوں کو ترتیب کے ساتھ کنکریاں مارنا۔

(۶) سر منڈوانا یا مکمل سر کے بال چھوٹے کروانا۔

(۷) طواف وداع کرنا۔

حالت احرام میں ممنوع کام:

(۱) جسم کے کسی حصہ سے بال اکھاڑنا۔

(۲) ناخن کاٹنا۔

(۳) مرد کا سر کو ڈھانپنا۔

(۴) مرد کا سلے ہوئے کپڑے پہننا۔

(۵) احرام میں نیت کے بعد خوشبو لگانا۔

(۶) بری جانور کا شکار کرنا۔

(۷) بیوی سے ہمبستری کرنا۔

(۸) بوس و کنار کرنا۔

نوٹ: (۱) اگر حج کے ارکان میں سے کوئی رکن چھوٹ جائے خواہ بھول کر یا جان بوجھ کر تو حج باطل ہو جاتا ہے۔ (۲) اگر حج کے واجبات میں سے کوئی واجب کام چھوٹ جائے تو پھر فدیہ دینا ہوگا۔ (یعنی دم دینا یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا یا تین روزے رکھنا)

تلبیہ: لَبَّيْكَ، اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان پڑھی جانے والی دعا: رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔

صفا اور مروہ پر پڑھی جانے والی دعا:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ

پھر تین دفعہ اللہ اکبر کہے اور تین بار یہ دعا پڑھے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ اور پھر اس دعا کے بعد جو دل چاہے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے، مروہ پر بھی یہی دعائیں مانگے۔

عرفات اور مزدلفہ میں پڑھی جانے والی دعا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهٗ لَبَّيْكَ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

نوٹ: اگر حج کے لیے جانے والے کو حرم تک پہنچنے میں کسی قسم کی رکاوٹ کا شبہ ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ وہ اعمال حج ادا نہ کر سکے گا تو اسے نیت کرتے وقت یہ کہنا چاہیے۔ اِنَّ حَبَسَنِيْ حَابِسٌ فَمَحِلِّيْ حَيْثُ حَبَسْتَنِيْ۔

سرورِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس پاک شریعت، دائمی قانون اور ہمہ گیر دین کا تکمیلی صحیفہ لے کر اس عالم رنگ و بو میں تشریف لائے وہ دین و دنیا کا ایک ایسا نگارخانہ اور حکمتوں، مصلحتوں کا ایسا بے غبار آئینہ ہے جس میں فطرت کا جمال اور خرد کی رعنائی اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ انگڑائی لیتی نظر آتی ہے۔ اسلام کی تمام عبادتوں میں جہاں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی کارفرمائیاں ہیں وہیں ساز فطرت کی نغمہ سرائیاں بھی۔

حج بھی ایک ایسی ہی عبادت ہے جو اپنے گرد وپیش اور احکام و شرائط کی روشنی میں عشق و ایمان کا ایسا سدا بہار چمن ہے جس میں ایک مرتبہ پہنچنے کے بعد ہر زائر اس کی خوشبوئے معنبر سے سرشار اور زندگی بھر اس کی عطر بیزی سے معطر رہتا ہے۔

اسلام میں عبادتیں تین طرح کی ہیں (۱) بدنی محض مثلاً نماز، روزے (۲) مالی محض مثلاً زکوٰۃ (۳) بدنی و مالی مشترکہ مثلاً، حج جسے ادا کرنے کے لئے جہاں جسمانی صلاحیتوں کی ضرورت اور حاجت ہے۔ وہیں مالی وسائل بھی مطلوب ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا

فرمان مقدس ہے "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيلًا" اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے گھر کا حج کرنا لوگوں پر فرض ہے جو اس تک چل سکیں۔

حج اسلامی سن کے اعتبار سے ۹ ھجری میں فرض ہوا۔ اس سال سرور کائنات محمد عربی ﷺ بذات خود حج کی ادائیگی کے لیے تشریف نہیں لے گئے۔ لیکن آپ نے اپنے تین سو جاں نثار اصحاب کرام کا مقدس قافلہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مدینہ منورہ سے مکۃ المکرمہ کی جانب ادائیگی حج کے لیے روانہ فرمایا۔ اس بابرکت قافلۂ حج کی قیادت کے لیے اگر ایک طرف حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحج مقرر فرما یا تو وہیں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو نقیب الاسلام اور حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص، حضرت سیدنا جابر بن عبداللہ، حضرت ابو ہریرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو معلم بنا کر روانہ فرمایا۔ یہ تھا اسلامی تاریخ کا وہ پہلا سفر حج جس نے ایام جاہلیت کی تمام فرسودہ روایا ت کی بساط لپیٹ کر رکھ دی اور زہد وتقویٰ پر ہیز گاری کی ایک ایسی اساس و بنیاد فراہم کر دی جس سے انسانیت کا سر ہمیشہ فخر سے بلند ہوتا رہے گا۔ حج اسلامی ارکان میں ایک اہم رکن ہے۔ یہ فرض قطعی ہے، جو مسلمان اس کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ یہ وظیفۂ عمری ہے۔ ساری عمر میں ایک مرتبہ حج فرض ہے۔ جس پر حج فرض ہو گیا اور اس نے حج کی ادائیگی نہیں کی تو وہ مرتکب گناہ کبیرہ ہے اور ایسے شخص کے لیے کفر پہ مرنے کا اندیشہ ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''مَنْ مَلَكَ زَادًا وَّرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ اَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا (مشکوٰۃ) ترجمہ: ''جو مسلمان زادسفر اور سواری پر قادر ہو جو اسے بیت اللہ شریف تک پہنچا سکے اور وہ حج کی سعادتوں سے بہرہ ورنہ ہو، تو اس پر اس بات میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی۔''

حج پاک کی سعادتوں سے فیضیاب ہونے والے خوش نصیب مسلمانوں کی دنیا بھی سنور جاتی ہے اور آخرت بھی۔ اس میں بے پناہ ثواب اور برکتیں ہیں، حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آقائے کائنات ﷺ نے فرمایا ''مَنْ حَجَّ لِلّٰہِ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمٍ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ'' ترجمہ: ''جس نے اخلاص کے ساتھ حج کی سعادتیں حاصل کیں اور فحش کلامی، فسق و فجور سے خود کو محفوظ رکھا تو جب وہ واپس ہوگا تو اس دن کی طرح ہوگا جس میں اس کی ماں نے اسے جنا۔''

حج پاک کی سعادتوں سے فیضیاب ہونے والے مومن کی رفعت شان کے تعلق سے سرور کائنات ﷺ کا ایک فرمان مقدس حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اِذَ اَلَقِیْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَیْہِ وَصَافِحْہُ وَمُرْہُ اَنْ یَّسْتَغْفِرَ لَکَ قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ بَیْتَہٗ فَاِنَّہٗ مَغْفُوْرٌ'' (مشکوٰۃ)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم کسی حاجی سے ملاقات کرو تو اسے سلام کرو، مصافحہ کرو اور اس سے اپنے لیے دعائے مغفرت کی درخواست کرو کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے تمہارے لیے استغفار کرے۔ اس لیے کہ وہ بخشا ہوا ہے۔ سرکار دوعالم ﷺ نے حج کی سعادتوں سے فیضیاب ہونے والے حضرات کے لیے یہ دعا فرمائی۔ ''اَللّٰھُمَّ اِغْفِرْ لِلْحَاجِّ وَلِمَنِ اسْتَغْفَرَ الْحَاجُّ لَہٗ'' (احیاء العلوم جلد ۱) ترجمہ: اے اللہ! خانۂ کعبہ کا حج کرنے والے خوش نصیب مسلمانوں کو بخش دے اور ان کی بھی مغفرت فرمادے جن کے لیے حاجی دعائے مغفرت کرے۔ بیت اللہ شریف کی زیارت سے مشرف ہونے والے خوش بختوں کے لیے آقا کی نوید ہے ''مَنْ نَظَرَ اِلَی الْکَعْبَۃِ اِیْمَاناً وَتَصْدِیْقاً خَرَجَ مِنَ الْخَطَایَا کَیَوْمٍ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ'' (نزہۃ المجالس) ترجمہ: جس مسلمان نے ایمان کی حالت میں صدق دل سے کعبہ کی طرف دیکھا وہ گناہوں سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے اس کی ماں نے اسے آج ہی جنا ہو۔

ان مقدس اور بابرکت مقامات پر پہنچ جانا لاریب ایک مومن کی روحانی معراج ہے۔ ایک ایک گوشہ، ایک ایک چپہ رحمت و انوار اور تجلیات الٰہی کا مرکز ہے۔ حضرت سیدنا امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''احیاء العلوم'' میں رقم طراز ہیں ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیت

اللہ شریف میں ہر دن ایک سوبیس رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔جن میں ساٹھ رحمتیں طواف کی سعادتیں حاصل کرنے والوں کے لیے، چالیس مسجد الحرام میں نماز ادا کرنے والوں کے لیےاوربیس رحمتیں خانۂ کعبہ کے دیدار سے اپنی آنکھیں منور کرنے والوں کے لیے ہیں۔''

صاحب''تفسیر روح البیان'' تحریر فرماتے ہیں''**وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِناً مِنَ النَّارَ** ''ترجمہ: جوحرم شریف میں داخل ہوا وہ جہنم کی آگ سے محفوظ ہو گیا۔

آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا''**مَن مَّاتَ فِيْ اَحَدِالْحَرَمَيْنِ بُعِثَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اٰمِنًا**''ترجمہ؛جس شخص کی موت مکۃ المکرمہ یامدینہ منورہ میں ہوئی وہ قیامت کے دن محفوظ و مامون اٹھیگا۔

دوسری عبادتوں کی طرح حج کے لیے بھی کچھ شرائط،فرائض، واجبات اور سنتیں ہیں۔ ضروری ہے کہ پہلے اجمالاً ان کا ذکر کر دیا جائے۔

اقسام حج:

حج کی تین قسمیں ہیں یعنی حج تین طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) حج افراد: اس حج کی ادائیگی کرنے والے کو **مُفْرِدْ** کہتے ہیں۔حج افراد یہ ہے کہ صرف حج کے لیےاحرام باندھا جائے اورارکان حج ادا کرکےاحرام کھول دیا جائے۔

(۲) حج تمتع: اس حج کی ادائیگی کرنے والے کو **مُتَمَتِّع** کہتے ہیں۔ ہندستان، پاکستان سے جانے والے اکثر حضرات حج تمتع کا ہی احرام باندھتے ہیں۔حج تمتع یہ ہے کہ حج وعمرہ دونوں کے لیے الگ الگ احرام باندھا جائے، پہلے عمرے کے لیے احرام باندھا جائے اور مکۃ المکرمہ پہنچ کرارکان عمرہ ادا کرکےاحرام کھول دیں۔ بعد میں مسجد حرام یا حدودحرم کے کسی حصے سے حج کے لیےاحرام باندھیں اورارکان حج ادا کریں۔

(۳) حج قران: اس حج کی ادائیگی کرنے والے کوقارن کہتے ہیں، حج قران یہ ہے کہ حج وعمرہ دونوں کے لیے ایک ہی احرام باندھا جائے۔اور حج وعمرہ دونوں کے

ارکان کی ادائیگی کے بعد احرام سے نکل جائے۔ حج کی جملہ قسموں میں یہ سب سے افضل اوراشرف ہے۔

شرائط حج:

حج کے لیے آٹھ شرطیں ہیں (۱) مسلم (۲) عاقل، پاگل پر حج فرض نہیں (۳) بالغ، نابالغ پر حج فرض نہیں (۴) آزاد (۵) تندرست ہونا (۶) سفرخرچ کا مالک ہونا (۷) وقت (۸) عورت کے لیے محرم، محرم وہ رشتے دار ہیں جن سے نکاح حرام ہے۔ اتنے دنوں پہلے یہ تمام شرطیں پائی جائیں کہ عادۃً اتنے دنوں میں حج کے ایام میں مکہ مکرمہ پہنچ جائے۔

فرائض حج:

احرام باندھنا اور حج کی نیت کر کے تلبیہ کہنا، وقوف عرفہ یعنی نویں ذوالحجہ کو زوال آفتاب سے لے کر دسویں ذوالحجہ کی صبح صادق سے قبل تک کے حصوں میں کسی وقت عرفات میں ٹھہرنا ،طواف زیارت کے چار چکر، ترتیب یعنی پہلے احرام باندھنا، پھر وقوف کرنا پھر اسی طرح ہر فرض کا اپنے وقت اور مقام پر ہونا۔

واجبات حج:

میقات سے احرام باندھنا، صفاومروہ کے درمیان دوڑنا، سعی کا صفا سے شروع ہونا، غیر معذور کے لیے پیدل سعی کرنا، سعی کا طواف کے بعد ہونا، دن میں وقوف عرفہ کیا تو اتنی دیر وقوف کرے کہ آفتاب ڈوب جا ئے، وقوف عرفات میں رات کا کچھ حصہ شامل ہونا، زوال کے بعد سے دن کے کسی حصے سے وقوف عرفات کا شروع ہونا، مقام عرفات سے واپسی میں امام کی متابعت کرنا، وقوف مزدلفہ، مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی نمازیں وقت عشاء میں ادا کرنا، دسویں ذوالحجہ کو صرف جمرۃ العقبہ پر اور گیارہویں بارہویں ذوالحجہ کو تینوں جمرات پر رمی کرنا، جمرۃ العقبہ کی رمی پہلے دن حلق یا قصر سے پہلے ہونا، ہر دن کی رمی کا اسی دن ہونا، حلق یا قصر کرانا، حلق یا قصر کا ایام نحر میں ہونا، حلق یا قصر کا حرم شریف میں ہونا، قارن و متمتع کے لیے قربا

نی کرنا،قربانی کا ایام نحر میں ہونا،قربانی کا حرم شریف میں ہونا،طواف افاضہ یا زیارت کا اکثر حصہ ایام نحر میں ہونا،(عرفات سے واپسی کے بعد جو طواف کیا جاتا ہے اسے طواف افاضہ یا طواف زیارت کہتے ہیں)طواف حطیم سے باہر ہونا،داہنی طرف سے طواف کرنا،یعنی کعبۂ معظّمہ طواف کرنے والے کی بائیں جانب ہو۔غیر معذور کے لیے قدم سے چل کر طواف کرنا، طواف کرنے میں نجاست حکمیہ سے پاک ہونا،طواف کے وقت ستر عورت کرنا(ناف سے گھٹنے تک کا حصہ مرد کے لیے عورت ہے،عورت سر سے پاؤں تک عورت ہے)طواف کے بعد دو رکعتیں نماز ادا کرنا،رمی،ذبح،حلق اور طواف میں ترتیب،طواف صدر یعنی میقات سے باہر رہنے والے حضرات کے لیے رخصت کے وقت طواف کرنا،وقوف عرفہ کے بعد حلق یا قصر تک بیوی سے قربت اختیار نہ کرنا۔

نوٹ: اگر کوئی فرض چھوٹ گیا تو حج ہی نہ ہوگا۔واجب چھوٹ جانے کی صورت میں دم واجب ہوجائیگا۔

حج کی سنتیں:

طواف قدوم،مفرد و قارن کے لیے،طواف قدوم یا طواف فرض میں رمل کرنا،میلین اخضرین کے درمیان دوڑنا،آٹھویں ذوالحجہ کو بعد نماز فجر مکہ مکرمہ سے روانہ ہونا کہ منٰی میں پانچ وقت کی نمازیں ادا کر لی جائیں،نویں ذوالحجہ کی رات منٰی میں گزارنا،نویں ذوالحجہ کو طلوع آفتاب کے بعد منٰی سے عرفات کے لیے روانہ ہوجانا،وقوف عرفات کے لیے غسل کرنا،عرفات سے واپسی میں مزدلفہ میں رات گزارنا،اور طلوع آفتاب سے پہلے منٰی کے لیے روانہ ہوجانا۔

ممنوعات حج:

صحبت،بحالت شہوت وہ سارے کام جو صحبت سے پہلے کیے جاتے ہیں،جنگلی جانور کا شکار یا اسے ذبح کرنا یا اس میں کسی کی کسی طرح مدد کرنا یہاں تک کہ خرید و فروخت،اپنا یا دوسرے کا ناخن تراشنا،اپنا یا دوسرے کا بال مونڈنا،بال اکھاڑنا،منھ یا سر کسی کپڑے وغیرہ سے

چھپانا، بستر یا کپڑے کی گٹھری، بیگ وغیرہ سر پر رکھنا، عمامہ یا دستار باندھنا، دستانے یا موزے پہننا، ایسا جوتا پہننا جس سے قدم کا درمیانی حصہ چھپ جائے، سلا ہوا کپڑا پہننا، بدن، بال یا کپڑے میں خوشبو لگانا، خوشبودار کپڑا پہننا، مشک، زعفران، عنبر، جاوتری، لونگ الائچی دار چینی وغیرہ خوشبودار چیز کھانا، زیتون یا کوئی اور خوشبودار تیل لگانا، ایسی چیز کا اپنے آنچل میں باندھنا جس میں خوشبو ہو، گوند وغیرہ سے بال جمانا، جوئیں مارنا یا مارنے کا اشارہ کرنا، سر چھپانا۔

مکروہات حج:

بدن کا میل چھڑانا، بدن، بال، کھلی وغیرہ بے خوشبو والی چیز سے دھونا، کنگھا کرنا، سر اس طرح کھجلانا کہ بال گرنے کا اندیشہ ہو، کرتا چوغا پہننے کی طرح کندھوں پر ڈالنا، خوشبو کی دھونی دیا ہوا کپڑا پہننا کہ ابھی خوشبو دے رہا ہو، قصداً خوشبو سونگھنا اگرچہ خوشبودار پھل یا پتہ ہو مثلاً لیمون، نارنگی، پودینہ، وغیرہ، عطر فروش کی دکان پر اس مقصد سے بیٹھنا کہ خوشبو سے دماغ معطر ہوگا، سرمہ لگانا، منھ پر پٹی باندھنا، کعبہ معظّمہ کے غلاف کے اندر اس طرح داخل ہونا کہ غلاف شریف سر یا منھ سے لگے، ناک وغیرہ منھ کا کوئی حصہ کپڑے سے چھپانا، کوئی ایسی چیز کھانا، پینا جس میں خوشبو پڑی ہو اور وہ پکائی نہ گئی ہو نہ ہی خوشبو دور ہوئی ہو، بے سلا کپڑا رفو کیا ہوا یا پیوند لگا ہوا پہننا، تکیے پر منھ رکھ کر اوندھے لیٹنا، خوشبو ہاتھ سے چھونا جب کہ ہاتھ میں نہ لگے ورنہ حرام ہے، بازو یا گلے پر تعویذ باندھنا، گرچہ بے سلے کپڑے میں لپیٹ کر ہو، بلا عذر بدن پر پٹی باندھنا، سنگار کرنا، چادر اوڑھ کر اس کے آنچل میں گرہ دے دینا جس طرح گانتی باندھتے ہیں جب کہ سر کھلا ہو ورنہ حرام ہے، تہبند باندھ کر کمر بند یا رسی سے کسنا۔

جرم اور اس کے کفارے:

خوشبو اگر زیادہ لگائی جسے دیکھ کر لوگ زیادہ بتائیں چاہے عضو کے تھوڑے ہی حصے پر ہو یا کسی بڑے عضو پر مثلاً سر، منھ، ران پنڈلی وغیرہ پر چاہے خوشبو تھوڑی ہو تو ان دونوں صورتوں میں دم ہے۔ اگر تھوڑی خوشبو عضو کے تھوڑے حصے پر لگائی تو صدقہ ہے، کپڑے یا

بستر پر خوشبو ملی تو خوشبو کی مقدار دیکھی جائیگی، زیادہ ہے تو دم، کم ہے تو صدقہ، خوشبو سونگھی پھل ہو یا پھول مثلاً لیمون، نارنگی، گلاب، بیلا، وغیرہ تو کفارہ نہیں ہاں! محرم کے لیے خوشبو سونگھنا مکروہ ہے، خوشبو دار سرمہ ایک یا دو بار لگایا تو صدقہ ہے اس سے زیادہ میں دم اور بے ضرورت مکروہ، خالص خوشبو مثلاً مشک، زعفران، لونگ الائچی، دارچینی اتنی کھائی کہ منہ کے اکثر حصے میں لگ گئی تو دم ہے ورنہ صدقہ، پینے کی چیز میں خوشبو ملائی، اگر خوشبو غالب ہے یا تین بار یا تین بار سے زیادہ پیا تو دم ہے ورنہ صدقہ، تمبا کو کھانے والے اس بات کا خیال رکھیں کہ احرام میں خوشبو دار تمبا کو نہ کھائیں کہ پتیوں میں خوشبو ملائی جاتی ہے اور قوام میں بھی اکثر پکانے کے بعد مشک وغیرہ ملاتے ہیں۔ خمیرہ تمبا کو نہ پینا بہتر ہے کہ اس میں خوشبو ہوتی ہے۔ روغن چنبیلی وغیرہ خوشبو دار تیل لگانے کا وہی حکم ہے جو خوشبو استعمال کرنے کا ہے۔ تل اور زیتون کا تیل خوشبو کے حکم میں ہے، اگر ان میں خوشبو نہ ہو تو ان کے کھانے اور ناک میں چڑھانے، زخم پر لگانے، کان میں ٹپکانے میں صدقہ نہیں۔ مشک عنبر، زعفران وغیرہ جو خود ہی خوشبو ہیں، ان کے استعمال سے مطلقاً کفارہ ہے خواہ دوا کے طور پر ہی کیوں نہ استعمال کیا ہو۔ خالص خوشبو مثلاً مشک عنبر وغیرہ کسی غیر خوشبو دار چیز میں ملا کر استعمال کیا تو دیکھیں گے اگر خوشبو دار چیز زیادہ ہے تو کُل خوشبو دار کے حکم میں ہے۔ خوشبو لگانا جب جرم قرار پایا تو بدن یا کپڑے سے دور کرنا واجب ہے، اور کفارہ دینے کے بعد دور نہ کیا تو پھر دم وغیرہ واجب ہوگا۔

سلے کپڑے پہننا:

محرم نے سلا کپڑا چار پہر مکمل پہنا تو دم واجب ہے۔ اگر اس سے کم تو صدقہ، خواہ تھوڑی دیر پہنا، اگر لگا تار کئی دنوں تک پہنے رہا جب بھی ایک ہی دم واجب ہے، جب کہ یہ لگا تار پہننا ایک طرح کا ہو یعنی عذر سے ہو یا بغیر عذر، لیکن اگر ایک دن عذر سے تھا دوسرے دن بغیر عذر یا اس کے برعکس اس صورت میں دو کفارے واجب ہوں گے۔ باری کے ساتھ بخار آتا ہے اور جس دن بخار آیا سلے کپڑے پہن لیے دوسرے دن اتار ڈالے، تیسرے دن پھر

پہنے تو جب تک یہ بخار آئے ایک ہی جرم ہے اور اس کا ایک کفارہ واجب ہوگا۔ اگر سلا کپڑا پہنا اور اس کا کفارہ ادا کر دیا مگر اتارا نہیں دوسرے دن بھی پہنے رہا تو دوسرا کفارہ واجب ہے۔ یوں ہی اگر احرام باندھتے وقت سلا کپڑا نہ اتارا تو یہ جرم ہے کفارہ لازم ہوگا۔ محرم نے دوسرے محرم کو سلا ہوا کپڑا پہنایا یا خوشبودار کپڑا پہنایا تو جس نے پہنا اس پر کفارہ ہے، پہنانے والے پر کچھ نہیں۔ مرد یا عورت نے منھ کی ٹکلی پوری یا چوتھائی چھپائی، مرد نے پورا سر یا سر کا چوتھائی حصہ چھپایا تو چار پہر یا چار پہر سے زائد لگا تار چھپانے میں دم ہے اور کم میں صدقہ اگر چوتھائی سے کم چار پہر تک چھپایا تو صدقہ ہے۔ اور چار پہر سے کم میں کفارہ نہیں مگر گناہ ہے۔ محرم نے سر پر کپڑے کی گٹھری یا بیگ رکھا تو کفارہ ہے۔ غلے کی گٹھری یا تختہ، سینی، لگن وغیرہ برتن رکھ لیا تو کچھ نہیں۔ اگر سر پر مٹی تھوپ لی تو کفارہ ہے۔ پہننے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کپڑا اس طرح پہنے جس طرح پہنا جاتا ہے، ورنہ اگر کرتے کو تہبند کی طرح باندھ لیا یا پائجامے کو تہبند کی طرح لپیٹا اور پاؤں پائنچے میں نہ ڈالے تو کچھ نہیں۔

بال دور کرنا:

سر یا داڑھی کے بال چوتھائی یا اس سے زیادہ دور کیے تو دم ہے اور کم میں صدقہ۔ پوری گر دن اور مکمل ایک بغل میں دم ہے کم میں صدقہ خواہ آدھی یا اس سے زیادہ ہو۔ یہی حکم زیر موئے ناف کا بھی ہے۔ دونوں بغل کے بال مکمل صاف کرے تو بھی ایک ہی دم ہے۔ مونچھ اگر پوری منڈائے یا کتروائے تو صدقہ ہے روٹی پکانے میں اگر کچھ بال جل گئے تو صدقہ ہے۔ وضو کرنے ،کھجلانے یا کنگھا کرنے میں بال گرے تو اس میں بھی صدقہ ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اگر دو تین بال گرے تو ہر بال کے لیے ایک مٹھی اناج یا روٹی کا ایک ٹکڑا یا ایک چھوہارا ہے۔ خود بخود بے ہاتھ لگائے بال گر جائے یا بیماری کے سبب تمام بال گر جائیں تو کچھ نہیں۔ عورت پورے سر یا چوتھائی سر کے بال ایک پورے برابر کترے تو دم ہے اور کم میں صدقہ۔

ناخن تراشنا:

ایک ہاتھ، ایک پاؤں کے پانچوں ناخن تراشے یا دونوں ہاتھ پاؤں کے تمام ناخن

تراشے تو ایک دم ہے۔ اگر کسی ہاتھ یا پاؤں کے پورے پانچ ناخن نہ تراشے تو ہر ناخن پر ایک صدقہ ہے یہاں تک کہ اگر چاروں ہاتھ پاؤں کے چار چار ناخن تراشے تو سولہ صدقہ ہے ۔مگر یہ کہ صدقوں کی قیمت ایک دم کے برابر ہو جائے تو کچھ کم کرے یا ایک دم دے اختیار ہے ۔ اگر ایک ہاتھ یا پاؤں کے پانچوں ناخن ایک نشست میں تراشے اور دوسرے ہاتھ یا پاؤں کے دوسری نشست میں تو دو دم لازم ہو گئے ۔ اسی طرح چاروں ہاتھ پاؤں کے مکمل ناخن چار نشست میں تراشے تو چار دم واجب ہو گئے ۔کوئی ناخن ٹوٹ گیا کہ بڑھنے کے قابل نہ رہا اس کا باقی حصہ اس نے کاٹ لیا تو کچھ نہیں ۔

بوس و کنار وغیرہ:

مباشرت فاحشہ اور شہوت کے ساتھ بوس و کنار اور بدن چھونے میں دم ہے ۔ اگر چہ انزال نہ ہو۔ اور بغیر شہوت کچھ نہیں ۔ مرد کی ان باتوں سے اگر عورت کو لذت محسوس ہو تو اس پر بھی دم ہے ۔ اندام نہانی پر نظر کرنے سے کچھ نہیں ۔خواہ انزال ہی ہو جائے ۔ خواہ بار بار نظر کی ہو ۔ یوں ہی خیال جمانے سے اگر انزال ہو جائے تو کچھ نہیں ۔جلق سے اگر انزال ہو جائے تو دم ہے ورنہ مکروہ اور احتلام سے کچھ نہیں ۔

جماع:

وقوف عرفہ سے پہلے جماع کیا تو حج فاسد ہو گیا،لیکن حج کے تمام ارکان کی ادائیگی کر کے دم دے اور سال آئندہ اس کی قضا کرے ۔ اگر عورت بھی احرام میں ہے تو اس کے لیے بھی یہی حکم ہے ۔ وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا تو حج فاسد نہ ہوا لیکن حلق وطواف سے پہلے کیا تو بدنہ دے اور حلق کے بعد کیا تو دم واجب ہے ۔افضل بدنہ ہی ہے، حلق اور طواف کے بعد اگر جماع کیا تو کچھ نہیں ۔عمرے میں چار چکر سے پہلے جماع کیا تو عمرہ فاسد ہو گیا۔ دم دے اور عمرے کی قضا کرے اگر چار چکر کے بعد کیا تو صرف دم ہے عمرہ صحیح ہے ۔ جماع سے احرام نہیں جاتا۔

طواف میں غلطیاں:

فرض طواف کے چار چکر یا اس سے زیادہ جنابت یا حالت حیض و نفاس میں لگائے تو بدنہ واجب ہے ۔ طہارت کے ساتھ دوبارہ طواف کرے ۔ بارہویں تاریخ تک مکمل طواف

دوبارہ کرلیا تو بدنہ ساقط اور بارہویں ذوالحجہ کے بعد کیا تو بدنہ ساقط ہو جائے گا لیکن دم لازم رہے گا۔ فرض طواف بے وضو کیا تھا تو دم لازم ہے دوبارہ طواف کرنا مستحب۔ دوبارہ طواف کر لینے سے دم ساقط ہو جائے گا خواہ بارہویں ذوالحجہ کے بعد ہی کیا ہو۔ تین چکر یا اس سے کم بے طہارت لگائے تو ہر چکر کے بدلے ایک صدقہ ہے۔ طواف فرض مکمل یا اس کے اکثر چکر بغیر عذر سواری پر لگائے یا گود میں یا گھسٹ کر یا بے ستر لگائے، مثلاً عورت کے چوتھائی سر کے بال کھلے تھے یا چوتھائی کلائی کھلی تھی، یا الٹا طواف کیا یا حطیم کے اندر سے طواف میں گزرا یا بارہویں کے بعد کیا تو ان تمام صورتوں میں دم لازم ہو جائیگا۔ اگر اس کا اعادہ کرلیا تو دم ساقط ہو جائیگا۔ اعادہ کیے بغیر چلا آیا تو بکری یا اس کی قیمت بھیج دے کہ حرم میں ذبح کر دی جائے۔ لوٹنے کی ضرورت نہیں۔ فرض طواف کے چار چکر یا اس سے زائد لگائے لیکن مکمل نہیں کیے تو دم واجب ہے۔ اگر خود نہ آیا بھیج دیا تو کافی ہے۔ طواف فرض کے سوا کوئی اور طواف مکمل یا اکثر چکر جنابت میں لگائے تو دم دے اور بے وضو لگائے تو صدقہ دے۔ اگر مکہ مکرمہ میں ہے تو ان صورتوں میں اعادہ کرے کفارہ ساقط ہو جائیگا۔ طواف رخصت مکمل یا اس کے اکثر چکر چھوڑ دیے تو دم لازم ہے۔ اگر چار چکروں سے کم چھوڑے تو ہر چکر کے بدلے ایک صدقہ ہے اگر طواف قدوم چھوڑ دیا تو کفارہ نہیں لیکن برا کیا۔ طواف عمرہ کا ایک چکر بھی ترک کرے گا تو دم لازم ہوگا، اور بالکل نہ کیا یا اکثر چکر چھوڑ دیے تو کفارہ نہیں بلکہ اسے ادا کرنا لازم ہے۔ قارن نے طواف قدوم وطواف عمرہ دونوں بے وضو کیے تو دسویں ذوالحجہ سے قبل دوبارہ طواف عمرہ کرے اگر اعادہ نہ کیا یہاں تک کہ دسویں ذوالحجہ کی فجر طلوع ہوگئی تو دم واجب ہو گیا اور طواف فرض میں رمل وسعی کرے۔

سعی میں غلطیاں:

سعی کے چار چکر یا اس سے زیادہ بغیر عذر چھوڑ دیے یا سواری پر کیے تو دم ہے، حج ہو گیا۔ اگر چار چکر سے کم چھوڑے تو ہر چکر کے بدلے صدقہ دے۔ اگر دوبارہ سعی کر لی تو دم اور صدقہ ساقط ہو گیا۔ اگر عذر کے سبب ایسا کیا تو معاف ہے جرمانہ نہیں۔ یہی ہر واجب کا حکم ہے

کہ عذر صحیح کی بنا پر چھوڑا جا سکتا ہے۔ طواف سے پہلے سعی کر لی اور اعادہ بھی نہیں کیا تو دم ہے۔ طواف حالت جنابت میں یا بے وضو کر لیا اس کے بعد سعی طہارت کے ساتھ کی تو اب سعی کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ سعی کے لیے احرام یا حج کا زمانہ شرط نہیں۔ سعی نہ کی ہو تو جب کرے ادا ہو جائیگی۔

وقوف میں غلطی:

جو شخص سورج ڈوبنے سے قبل عرفات سے چلا گیا وہ دم دے۔ اگر غروب آفتاب سے پہلے عرفات لوٹ آیا تو دم ساقط ہو گیا، اور اگر سورج ڈوبنے کے بعد لوٹا تو دم دینا ہو گا۔ دسویں ذوالحجہ کی صبح کو مزدلفہ میں بغیر عذر وقوف نہ کیا تو دم لازم ہے۔ ہاں! کمزور مرد یا عورت بھیڑ کے ڈر سے وقوف مزدلفہ چھوڑے تو اس پر جرمانہ نہیں۔

رمی کی غلطیاں:

کسی دن بھی رمی نہیں کی یا ایک دن کی رمی مکمل چھوڑ دی یا اکثر چھوڑ دی مثلاً دسویں ذوالحجہ کو تین کنکریاں ماریں باقی چھوڑ دیں یا گیارہویں وغیرہ کو دس کنکریاں تک ماریں باقی چھوڑ دیں یا کسی دن نصف سے کم چھوڑی مثلاً دسویں ذوالحجہ کو چار کنکریاں ماریں تین چھوڑ دیں یا اور دنوں میں گیارہ کنکریاں ماریں دسویں چھوڑ دیں یا نصف سے کم چھوڑی ہوئی رمی دوسرے دن کی تو ان تمام صورتوں میں ہر کنکری کے بدلے ایک صدقہ دے۔ اگر صدقے کی قیمت دم کے برابر ہو جائے تو کچھ کم دے۔

قربانی اور حلق میں غلطی:

قارن و متمتع نے رمی سے پہلے قربانی کی تو دم ہے۔ حلق حرم میں نہ کیا بلکہ حدودِ حرم سے باہر کیا یا بارہویں کے بعد کیا یا رمی سے پہلے کیا یا قارن اور متمتع نے قربانی سے پہلے کیا تو ان صورتوں میں دم لازم ہو گیا۔ عمرے کا حلق بھی حرم میں ہونا ضروری ہے، لہٰذا اس کا حلق بھی حدودِ حرم سے باہر ہوا تو دم لازم ہے لیکن اس میں وقت کی شرط نہیں۔ حج کرنے والے نے بارہویں ذوالحجہ کے بعد حرم سے باہر سر منڈایا تو دو دم دے۔ ایک حرم سے باہر حلق کرانے کا

دوسرا بارہویں کے بعد ہونے کا۔

ہدایت:

محرم اگر جان بوجھ کر بغیر عذر جرم کرے تو کفارہ بھی واجب اور گنہگار بھی ہوگا۔ اس صورت میں صرف کفارہ کافی نہ ہوگا، بلکہ توبہ بھی لازم ہے۔ اگر بھول کر یا کسی عذر کے سبب ہے تو کفارہ کافی ہوگا۔ جرم کا کفارہ ہر حال میں لازم ہے جان بوجھ کر ہو یا بھول کر اس کا جرم ہونا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، خوشی سے ہو یا مجبوری سے سوتے میں ہو یا جاگتے میں ہوش میں ہو یا بے ہوش میں، اس نے خود کیا ہو یا دوسرے کے حکم سے، بہرنوع کفارہ لازم ہوگا۔

نوٹ:

کفارے کے بیان میں جہاں دم کہا گیا ہے اس سے مراد ایک بکری یا بھیڑ ہوگی، اور بدنہ سے مراد اونٹ یا بقر۔ یہ جانور انہی شرائط کے ہوں گے جو شرائط قربانی کے جانور کے لیے ہیں۔ صدقہ سے مراد نصف صاع گیہوں (دوکلو پینتالیس گرام گیہوں) یا ایک صاع جو یا کھجور یا ان کی قیمت۔

جہاں دم کا حکم ہے اور وہ جرم مجبوراً کرنا پڑا ہے تو اس میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دم کے بدلے چھ مسکینوں کو ایک ایک صدقہ دے یا چھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، یا تین روزے رکھ لے اور جس جرم میں صدقے کا حکم ہے اور وہ جرم مجبوراً کرنا پڑا ہے تو اس میں صدقے کے بدلے ایک روزہ رکھ لے۔ جہاں ایک دم یا ایک صدقہ ہے قارن پہ دو ہیں۔ شکرانے کی قربانی سے خود کھائے، غنی کو کھلائے مساکین کو دے لیکن کفارے کی قربانی سے نہ خود کھائے، نہ غنی کو کھلائے یہ صرف غرباء ومساکین کا حق ہے۔

جوں مارنا:

اپنی جوں اپنے بدن یا کپڑوں میں ماری یا پھینک دی تو ایک جوں میں روٹی کا ایک ٹکڑا کفارہ دے۔ اور دو یا تین جوں ہوں تو ایک مٹھی اناج دے، اور اس سے زیادہ میں صدقہ۔ جوئیں مارنے کے لیے سر یا کپڑا دھویا یا دھوپ میں ڈالا جب بھی یہی کفارے ہیں جو مارنے

میں تھے۔ کپڑا بھیگ گیا تھا سکھانے کے لیے دھوپ میں رکھا جوئیں مارنے کا اردہ نہ تھا اور اس سے خود جوئیں مر گئیں تو کچھ نہیں۔

میقات سے بغیر احرام گزرنا:

جو شخص میقات کے باہر سے آیا اور بغیر احرام مکہ معظّمہ پہنچ گیا خواہ حج یا عمرے کا ارادہ نہ ہو مگر حج یا عمرہ واجب ہو گیا۔ اب چاہیے کہ میقات پر لوٹ کر جائے اور احرام باندھ کر آئے۔ اگر میقات پر لوٹ کر نہ گیا اور مکہ مکرمہ میں ہی احرام باندھ لیا تو دم واجب ہو گیا۔ میقات سے بغیر احرام گزرا پھر عمرے کا احرام باندھا اس کے بعد حج کا، یا قران کیا تو دم لازم ہے اور اگر پہلے حج کا احرام باندھا پھر حرم میں عمرے کا تو دو دم واجب ہو گئے۔

احرام ہوتے ہوئے احرام باندھنا:

حج کا احرام باندھا پھر عرفہ کے دن یا رات میں دوسرے حج کا احرام باندھا حلق کے بعد تو بدستور احرام میں رہے۔ دوسرے حج کی ادائیگی آئندہ سال کرلے دم واجب نہیں، اگر حلق نہیں کیا تو دم واجب ہے۔ عمرے کے تمام افعال کر چکا تھا صرف حلق باقی تھا کہ دوسرے عمرے کا احرام باندھا تو دم واجب ہے اور گنہ گار بھی ہوا۔

آیئے حج کریں:

حج کے چند ایام اور ان دنوں میں کیے جانے والے ارکان واعمال کو اگر عشق کی شوریدہ سری، جنوں کی وارفتگی، شوق کی بے تابی اور دیوانگی کی نمائش کا ایک انمول اور لازوال مرکب ومجموعہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ لبیک کا شور، طواف کا چکر، بن سلی تہبند و چادر، صفاومروہ کی دوڑ، کنکریوں کا چننا، پھینکنا، پہاڑیوں کا وقوف، ریتیلے میدان میں قیام، ننگے پاؤں، ننگے سر، ہر چیز سے الگ ہر شئے سے جدا، بال بڑھے ہوئے ہیں کاٹنا نہیں، بے ترتیب ومنتشر ہیں سجانا سنوارنا نہیں، ناخن بڑھے ہوئے ہیں تراشنا نہیں، جسم پہ میل جم چکے ہیں چھڑانا نہیں آخر یہ انداز جنوں نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ جنون عشق کی شوریدہ سری ہی تو ہے۔ احرام کی چاکدامنی،

رمی جمار کی دیوانگی کو آخر کیا نام دیا جا سکتا ہے۔ ہم گنہ گاروں کی مستی و بے خودی کا یہ انداز جنوں خیز اس احکم الحاکمین کی بارگاہ میں صرف اور صرف اسی لیے محبوب و پسندیدہ ہے کہ اس کے محبوب اور پیارے بندوں نے یہی انداز اختیار کیے تھے۔ پروردگار عالم کو اپنے پیاروں کی یہ ادائیں اتنی محبوب ہوگئیں کہ انہیں بطور یادگار اس نے قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے ارکان حج بنا کر ایک تاریخی حیثیت عطا فرما دی۔

احرام باندھنے سے قبل ناخن تراش لیں، غیر ضروری بالوں کو صاف کر لیں، مسواک کریں، خوب اچھی طرح غسل کریں یا وضو کریں، جسم اور احرام کی چادروں پہ خوشبو لگائیں، سلے ہوئے کپڑے اتار کر بن سلی تہبند باندھ لیں اس طرح کہ ستر دری نہ ہو، چادر اوڑھ لیں، پاسپورٹ اور ضروری کاغذات وغیرہ رکھنے کے لیے چاہیں تو بیلٹ باندھ لیں۔ اگر حج تمتع کا ارادہ ہے تو احرام باندھ کر نیت کر لیں ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اُرِیۡدُ الْعُمْرَۃَ فَیَسِّرۡ ھَا لِیۡ وَ تَقَبَّلْھَا مِنِّیۡ نَوَیۡتُ الْعُمْرَۃَ وَاَحْرَمْتُ بِھَا مُخْلِصاً لِلّٰہِ تَعَالٰی'' اے اللہ تعالیٰ! میں نے عمرے کا ارادہ کیا ہے تو، تو اس کی ادائی کو میرے لیے آسان فرما اور میری جانب سے اسے قبول فرما۔ میں نے نیت عمرہ کی اور اس کا احرام باندھا اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے۔ نیت کے الفاظ کہنے کے بعد بلند آواز سے تین مرتبہ تلبیہ کہے۔ عورتیں تلبیہ کہنے میں آواز بلند نہ کریں بلکہ دھیمی اور پست آواز میں کہیں لیکن اتنی دھیمی کہ خود سن سکیں تلبیہ، لَبَّیۡكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیۡكَ لَبَّیۡكَ لَاشَرِیۡكَ لَكَ لَبَّیۡكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِیۡكَ لَكَ۔ اللہ تعالیٰ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔ بے شک تمام تعریفیں اور نعمتیں تیرے لیے ہیں۔ اور تیرا ہی ملک بھی تیرا کوئی شریک نہیں۔ اگر حج تمتع کی نیت ہے تو تلبیہ کے کلمات کے بعد لَبَّیۡكَ بِالْحَجِ کہیے۔ اس کے بعد درود شریف کا ورد کریں اور یہ دعا مانگیں ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسْئَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّۃَ وَاَعُوۡذُبِكَ مِنۡ غَضَبِكَ وَالنَّار '' اے اللہ تعالیٰ! بے شک میں تیری رضا و خوشنودی کا طالب ہوں میں تجھ سے جنت مانگتا ہوں اور تیرے غضب و

جلال سے پناہ مانگتا ہوں اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں۔نیت اور تلبیہ کہنے کے بعد آپ محرم ہو گئے اور احرام کی تمام پابندیاں آپ پہ نافذ ہوگئیں۔اب آپ اٹھتے بیٹھتے ،اترتے چڑھتے ، چلتے پھرتے وضو بے وضو خاص کر چڑھائی پر چڑھتے اترتے دوقافلوں کے ملتے وقت صبح ،شام ،پچھلی رات ، پانچوں نمازوں کے بعد غرض یہ کہ ہر حالت کے بدلنے پر بلند آواز سے تلبیہ کہیں جب بھی لبیک کہیں کم از کم تین مرتبہ کہیں۔

ہوائی جہاز کا سفر مکمل ہوا اب آپ جدہ ایئر پورٹ پہ پہنچ گئے۔اس مقدس سرزمین پہ قدم رکھتے ہی آپ بارگاہ خداوندی میں شکرادا فرمایئے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے نواز کر آپ کو اس مقدس سرزمین کی زیارت کا شرف عطا فرمادیا جہاں سے اسلام کا آفتاب طلوع ہوا۔جس مقدس سرزمین کے خوش بخت ذروں نے اس خاکدان گیتی کی سب سے افضل ترین ہستی کے قدم مبارک کو بوسے دینے کا شرف حاصل کیا۔جس کی خوش نصیب فضاؤں میں اس پاک ہستی کے جسم اقدس کی خوشبوئیں رچی بسی ہیں جو وجہہ تخلیق کائنات ہے۔بذریعہ بس آپ کو مکہ مکرمہ کی مقدس سرزمین پہ پہنچادیا گیا پہلے سے مقرر قیام گاہ پہ پہنچ کر سب سے پہلے آپ غسل کریں اور مسجد حرام میں اولین داخلے کی تیاری کریں۔تلبیہ کہتے ہوئے چلیں۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا اولین آستانہ ہے۔جس کی اولین تعمیر فرشتوں نے فرمائی اس کے بعد حضرت سیدنا آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس ہاتھوں سے اس کی تعمیر ہوئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے کئی مقدس پیغمبروں نے اس کی تعمیر کا خوشگوار فریضہ انجام دیا۔آج آپ کی نگاہوں کے سامنے جو مقدس چوکور گھر ہے اس کی تعمیر حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور ان کے صاحبزادے حضرت سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیٰ نبیّنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی۔

دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں یہ پاسباں ہمارا

دنیا کا سب سے پہلا عبادت خانہ یہی ہے۔رومی مورخوں نے بھی یہ اعتراف کیا کہ اس

سے قدیم اور پرانی عبادت گاہ کا ہمیں نام ونشان نہیں ملتا۔انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا بھی یہی اعتراف ہے۔میورتنقید کے نشے میں اٹھالیکن اسی تاریخ صداقت کا اقرار اس کی مجبوری بنا۔نارگونس اسلام دشمنی میں کھڑا ہوالیکن اس تاریخی صداقت وحقیقت کے خلاف وہ کوئی دوسری تحقیق پیش کرنے سے عاجز وقاصر رہا۔روایتوں میں آتا ہے کہ آسمان پر بیت المعمور جو فرشتوں کا قبلہ ہے جس کے اردگرد ہروقت ستر ہزار فرشتے طواف کرتے رہتے ہیں جوایک دن کے بعد دوبارہ نہیں آتے یہ فرشی خانۂ کعبہ اسی بیت المعمور کے عین نیچے ہے۔

اس کی قدامت کے سامنے تاریخ کے سارے پیمانے ناقص نظر آتے ہیں۔کون ہے جو اندازہ کرکے بتاسکے۔اس طویل اور بے حساب مدت میں اس چشم فلک نے کتنے انقلابات دیکھے۔کتنے عبادت خانے بنے اور بگڑے،کتنے مندر تعمیر ہوئے اور کھنڈر بنے کتنے گرجے آباد ہوئے اوراجڑے،بلند یاں پستیوں میں تبدیل ہوئیں۔مصر مٹا،یونان مٹا،روما مٹا، ہندستان مٹا،چین مٹا،بابل مٹا،خدا معلوم کتنے ابھرے اور ابھر کر مٹے لیکن عرب کے ریگستان میں چٹانوں اور پہاڑیوں کے درمیان یہ چوکور گھر جسے نہ توکسی انجینئر نے بنایا نہ کسی مہندس کی مرہون منت اس کی تعمیر ہے جوں کا توں کھڑا دعوت نظارہ دے رہا ہے۔عارف رومی نے بہت پتے کی بات کہی ہے ''کعبہ کی عزتوں اور فضیلتوں میں تم جو ہر لحظہ ترقی و برتری دیکھتے ہو یہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلوص اور صدق نیت کا ثمرہ ہے۔وہی پتھر،وہی مٹی جس سے ہر مسجد اور عبادت گاہ کی تعمیر ہوتی ہے اس میں بھی لگے ہوئے ہیں ان کے علاوہ اس میں کوئی نئی چیز نہیں۔نئی چیز جو ہے وہ یہی ہے کہ اس کا بنانے والا نہ کوئی انجینئر تھا نہ کوئی مہندس اور نہ ہی کوئی فن تعمیرات کا ماہر،نہ کوئی بادشاہ تھا نہ کوئی وزیر، بلکہ وہ تھا جس نے اپنے نفس کو پاک کرلیا تھا اپنی خودی مٹا چکا تھا۔خود کو خدا سے ملا چکا تھا۔اب آپ اسی پاک ومقدس گھر کے مقابل ہیں۔اب تک دور رہ کر کم ازکم پانچ وقت اسی مقدس گھر کو مسجود الیہ بناتے ہوئے آپ خدا کی عبادت وریاضت میں مشغول رہا کرتے تھے۔نصیب کی ارجمندی اور بخت کی سربلندی کہ آج آپ کھلی آنکھوں سے وہی قبلۂ ایماں دیکھ رہے ہیں

اس مقدس گھر کو انتہائی عاجزی و نیازمندی کے اظہار کے ساتھ بوسہ دیں اور دخول مسجد کی دعا ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ'' اے رب کریم! میرے گناہوں کی مغفرت فرما دے اور میرے لیے جنت کے دروازے کھول دے۔اس کے ساتھ یہ بھی شامل کریں ''اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ وَاِلَيْكَ يَرْجِعُ السَّلَامُ حَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامُ وَادْخِلْنَا دَارَالسَّلَامُ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ يَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِ كْرَامُ''۔

اس کے بعد ایک شرمسار اور نادم مجرم کی طرح کانپتے ہوئے، نگاہیں جھکائے ہوئے خوف الٰہی سے لرزتے ہوئے قدم بڑھائیں۔عجز و نیاز کا احساس آپ پہ کچھ اس طرح چھاجائے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خیال نہ رہ جائے۔اس احساس یقین کے سائے میں آپ کی سانسیں چل رہی ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو رہے ہیں۔جب خانۂ کعبہ پہ پہلی نظر پڑے تو تین مرتبہ،اَللّٰہُ اَكْبَرُ،اور تین مرتبہ،لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰه، کہیں اور یہ دعا پڑھیں ''رَبَّنَا آتِنَا فِيْ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِيْ الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارْ.اَللّٰھُمَّ ھٰذَا بَيْتُكَ وَ اَنَاعَبْدُكَ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِيْ الدِّيْنِ وَالدُّ نْيَا وَالْاٰخِرَةِ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْ مِنَات'' اے اللہ تعالیٰ! یہ تیرا گھر ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔میں تجھ سے اپنے لیے،اپنے والدین کے لیے جملہ مومنین مومنات کے لیے دین و دنیا اور آخرت کی بھلائی کا طلبگار ہوں۔روایتوں میں آیا ہے کہ مومن کی پہلی نظر جب کعبۃ اللہ پر پڑتی ہے تو اس وقت مانگی ہوئی دعا رد نہیں ہوتی۔آپ چاہیں تو یہ دعا مانگ لیں۔یااللہ مجھے مستجاب الدعوات بنادے،اگر آپ نے تمتع کا احرام باندھا ہے تو سب سے پہلے آپ طواف عمرہ کریں اس طواف میں آپ اضطباع، رمل اور سعی کریں گے۔طواف شروع کرنے سے پہلے مرد ''اضطباع'' کرلیں۔چادر داہنے ہاتھ کی بغل سے نکال کر اس کے دونوں پلے بائیں کندھے پہ اس طرح ڈالیں کہ داہنا کندھا کھلا رہے۔ اب طواف کعبہ کے لیے تیار ہوجائیں طواف سے قبل طواف کی نیت کریں ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ

اُرِیۡدُ طَوَافَ بَیۡتِكَ الۡحَرَامِ فَیَسِّرۡہُ لِیۡ وَ تَقَبَّلۡهُ مِنِّیۡ ''اے میرے پروردگار! میں نے تیرے محترم گھر کے طواف کا ارادہ کیا ہے۔ تو میرے لیے اسے آسان فرما اور میری جانب سے اسے قبول کر لے۔ خانۂ کعبہ کے قریب پہنچ کر حجر اسود والے کونے سے رکن یمانی کی جانب تھوڑا آگے بڑھ کر خانۂ کعبہ کی جانب چہرہ کر کے کھڑے ہو جائیں۔ (آپ کی آسانی کے لیے جو اسود کے مقابل بالائی منزل میں روشنی کا اشارہ دیا گیا ہے) نیت کے بعد اب آپ اپنی داہنی طرف اس طرح مڑ جائیں کہ خانۂ کعبہ آپ کی بائیں جانب ہو جائے اب بسم اللہ پڑھ کر قدم کو حرکت دیں چند ہی قدم کے بعد آپ حجر اسود کے سامنے پہنچ جائیں گے۔ وہاں پہنچ کر آپ اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اس طرح اٹھائیں کہ ہتھیلیاں حجر اسود کی طرف رہیں اور یہ دعا پڑھیں ''بِسۡمِ اللّٰهِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ اَکۡبَرُ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِ اللّٰهِ ''اس کے بعد چاندی کے کٹہرے میں منھ ڈال کر حجر اسود کو اس طرح بوسہ دیں کہ چومنے کی آواز نہ نکلے تین مرتبہ ایسا کریں حجر اسود کو بوسہ دیتے ہی تلبیہ موقوف کر دیں اگر یہ موقع مل جائے تو سبحان اللہ۔ کیوں کہ جس مقدس پتھر سے آپ کے ہونٹ مس ہو رہے ہیں آپ یقین کریں کہ یہ وہی مقام ہے جس سے ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لبہائے اقدس مس ہوئے تھے ایک مومن کی اس سے بڑی نیک بختی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اگر بھیڑ کے سبب اس کا موقع نہ ملے تو دوسروں کو اذیت نہ پہنچائیں نہ ہی خود کو تکلیف میں ڈالیں بلکہ ہاتھ سے چھو کر ہاتھ چوم لیں اگر ہاتھ نہ پہنچ سکے تو کسی لکڑی سے چھو کر اسے چوم لیں اگر اس کا موقع بھی نصیب نہ ہو تو ہاتھوں سے اس کی جانب اشارہ کر کے اسے چوم لیں۔ طواف کرتے ہوئے جب آپ رکن یمانی کے سامنے پہنچیں تو اسے بھی دونوں ہاتھوں سے یا داہنے ہاتھ سے چھو کر چوم لیں جب اس سے آگے بڑھیں اور مستجاب کے سامنے پہنچیں تو یہاں بھی اپنے لیے اور جملہ اہل اسلام کے لیے دعائے خیر و عافیت کریں۔ یہ بات یاد رکھیں کہ طواف کے لیے پہلی مرتبہ جس مقام سے آپ نے چلنا شروع کیا ہے خانۂ کعبہ کے گرد گھومتے ہوئے اس مقام پہ جب پہنچ جائیں تو اسے ایک چکر کہا جائے

گااس طرح آپ کو سات چکرلگانے ہیں ہر چکر حجر اسود کے استلام سے شروع ہوگا اور اسی پہ ختم ہوگا اس طرح سات چکروں میں حجر اسود کے استلام کی تعداد آٹھ ہوگی اس طواف میں مرد حضرات پہلے تین چکروں میں رمل کریں یعنی شانہ ہلاتے ہوئے تیز تیز اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھائیں۔کودنا اور دوڑنا نہیں۔رمل میں خود کو یا دوسرے کو تکلیف ہوتی ہو تو اتنی دیر رمل ترک کر دیں لیکن طواف بدستور جاری رکھیں رکیں نہیں۔طواف سے فارغ ہونے کے بعد آپ اضطباعی حالت سے نکل آئیں اور چادر اس طرح کندھوں پر ڈال لیں کہ دونوں کندھے چھپ جائیں پھر مقام ابراہیم پر آئیں ''وَاتَّخِذُوْا مِن مَّقَامِ اِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى '' پڑھ کر یہاں دو رکعت نماز طواف کی نیت سے ادا کریں پہلی رکعت میں اَلْحَمْدُ کے بعد قُلْ يَا اَيُّهَا الْكٰفِرُوْن اور دوسری رکعت میں اَلْحَمْدُ کے بعد قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ کی تلاوت کریں یہ نماز ہر طواف کے بعد واجب ہے۔اگر وقت مکروہ ہو تو اس کے نکل جانے کے بعد ادا کریں۔روایتوں میں آیا ہے کہ جو مسلمان مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعتیں ادا کرلے اس کے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔اگر ہجوم کے سبب آپ کو مقام ابراہیم پہ نماز پڑھنے کا موقع نہ مل سکے تو مسجد حرام میں جہاں بھی ادا کرلیں گے واجب ساقط ہوجائے گا۔نماز اور دعا سے فارغ ہوکر ملتزم کے پاس آئیں۔ملتزم خانۂ کعبہ کے دروازے اور رکن اسود کے درمیان کی دیوار کو کہتے ہیں۔وہاں پہنچ کر کبھی دیوار سے لپٹیں، کبھی اپنا سینہ اور پیٹ اس سے ملیں، کبھی اپنا داہنا رخسار کبھی بایاں کبھی اپنا منھ اس پر رکھیں اور اپنے دونوں ہاتھ سر سے اونچے کر کے دیوار پر پھیلائیں ایک محتاج، ذلیل بھکاری اور سائل کی طرح اپنے مالک کی چوکھٹ پہ کھڑے ہوکر دارین کی سعادتیں طلب کریں۔اپنے گناہوں پہ شرمسار ہوکر پھوٹ پھوٹ کر روئیں، بلک بلک کر آہ وزاری کریں اس مالک الملک کی بارگاہ میں عاجزی کی تصویر بن کر مغفرت کی بھیک مانگیں اور اس طرح مچل مچل کر فریاد کریں کہ آج آپ کو آپ کی مغفرت و بخشش کی نوید مل جائے۔ملتزم کی خاص دعا یہ ہے ''يَا وَاجِدُ يَا مَاجِدُ لَا تُزِلْ عَنِّيْ نِعْمَةً اَنْعَمْتَهَا عَلَيَّ''۔

روایتوں میں آیا ہے کہ آقائے کونین ﷺ نے فرمایا کہ میں اکثر جبریل کو دیکھتا ہوں کہ وہ ملتزم سے لپٹے ہوئے یہ دعا مانگ رہے ہیں۔

نوٹ: نماز طواف کے بعد ملتزم پہ آنا اس طواف کے ساتھ خاص ہے جس کے بعد سعی ہے۔اور جس طواف کے بعد سعی نہیں اس میں نماز طواف سے پہلے ملتزم سے لپٹیں پھر مقام ابراہیم پہ دو رکعتیں نماز طواف ادا کریں۔

ملتزم پہ دعا سے فارغ ہونے کے بعد زم زم پر آئیں اور کعبہ شریف کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو کر تین سانسوں میں پیٹ بھر کر آب زم زم پئیں ہر مرتبہ بسم اللہ سے شروع کریں اور الحمدللہ پہ ختم کریں۔ پینے کے بعد پانی کا کچھ حصہ بدن اور سر پہ ڈال لیں لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ زمین پہ نہ گرے۔اس وقت جو مرضی ہو دعا کریں کہ یہ قبولیت دعا کی گھڑی اور مقام ہے ۔روایتوں میں آیا ہے کہ زم زم شریف جس نیک مقصد سے پیا جائے وہ پورا ہوتا ہے۔

زم زم شریف سے سیراب ہونے کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کی تیاری کریں۔ سعی شروع کرنے سے قبل حجر اسود کے پاس آئیں اور اسی طرح بوسہ لیں اگر اس کا موقعہ نہ مل سکے تو اس کی جانب منہ کر کے ۔''اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ'' اور درود شریف کا ورد کرتے ہوئے فوراً باب الصفا سے صفا کی طرف قدم بڑھائیں پہلے بایاں پاؤں باہر نکالیں صفا کی سیڑھیوں پہ چڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھیں۔اَبْدَاُ بِمَا بَدَاَ اللّٰهُ بِهٖ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ'' پھر کعبۃ اللہ کی جانب چہرہ کر کے دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک دعا کی طرح پھیلائے ہوئے اٹھائیں اور اتنی دیر تک اٹھائے رکھیں جتنی دیر میں سورۂ بقر کی پچیس آیات کی تلاوت کی جاسکتی ہے۔ یہ مقام بھی قبولیت دعا کا ہے لہٰذا نہایت عاجزی ،رقت قلب اور خشوع وخضوع کے ساتھ اپنے لیے، اہل خانہ کے لیے اور جملہ اہل اسلام کے لیے دین و دنیا میں خیر و فلاح کی دعائیں مانگیں۔دوران دعا اپنی ہتھیلیاں آسمان کی جانب کھلی رکھیں۔ دعا مکمل کرنے کے بعد ہاتھ گرالیں اور سعی کی نیت

کریں۔ ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ السَّعْیَ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَ تَقَبَّلْہُ مِنِّیْ
''اے مرے پروردگار! میں نے صفاومروہ کے درمیان سعی کا ارادہ کیا ہےتوتو میرے لیے اسے آسان فرمااور میری جانب سے اسے قبولیت سے نواز۔

نیت کے بعد صفا سے اتر کر درود شریف کا ورد کرتے ہوئے حسب عادت میانی رفتار سے مروہ کی طرف چلیں۔ جب پہلا سبز پتھر آئے تو وہاں سے دوڑنا شروع کریں اور دوسرے سبز پتھر پہ دوڑنا موقوف کر دیں اور میانہ روی سے مروہ تک پہنچیں۔ مروہ پہنچنے کے بعد پہلے زینے پہ کھڑے ہوکر کعبہ کی جانب رخ کر کے اسی طرح اتنی ہی دیر تک دعا میں مشغول رہیں۔ صفاومروہ کے درمیان یہ ایک چکر مکمل ہوا اسی طرح مزید چھ چکر اور لگائیں اور ہر مرتبہ دوسبز پتھروں کے درمیان دوڑیں۔ باقی مسافت میانہ روی سے طے کریں۔ ہر چکر میں صفااور مروہ پہ پہلے چکر کی طرح دعائیں بھی مانگیں۔ سعی کے بعد دورکعتیں نماز ادا کرلیں اگر وقت مکروہ نہ ہوتو۔ آپ نے اگر حج تمتع کی نیت کی ہےتو صفاومروہ کے درمیان سات چکر لگانے کے بعد سر منڈالیں یابال ترشوالیں اب آپ احرام سے نکل گئے او وہ تمام پابندیاں جو احرام باندھ لینے کے بعد نافذ ہوئی تھیں ختم ہوگئیں۔ آپ مکہ مکرمہ میں ساتویں ذوالحجہ تک جب تک قیام کریں بغیر رمل، اضطباع اور سعی نفلی طواف کرتے رہیں بیرونی حضرات کے لیےاس سے بہتر عبادت نہیں اور نفلی طواف میں بھی ہر سات چکر پہ مقام ابراہیم پہ دورکعتیں نماز طواف ضرور ادا کریں۔ آٹھویں ذوالحجہ کو یوم الترویہ کہتے ہیں۔ متمتع حضرات چونکہ عمرہ کرنے کے بعد احرام کھول چکے ہیں۔ لہٰذا آج صبح غسل کریں۔ احرام کی سنتیں ادا کریں۔ احرام باندھیں اور مسجد حرام میں دورکعتیں نماز طواف ادا کریں اور پھر حج کی نیت کریں۔ ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَ تَقَبَّلْہُ مِنِّیْ نَوَیْتُ الْحَجَّ وَ اَحْرَمْتُ بِہٖ مُخْلِصاً لِلّٰہِ تَعَالٰی'' ترجمہ: اے اللہ تعالیٰ! میں نے حج کا ارادہ کرلیا ہےتو ،تو میرے لیےاس کی ادائیگی آسان فرمادے اور میری جانب سے اسے قبول فرما۔ میں نے حج کی نیت کی اور اس کے لیے احرام باندھا مولا! تیری رضا کے لیے۔ نیت کے کلمات کہنے

کے بعد مرد حضرات بلند آواز سے اور خواتین دھیمی آواز سے تین مرتبہ تلبیہ کہیں تلبیہ کہتے ہی آپ پہ احرام کی پھر وہی تمام پابندیاں نافذ ہو گئیں ۔ آپ چاہیں تو ایک نفلی طواف اس طرح کر لیں کہ اس میں اضطباع، رمل اور صفا و مروہ کے درمیان سعی ہو۔ اس صورت میں طواف زیارت کے وقت آپ کے لیے ایک سادہ طواف کافی ہوگا جس میں نہ اضطباع نہ رمل اور نہ ہی سعی کی ضرورت ہوگی ۔ اب تلبیہ کہنے کا سلسلہ دسویں ذوالحجہ کو رمی جمار کے وقت ختم ہوگا۔ آج ہی آپ طلوع آفتاب کے بعد منیٰ روانہ ہو جائیں ۔ نماز ظہر کے وقت تک منیٰ پہنچ جائیں ۔ آٹھویں ذوالحجہ کو ظہر سے لے کر نویں ذوالحجہ کی فجر تک پانچ وقت کی نمازیں منیٰ میں ادا ہوں گی ۔ اگر توفیق ہو تو منیٰ اور عرفات کا راستہ پیدل طے کریں کہ ہر قدم پہ سات کروڑ نیکیاں نامۂ اعمال میں تحریر کی جائیں گی ۔ مکہ مکرمہ سے منیٰ کی دوری ۸ رکلومیٹر اور منیٰ سے عرفات کی دوری ۱۶ رکلومیٹر ہے ۔ منیٰ پہنچ کر مسجد خیف میں پانچ وقت کی نمازیں ادا کریں ۔ اگر مسجد میں نماز ادا کرنے کا موقع نہ ملے تو منیٰ میں جہاں آپ کی قیام گاہ ہے وہیں نماز ادا کر لیں ۔ نویں ذوالحجہ کی رات بہت عظمتوں، برکتوں اور خیرات وسعادت کی رات ہے اس لیے یہ رات عبادت، تلاوت، مناجات اور اوراد و اذکار میں مشغول رہ کر گزاریں ۔

نویں ذوالحجہ کی ایک خاص دعا:

آقائے کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نویں ذوالحجہ کی رات میں یہ دعا ایک ہزار مرتبہ پڑھ کر جو جائز دعا مانگے وہ یقیناً رد نہ ہوگی ۔ ’’سُبْحَانَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ عَرْشُهٗ سُبْحَانَ الَّذِیْ فِی الْاَرْضِ مَوْطِئُهٗ سُبْحَانَ الَّذِیْ فِی الْبَحْرِ سَبِیْلُهٗ سُبْحَانَ الَّذِیْ فِی النَّارِ سُلْطَانُهٗ سُبْحَانَ الَّذِیْ فِی الْجَنَّةِ رَحْمَتُهٗ سُبْحَانَ الَّذِیْ فِی الْقَبْرِ قَضَائُهٗ سُبْحَانَ الَّذِیْ فِی الْهَوَآءِ رُوْحُهٗ سُبْحَانَ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمَآءَ سُبْحَانَ الَّذِیْ وَضَعَ الْاَرْضَ سُبْحَانَ الَّذِیْ لَا مَلْجَاءَ وَلَا مَنْجیٰ اِلَّا اِلَیْهِ ۔‘‘

نویں ذوالحجہ کو یوم عرفہ ہے ۔ ایام حج میں یہ ایک عظیم دن ہے ۔ مستحب وقت میں مقام منیٰ میں نماز فجر ادا کریں ۔ بعد نماز لبیک، اوراد و اذکار اور درود شریف میں مصروف رہیں ۔

جب آفتاب کچھ بلند ہوجائے تو عرفات کے لیے روانہ ہوجائیں۔دوپہر ڈھلتے ہی مقام عرفات میں ظہر وعصر کی نمازیں ایک ساتھ ادا کریں۔نماز سے فارغ ہوکر میدان عرفات میں جہاں جگہ مل جائے کھڑے ہوکر سچے دل سے اپنے مولا کی جانب متوجہ ہوجائیں۔ میدان قیامت میں حسابِ اعمال کے لیے اپنے رب کی بارگاہ میں حاضری کا تصور کریں۔ نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ لرزتے کانپتے ہوئے سر جھکائے عاجزی وغلامی کی تصویر بنے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگیں۔ڈوب جائیں توبہ واستغفار میں پھوٹ پھوٹ کر روئیں کوشش کریں کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکے کہ یہ قبولیت کی پہچان ہے اپنے گناہوں پہ شرمندگی کا اظہار کریں۔غروب آفتاب تک رقت کے ساتھ دعا میں مشغول رہیں۔جب عرفات سے رخصت ہونے کا اعلان ہو آپ بھی نماز ادا کیے بغیر مزدلفہ کے لیے روانہ ہو جائیں۔مزدلفہ پہنچ کر اگر عشا کی نماز کا وقت داخل ہو چکا ہو تو مغرب وعشا کی نمازیں ایک ساتھ ادا کی نیت سے پڑھیں۔نماز کے بعد مکمل رات عبادت، ریاضت، دعا ومناجات میں گزاریں۔یہ رات بھی قبولیت دعا کے لیے بے پناہ اہم ہے۔

دسویں ذوالحجہ کو فجر کی نماز اول وقت میں ادا کریں اور اوراد واذکار میں مصروف ہو جائیں۔طلوع آفتاب سے اتنا پہلے منیٰ کے لیے روانہ ہوجائیں کہ دو رکعتیں ادا کرنے کا وقت باقی رہے رمی جمار کے لیے منیٰ سے کھجور کی گٹھلی کے برابر ۴۹ کنکریاں ساتھ لے لیں بلکہ کچھ زائد لے لیں۔کنکریاں دھولیں۔مزدلفہ سے منیٰ جاتے وقت راستے بھر اوراد واذکار، درود ولبیک سے اپنی زبان تر وتازہ رکھیں۔منیٰ پہنچ کر اس جمرے کے قریب آئیں جو مزدلفہ سے منیٰ جاتے ہوئے سب سے آخر میں ہے اور مکہ مکرمہ سے منیٰ آتے ہوئے سب سے پہلے ہے۔جمرے سے کم ازکم پانچ ہاتھ کے فاصلے پر کھڑے ہوکر باری باری سات کنکریاں اس طرح ماریں کہ کنکری چٹکی سے پکڑ کر سیدھا ہاتھ اوپر اٹھا کر ماریں۔پہلی کنکری مارتے ہی تلبیہ موقوف کردیں۔کنکری مارتے وقت دعا پڑھیں۔بہتر یہ ہے کہ کنکریاں جمرے تک پہنچیں۔زیادہ سے زیادہ تین ہاتھ کے فاصلے پہ گریں۔اگر کنکری گرنے میں فاصلہ تین ہاتھ

سے زیادہ ہوگیا تو یہ کنکری شمار نہ ہوگی اس کے بدلے ایک کنکری اور ماریں۔ آج اسی جمرے پہ کنکریاں مار کر لوٹ آئیں اور قربانی کریں۔ خیال رہے کہ یہ قربانی وہ نہیں جو ۱۰/۱۱ اور ۱۲/ذوالحجہ کو صاحب نصاب کی جانب سے سنت ابراہیمی کی تکمیل میں کی جاتی ہے۔ بلکہ یہ حج کا شکرانہ ہے جو حج تمتع اور قران کرنے والوں پہ واجب اور حج افراد ادا کرنے والے حضرات کے لیے مستحب ہے۔ قربانی سے فارغ ہوکر قبولیت حج وقربانی اپنے اور تمام اہل اسلام کی خیر وفلاح کی دعائیں رقت کے ساتھ دعا مانگیں۔ دعا کے بعد قبلہ کی طرف رخ کر کے بیٹھ جائیں اور حلق یا قصر کرائیں۔ اب آپ احرام سے نکل گئے اور جتنی جائز وحلال چیزیں آپ کے لیے احرام کے بعد حرام ہوگئی تھیں اب حلال ہوگئیں۔ لیکن ابھی بیوی سے قربت حرام ہے۔ اب احرام کھول دیں اور سلے ہوئے کپڑے پہن لیں۔ افضل یہ ہے کہ آج ہی طواف زیارت کے لیے نکل جائیں اور اسی لباس میں خانۂ کعبہ کا طواف کریں۔ اگر ہجوم کی وجہ سے دسویں ذوالحجہ کو طواف زیارت نہیں کر سکے تو گیارہ کو کرلیں یا بارہ کو کرلیں۔ اس کے بعد بلا عذر تاخیر کریں گے تو گناہ ہے۔ طواف زیارت کے بعد بیوی سے قربت بھی حلال ہوگئی۔ اگر آپ دس ذوالحجہ کو طواف زیارت کے لیے مکہ مکرمہ گئے ہیں تو شام ہوتے ہی منیٰ واپس آجائیں کیوں کہ ۱۰ اور ۱۱ ذوالحجہ کی راتیں منیٰ میں ہی گزاری جائیں گی۔

۱۱/ذوالحجہ: آج دوپہر کے بعد تینوں جمرات پہ سات سات کنکریاں مارنی ہیں۔ مسجد خیف کے پاس جو جمرہ ہے وہاں سے رمی جمار کا آغاز کریں۔ جمرۂ اولیٰ پہ کنکریاں مارنے کے بعد کچھ آگے بڑھ کر قبلہ رو کھڑے ہوجائیں اور ہتھیلیاں کعبہ شریف کی طرف پھیلا کر عاجزی ورقت کے ساتھ دعا واستغفار، حمد وثنا اور درود وسلام میں کچھ دیر مشغول رہ کر آگے بڑھیں اور جمرۂ وسطیٰ پہ اسی طرح کھڑے ہوکر سات کنکریاں ماریں اور پھر اسی انداز میں تھوڑا آگے بڑھ کر یہاں بھی اسی طرح کچھ دیر دعا ومناجات اور اوراد واذکار میں گزاریں۔ اس کے بعد آگے بڑھیں اور جمرۂ عقبہ پہ کھڑے ہوکر اسی طرح سات کنکریاں ماریں اور رمی جمار سے فارغ ہوتے ہی دعا مانگتے ہوئے الٹے پاؤں لوٹ آئیں۔ ٹھہریں نہیں۔

۱۲؍ذوالحجہ: جس طرح ۱۱؍ذوالحجہ کو آپ نے تینوں جمرات پہ رمی کی تھی پھر دونوں جمرات پہ بعد رمی دعا، استغفار اور اوراد واذکار و درود شریف میں مشغول ہوئے تھے اسی طرح آج بھی کرنا ہے۔ جمرۂ عقبہ پہ کنکریاں مارنے کے بعد دعا مانگتے ہوئے الٹے پاؤں لوٹ جانا ہے۔

نوٹ: دسویں ذوالحجہ کو دوپہر سے پہلے رمی جائز ہے۔ لیکن ۱۱ / ۱۲ ذوالحجہ کو دوپہر سے پہلے رمی جائز نہیں۔ ان دونوں دنوں میں دوپہر کے بعد سے لے کر صبح تک رمی کی جاسکتی ہے۔ رات میں رمی جائز ہے لیکن کراہت ہے۔

آج غروب آفتاب سے پہلے مکہ مکرمہ لوٹ آئیں۔ اگر ۱۲؍ذوالحجہ کو غروب آفتاب سے پہلے مکہ مکرمہ نہیں گئے تو اب رات منیٰ میں گزاریں اور پھر ۱۳؍ذوالحجہ کو دوپہر کے بعد اسی طرح تینوں جمرات پہ رمی کر کے مکہ مکرمہ لوٹ آئیں۔ الحمدللہ تعالیٰ حج کے تمام ارکان مکمل ہوگئے۔ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران جس قدر موقع میسر آئے عمرہ کرتے رہیں۔ کبھی اپنی جانب سے کبھی والدین کریمین کی طرف سے کبھی اساتذۂ عظام اور مشائخ ذوالاحترام کی جانب سے۔ مکہ شریف سے اتر جانب تین میل کے فاصلے پہ تنعیم نام کا ایک مقام ہے جو حدود حرم سے باہر ہے۔ آپ وہیں سے عمرے کے لیے احرام باندھیں۔ اس مقام پہ جو مسجد ہے اسے مسجد عائشہ کہتے ہیں وہیں احرام کی دو رکعتیں ادا کرلیں۔ جب مکہ مکرمہ سے رخصت ہونے کا وقت آئے تو طواف رخصت کی نیت سے خانۂ کعبہ کا طواف کریں۔ طواف کے بعد مقام ابراہیم پہ دو رکعتیں نماز طواف ادا کریں۔ یہ طواف حدود میقات سے باہر والوں کے لیے ہے۔ مکہ شریف اور میقات کے بعد والوں کے لیے یہ طواف نہیں۔ اگر کوئی حاجی طواف رخصت کیے بغیر مکہ مکرمہ سے چلا گیا تو حکم ہے کہ جب تک حدود میقات سے باہر نہیں گیا ہے لوٹ آئے۔ احرام باندھ کر لوٹے اور طواف رخصت کرے اگر میقات سے باہر چلا گیا تو اب لوٹنے کا حکم نہیں۔ بلکہ جرمانے میں قربانی کرے۔

نوٹ: حج میں چند امور وہ ہیں جن میں عورتوں کے لیے علیحدہ احکام ہیں۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے ''میلین اخضرین'' کے درمیان دوڑنا نہیں ہے، لبیک بلند آواز

سے نہیں کہنا ہے، طواف کے پہلے تین چکروں میں ''رمل'' کا حکم نہیں ہے، عورت اپنے سلے ہوئے کپڑے میں ہی ارکان حج ادا کرے وہی اس کا احرام ہے بشرطیکہ مکمل ستر پوشی ہو رہی ہو، سر چھپائے گی، انہیں سر پہ بستہ، بیگ وغیرہ اٹھانے کی اجازت ہے، گوند وغیرہ سے بال جمانا انہیں ممنوع نہیں، احرام سے نکلنے کے لیے عورتیں حلق نہیں کرائیں گی بلکہ بال تراش لیں گی، دستانے وموزے کا استعمال ان کے لیے ممنوع نہیں۔

ہدایت: (۱) ہوائی جہاز سے سفر کرنے کی صورت میں میقات سے گزرنے کی خبر نہیں ہوتی۔ لہٰذا احرام گھر یا ایئر پورٹ سے باندھ لیں اور وقت مکروہ نہ ہو تو دو رکعت نفل احرام بھی ادا کرلیں البتہ احرام کی نیت نہ کریں اور تلبیہ بھی نہ کہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ہوائی جہاز میں اپنی محفوظ سیٹ پہ بیٹھ جانے کے بعد نیت کریں اور تلبیہ کہیں۔ صرف احرام باندھ لینے سے آپ پہ احرام کی پابندیاں نافذ نہ ہوں گی۔ اس لیے ایئر پورٹ پہ اگر کسی نے آپ کو خوشبو دار پھولوں کے ہار پہنائے یا خوشبو لگائی تو کوئی قباحت نہیں۔ کبھی کبھی پرواز میں تاخیر بھی ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں بھی آپ احرام کی پابندیوں سے آزاد ہوں گے۔ ہاں! نیت کر کے جب آپ تلبیہ کہیں گے تو آپ محرم ہو گئے اور احرام کی تمام پابندیاں آپ پہ نافذ ہو گئیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ صرف نیت کافی نہیں جب تک آپ تلبیہ نہ کہیں۔ اسی طرح صرف تلبیہ کہنے سے بھی آپ محرم نہ ہوں گے جب تک آپ احرام کی نیت نہ کرلیں۔

(۲) اس سفر میں اگر آپ کا قیام مکہ شریف یا مدینہ شریف میں پندرہ دن یا اس سے زائد ہے تو آپ شرعاً مسافر نہیں۔ نماز مکمل ادا کریں گے اگر پندرہ دنوں سے ایک دن بھی کم قیام ہے تو آپ وہاں مسافر ہیں اور پھر آپ چار رکعت والی نماز دو رکعت ادا کریں گے۔ جب کہ امام مسافر کی اقتدا میں نماز ادا کریں یا تنہا پڑھیں۔ سنتیں اور وتر کی نمازیں ہر صورت میں مکمل ادا کریں۔

(۳) خواتین اس طرح کے دوپٹے سے سر ڈھانپیں کہ بالوں کی سیاہی نظر نہ آئے۔ عام حالات میں بھی اس طرح کے باریک دوپٹے میں غیر محرم کے سامنے آنا حرام ہے۔ احرام میں تو سخت حرام۔

(۴) ایام حج میں غیر محرم سے بچنے کے لیے خواتین دستی پنکھا یا گتا وغیرہ رکھ لیں جس سے وقت ضرورت پردہ کر لیں۔

(۵) خواتین مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کے لیے حاضری نہ دیں۔ان کے لیے قیام گاہ پہ ہی نماز کی ادائیگی میں زیادہ ثواب ہے۔جب بھیڑ کم ہو تو طواف کے لیے حاضری دیں۔اسی طرح جب ہجوم کم ہو تو روضۂ اقدس پر صلوٰۃ وسلام کے لیے حاضری دیں۔

(٦) خواتین بالخصوص ان ایام میں اس بات پہ توجہ دیں کہ کان یا کلائی کا چوتھائی حصہ کھلنا حرام ہے۔اس لیے بہتر یہ ہے کہ آستین کے کف میں ہک لگوا لیں۔تاکہ بے احتیاطی میں کلائی کھلے نہیں۔دیکھا گیا ہے کہ حجر اسود وغیرہ مقام پہ استلام میں بے احتیاطی کے سبب چوتھائی نہیں بلکہ پوری کلائی کھل جاتی ہے۔

(۷) خواتین ایام حیض میں صفا و مروہ کے درمیان سعی کریں گی۔طواف نہیں کر سکتیں اسی طرح وقوف عرفات، وقوف مزدلفہ، رمی جمار وغیرہ ان ایام میں کریں گی۔

(۸) خواتین ان مقدس مقامات پہ بھی مردوں سے الگ تھلگ رہیں۔اکثر خواتین نادانی اور لاعلمی میں حجر اسود، رکن یمانی چومنے یا خانۂ کعبہ کا قرب پانے کے لیے مردوں کے درمیان جا گھستی ہیں یہ بہت گناہ اور امر بے حیائی ہے۔

(۹) اکثر حضرات احرام کا تہبند ناف کے نیچے سے باندھتے ہیں۔بے احتیاطی میں اگر اوپر کی چادر پیٹ سے سرکی تو ناف اور ناف کے نیچے کا کچھ حصہ نظر آجاتا ہے۔جس سے ستر دری ہوتی ہے جو حرام ہے۔خیال رہے کہ مرد کے لیے ناف سے گھٹنے تک کا حصہ عورت ہے جس کا چھپانا فرض اور کھولنا حرام ہے۔احرام میں ہو یا احرام سے باہر۔عام طریقے پہ لوگ مسجد حرام کو ہی حرم شریف تصور کرتے ہیں، جب کہ ایسا نہیں۔حرم شریف مکہ مکرمہ سمیت اس کے اردگرد میلوں تک پھیلا ہوا ہے۔

(۱۰) مسجد حرام، مسجد نبوی یا اور کسی بھی مسجد میں داخل ہوں تو دخول مسجد کی دعا کے ساتھ اعتکاف کی نیت ''نَوَیْتُ سُنَّةَ الْاِعْتِكَافْ'' کر لیں اس سے اگر ایک طرف آپ

اعتکاف کا ثواب پائیں گے وہیں ضمناً آپ کے لیے کھانا، آب زم زم پینا اور سونا بھی جائز ہو جائے گا۔

(۱۱) ارکان حج کی ادائیگی میں ہجوم کے سبب کسی کو آپ سے اذیت نہ پہنچے۔ مثلاً دھکا وغیرہ نہ لگے۔ بالخصوص حجر اسود وغیرہ کو بوسہ دینے میں کہ یہ سنت ہے اور کسی مسلمان کو قصداً اذیت پہنچانا حرام۔ حرم شریف میں اگر ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے تو ایک گناہ کا عذاب بھی ایک لاکھ گناہ کے مساوی۔

(۱۲) مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی نمازیں اس طرح ادا کریں کہ اذان و اقامت کے بعد پہلے مغرب کی تین رکعتیں ادا کریں اس کے فوراً بعد عشاء کی دو رکعتیں فرض پڑھیں پھر مغرب کی سنت اس کے بعد عشاء کی سنت اور وتر ادا کریں۔

(۱۳) جن حضرات کے سر پہ بال نہ ہوں یا قدرتی طور پہ جن کا سر گنجا ہو تو حلق کے لیے انہیں استرا پھیرنا یا پھروانا واجب ہے۔

(۱۴) موقف میں ہر طرح کے سائے سے بچیں یہاں تک کہ چھاتا بھی استعمال نہ کریں۔

(۱۵) رمی جمار کے عمل سے گزرتے ہوئے خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔ چونکہ یہاں ہجوم زیادہ ہوتا ہے۔ کنکریاں نیچے سے بھی ماری جاسکتی ہیں اوپر سے بھی۔ اوپر سے آپ کو زیادہ سہولت ہوگی۔ ہجوم میں اگر آپ کی کوئی چیز گرے تو اسے اٹھانے کی ہرگز ہرگز کوشش نہ کریں۔

(۱۶) صفا و مروہ کی توسیع ہو چکی ہے۔ آپ اصل مسعیٰ یعنی قدیم حصے میں سعی کریں۔

(۱۷) طواف کعبہ کے عمل سے گزرتے ہوئے بعض حضرات رمل کا فریضہ انجام دینے میں کودتے اور دوڑتے ہیں یہ خلاف سنت ہے۔

(۱۸) رکن یمانی کو بوسہ دینے یا چھونے میں اس بات کا دھیان رکھیں کہ قدم اور سینہ کعبہ شریف کی طرف نہ ہو۔ اگر چومنے یا چھونے کا موقع نہ ملے تو یہاں ہاتھوں کا چومنا سنت نہیں، اکثر حضرات ایک دوسرے کی نقل میں رکن یمانی کی طرف دور سے ہاتھ لہراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ درست طریقہ نہیں۔

(۱۹) طواف میں حجر اسود پہ پہنچنے سے پہلے یہاں بھی بعض حضرات ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی دور سے ہاتھ لہراتے ہوئے گزرتے ہیں یہ بھی غلط طریقہ ہے۔

(۲۰) طواف کے بعد ''مقام ابراہیم'' پہ جو دو رکعتیں نماز طواف ادا کی جاتی ہیں۔ اکثر حضرات کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اضطباع کی حالت میں یعنی مونڈھا کھلا ہوتا ہے اور نماز ادا کرتے ہیں یہ درست نہیں۔ اس حال میں نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ یعنی دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔ طواف کے بعد آپ احرام کی چادر درست فرمالیں اور مونڈھا ڈھانپ لیں۔

(۲۱) جس طواف کے بعد سعی ہے اضطباع اسی میں ہے۔ جس طواف کے بعد سعی نہیں اس میں اضطباع نہیں۔

(۲۲) صفا پہ اتنا چڑھیے کہ کعبہ معظّمہ نظر آجائے۔ زیادہ اوپر تک چڑھنا خلاف سنت ہے۔ بعض حضرات صفا پہ کھڑے ہوکر کعبہ شریف کی طرف ہتھیلیاں کرتے ہیں۔ بعض ہاتھ لہراتے ہیں یہ سب خلاف سنت ہیں۔ یہاں بھی دعا کی طرح ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھا کر کعبہ شریف کی جانب رخ کر کے دیر تک دعا مانگیں۔

(۲۳) ''میلین اخضرین'' کے درمیان دوڑنے میں تہذیب وشائستگی کا مظاہرہ کریں بے تحاشہ نہ دوڑیں۔

(۲۴) ''مروہ'' پہ بھی بعض حضرات دور اوپر تک چڑھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ ان کی نقل نہ کریں بلکہ سنت کے مطابق معمولی اونچائی پہ چڑھیں۔ بلکہ جہاں سے چک ماربل شروع ہوتے ہیں اس کے قریب کھڑے ہونے سے مروہ پہ چڑھنا ہوگیا۔ عمارات بن جانے کے سبب اب یہاں سے کعبہ شریف تو نظر نہیں آتا تاہم آپ کعبہ شریف کی طرف رخ کر کے ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھائے ہوئے دیر تک دعا میں مشغول رہیں۔

(۲۵) بعض حضرات عرفات میں ''جبل رحمت'' پہ چڑھ جاتے ہیں اور وہاں سے کھڑے ہوکر رومال ہلاتے رہتے ہیں یہ درست طریقہ نہیں۔

(۲۶) حج میں ہر مقام کے لیے الگ الگ دعائیں ہیں۔ اگر آپ انہیں یاد کر کے

درست پڑھ سکیں تو سبحان اللہ! اگر وہ دعائیں یاد نہ ہوسکیں تو ہر مقام اور ہر چکر پہ درود غوثیہ کا ورد کریں اور یہ دعائے جامع پڑھیں۔

درود غوثیہ: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِ نَاْ وَ مَوْلَاْنَاْ مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِوَ الْکَرَمِ وَ اٰلِہٖ الْکِرَامِ وَ صَحْبِہٖ الْعِظَامِ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن

دعائے جامع: رَبَّنَا اٰتِنَاْ فِیْ الدُّ نْیَاْ حَسَنَۃً وَّ فِیْ الْاٰ خِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّاْرْ۔

(۲۷) ہر مقام پہ دعا مانگنے میں اس بات کا اہتمام کریں کہ دعا سے پہلے اور دعا کے بعد درود شریف کا ورد کریں۔

امام ترمذی کی روایت ہے کہ ''ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف فرما تھے۔ ایک شخص آئے انہوں نے نماز ادا کی اور یوں دعا مانگی، اے اللہ تعالیٰ! میری مغفرت فرما دے۔ مجھ پہ رحم فرما۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے نمازی! تم نے بہت عجلت سے کام لیا۔ جب تم نماز پڑھ لوتو بیٹھو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرو اور ''صَلِّ علیَّ'' اور مجھ پہ درود وسلام کا نذرانہ پیش کرو پھر دعا کرو۔ پھر دوسرے شخص آئے انہوں نے بھی نماز ادا فرمائی۔ نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہ درود پڑھا۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اے نمازی! اب دعا مانگو مقبول بارگاہ خداوندی ہوگی۔'' یقیناً درود شریف ہماری دعاؤں کی قبولیت کا تعویذ ہے۔

مدینہ منورہ کی حاضری:

اب کاروان شوق اور قافلۂ محبت اس مقدس دیار کی جانب کوچ کرنے کے لیے تیار ہے جس کی خاک رہگذر بھی عقیدتوں کی کہکشاں ہے۔ اب انداز جنوں خیز کو دیوانگی کی حدوں سے باہر نکلنے اور فرزانگی کی دہلیز پہ قدم رکھنے کا حکم دیں کہ یہ محبوب خدا کی بارگاہ ناز ہے۔ جہاں سید الملائکہ حضرت سیدنا جبرئیل علیہ السلام دست بستہ حاضر رہا کرتے تھے۔ جہاں فرشتوں کا قافلہ صبح وشام جاروب کشی کے لیے حاضر رہتا ہے۔ یہ وہ حریم ناز ہے جہاں سے شفاعت کا مژدہ اور مغفرت کی تسکین ملتی ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

سرکاردو عالم ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت خوش بخت مسلمان کی تو دیرینہ تمنا اور آرزو ہے۔ یہی حاضری تو ایمان کی جان اور روح کا قرار ہے۔ سرکاردو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب اور ضروری ہوگئی۔'' (دارقطنی، بیہقی) ایک مقام پہ آقا ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا۔ ''جس سے ہو سکے کہ وہ مدینہ میں مرے تو وہ مدینہ ہی میں مرے کہ جو شخص مدینہ میں وفات پائے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔'' (طبرانی کبیر) ایک دوسرے مقام پہ یوں ارشاد نبوی علیہ التحیۃ والثنا ہے: ''جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو ایسا ہی ہے جیسے میری حیات ظاہری میں زیارت کی۔'' (دارقطنی، طبرانی) ایک مقام پہ سخت لب و لہجے میں فرمایا: ''جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔''

سرکاردوعالم ﷺ کے روضۂ اقدس پہ حاضری اور اس کی زیارت واجب کے قریب ہے۔ حکم شرعی یہ ہے کہ روضۂ اقدس پہ حاضری میں خالص زیارت اقدس کی نیت کرے۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس مرتبہ مسجد شریف کی نیت بھی شامل نہ کرے۔ اگر آپ پہ حج فرض ہے تو حج کے ارکان ادا کر کے مدینہ منورہ حاضر ہوں۔ اگر مدینہ راستے میں ہو تو بغیر زیارت روضۂ اقدس حج کے لیے جانا سخت محرومی اور قساوت قلبی ہے۔ سرکاردوعالم ﷺ کے روضۂ اقدس کی حاضری کو قبول حج اور دارین کی سعادتوں کا وسیلہ تصور کرے۔ اگر آپ نفل حج کے ارادے سے گئے ہیں۔ آپ چاہیں تو پہلے حج کے ارکان ادا کر لیں اور مکمل صاف ستھرے ہو جائیں پھر سرکاردوعالم ﷺ کے روضۂ اقدس پہ حاضری کی سعادتیں حاصل کریں یا پہلے سرکاردوعالم ﷺ کے روضۂ اقدس پہ حاضری کی سعادتیں حاصل کریں اور حج کرنے سے قبل حج کی مقبولیت کا وسیلہ اس حاضری کو بنائیں پھر حج کے ارکان ادا کریں۔

زائر کے لیے ضروری ہے کہ حاضر بارگاہ نبوی علیہ التحیۃ والثنا ہونے سے پہلے مسواک

کرے، غسل کرے، سرمہ لگائے، اگر ممکن ہو تو نیا لباس زیب تن کرے، خوشبو لگائے، پھر ادب و احترام کی تصویر بن کر سلطان کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کے لیے روانہ ہو۔ حرم نبوی علیہ التحیۃ والثنا میں داخل ہونے کے لیے بہت سارے دروازے ہیں۔ انہی میں ایک دروازہ باب جبرئیل سے موسوم ہے۔ ان کی اقتدا و پیروی میں کم از کم پہلی حاضری کے لیے باب جبرئیل کا انتخاب کرے نہایت ادب و احترام کے ساتھ نگاہیں جھکائے ہوئے روضۂ اقدس کی جالی شریف کے قریب پہنچیں۔ دونوں ہاتھ بندھے ہوئے ہوں۔ فقہاء نے فقہ کی معروف کتابوں مثلاً لباب، شرح لباب، اختیار شرح مختار، فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں بارگاہ نبوی علیہ التحیۃ والثنا کی حاضری کے آداب کی تصریح فرماتے ہوئے لکھا ہے ''كَمَا يَقِفُ فِي الصَّلٰوةِ'' یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ ناز میں اس طرح کھڑا ہو جس طرح نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔ یہ عبارت عالمگیری و اختیار کی ہے۔ لباب میں مزید وضاحت کے ساتھ ہے ''وَاضِعاً يَمِيْنَهٗ عَلٰى شِمَالِه'' یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری دینے والا حاضر ہو تو دست بستہ داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پہ رکھ کر کھڑا ہو۔

دل سلطان کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و توقیر سے لرزہ براندام ہو۔ پورا وجود غلامی کی تصویر بنا ہوا ہو تو درود و سلام کا نذرانہ پیش کرلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر ان کی اطاعت میں ہے لیکن روضۂ انور کا طواف نہ کریں، نہ سجدہ کریں اور نہ اتنا جھکیں کہ حد رکوع میں داخل ہو جائے۔ جالی شریف میں تین دائرے ہیں۔ پہلا دائرہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مواجہہ شریف ہے یعنی یہ دائرہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخ اقدس کے مقابل ہے۔ پھر اس سے ذرا ہٹ کر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مواجہہ شریف ہے وہاں سلام پیش کرے پھر اس سے ذرا ہٹ کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مواجہہ شریف ہے وہاں سلام پیش کرے۔ اس کے بعد سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواجہہ شریف کے قریب آ کر درود و سلام پیش کرے اس کے بعد توبہ و استغفار کر کے شفاعت کی درخواست پیش کرے۔ اس کے علاوہ اور بھی جو گزارشات ہوں وہ اپنے آقا و مولا کی بارگاہ میں پیش کرے۔ زائر کے لیے

ضروری ہے کہ وہ ہر وقت یہ عقیدہ رکھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمہ وقت اپنی تربت شریف میں حیات حقیقی و جسمانی کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ وہ ہمارے صلوٰۃ وسلام سن رہے ہیں اور ہماری ایک ایک نقل وحرکت پہ بھی نظر ہے۔ امام محمد بن حاج مکی اپنی کتاب مدخل میں اور امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ میں، دیگر ائمۂ دین نے اپنی اپنی تصانیف میں فرمایا ہے ’’لَا فَرْقَ بَيْنَ مَوْتِه وَحَيَاتِه صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مُشَاهِدَةٍ لِاُمَّتِه وَمَعْرِفَةٍ بِأَحْوَالِهِمْ وَنِيَّاتِهِمْ وَ عَزَائِمِهِمْ وَ خَوَاطِرِهِمْ وَ ذٰلِكَ عِنْدَهٗ جَلِيٌّ لَا خِفَاءَ بِه‘‘ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات و وفات میں اس بات میں کچھ فرق نہیں کہ حضور اپنی امتوں کو دیکھ رہے ہیں ان کی حالتوں، ان کی نیتوں، ان کے ارادوں اور ان کے دلوں کے خیالات تک پہچانتے ہیں۔ یہ سب حضور پہ اس طرح روشن ہیں جس میں کوئی پوشیدگی نہیں۔

امام محقق ابن ہمام منسک متوسط میں اور علی قاری مکی اس کی شرح مسلک میں رقمطراز ہیں۔ ’’اَنَّهٗ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَالِمٌ بِحُضُوْرِكَ وَ قِيَامِكَ وَسَلَامِكَ اَیْ بَلْ بِجَمِيْعِ اَفْعَالِكَ وَاَحْوَالِكَ وَارْتِحَالِكَ وَمَقَامِكَ‘‘ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری حاضری تمہارے کھڑے ہونے، تمہارے سلام بلکہ تمہارے تمام احوال و افعال کوچ اور جائے قیام سے باخبر ہیں۔ روضۂ اطہر کے قریب اول تو کسی سے گفتگو نہ کرے اور ناگزیر حالات میں کرے بھی تو نہایت آہستہ اور درود وسلام پیش کرنے میں بھی اس حزم و احتیاط کا لحاظ و پاس رکھے اس لیے کہ بارگاہ نبوی علیہ التحیۃ والثناء میں بلند آواز سے بولنے پر پابندی اور سزا میں اعمال کے ملیا میٹ ہو جانے کا خطرہ ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اقدس کی جالی شریف کو ہرگز ہرگز چھونے یا بوسہ دینے کی جسارت نہ کریں اور یہ اس لیے نہیں کہ معاذ اللہ! چھونا یا بوسہ دینا شرک اور بدعت ہے بلکہ اس احساس ندامت کے تحت کہ یہ گنہگار ہاتھ گناہ کی نجاستوں کے سبب اس لائق کہاں کہ اس پاک ومقدس جالی کو چھوئیں یا بوسہ دیں۔

زائرین کو چاہئے کہ دوران قیام مدینہ امینہ مسجد نبوی علیہ التحیۃ الثناء اور روضۂ اقدس پر

کثرت سے حاضری دیں اور درود وسلام کثرت سے پڑھیں۔ نوافل کا خوب اہتمام کریں کہ مسجد نبوی علیہ التحیۃ والثناء میں ادا کی جانے والی ہر نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ملتا ہے۔ روزوں کے لیے موقعہ ہو تو وہ بھی رکھ لیں کہ یہاں کے ایک روزے کا ثواب پچاس ہزار روزوں کے برابر ہے۔ یوں تو مسجد نبوی علیہ التحیۃ والثناء کا ہر گوشہ برکات آثار ہے۔ لیکن بعض حصے کچھ ایسی خصوصیات کے حامل ہیں کہ ان کی عظمتوں پر دل وجان قربان ہیں۔

آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے منبر اور قبر شریف کے درمیان جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ اس لیے نوافل کی ادائیگی کے لیے اس حصے کا انتخاب کریں جسے ''روضۃ الجنۃ'' کہتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ نوافل ان حصوں میں ادا کریں۔ ترک سلاطین کے عہد حکومت میں مسجد نبوی علیہ التحیۃ والثناء کی تعمیر میں ستونوں پر ان کی خصوصیات تحریر کردی گئی ہیں۔ مثلاً ایک ستون ہے جس پر ستون عائشہ تحریر ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس ستون کے قریب ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نماز تہجد ادا فرماتی تھیں۔ ایک ستون حضرت ابولبابہ سے موسوم ہے۔ یعنی وہ ستون ہے جس سے حضرت سیدنا ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باندھے گئے اور اسی مقام پر ان کی توبہ کو شرف قبول حاصل ہوا۔ اس طرح بہت سارے ستونوں کی عبارتیں ان کی تاریخی شہادتیں پیش کررہی ہیں۔ ان مقامات پر نوافل کی ادائیگی میں ایک خاص روحانی کیفیت اور لذت کا احساس ذوق ایمانی کو حاصل ہوتا ہے پھر ان مقامات سے منسوب شخصیات کے ساتھ نسبت ووابستگی کا شرف وافتخار بھی حاصل ہوتا ہے۔

مدینہ منورہ میں قیام کے دوران جنت البقیع میں کثرت سے حاضری کی سعادتیں حاصل کریں۔ یہیں حضرت سیدنا عثمان غنی، ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ، خاتون جنت حضرت سیدتنا فاطمہ، نواسۂ رسول حضرت سیدنا حسن، سیدنا عبداللہ بن مسعود، سیدنا امام مالک رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آسودۂ خاک ہیں۔ اسی پاک سرزمین پر بہت سارے اصحاب کرام اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہیتے اور لاڈلے مدفون ہیں۔ پہلے تمام مزارات پر قبے

اورنشانات تھے۔لیکن موجودہ سعودی حکومت نے انہیں مسمار کرکے زمین کے برابر کردیا۔ اب پتانہیں چلتا کہ کہاں مزارات تھے کہاں نہیں۔اس لیے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اندر داخل ہونے کی بجائے باہرہی سے فاتحہ خوانی اورزیارت کی سعادتیں حاصل کرلیں۔

حج کی بعض اصطلاحات ومقامات کی وضاحت:

میقات: اس مقام کوکہتے ہیں جہاں سے حاجی کے لیے بغیر احرام باندھے آگے بڑھنا جائزنہیں ہندستانی حجاج کرام کے لیے میقات یلملم ہے جوکامران سے آگے اورجدہ سے دوتین منزل پہلے ہے۔

احرام: بن سلی سفید تہبنداورسفید چادر۔

طواف: خانۂ کعبہ کے اردگرد چکرلگانا۔

رمل: طواف کے پہلے تین چکروں میں بہادروں کی طرح شانہ ہلاتے ہوئے جلد جلد چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے ہوئے چلنا۔

اضطباع: احرام کی چادرداہنی بغل سے نکال کردونوں پلوؤں کو بائیں مونڈھے پر ڈالنا کہ داہنا مونڈھا کھلا رہے۔

رکن اسود: خانۂ کعبہ کےاس گوشے کوکہتے ہیں جہاں حجراسود نام کا پتھر نصب ہے۔

مستجاب: خانۂ کعبہ کی جنوبی دیوار جورکن اسوداوررکن یمانی کے درمیان ہے۔

مطاف: خانۂ کعبہ کے اردگرد جس میں طواف کیاجاتاہے۔

حطیم: خانۂ کعبہ کی شمالی دیوار کے باہرچھوٹے سے دائرے میں ایک مقام ہے جسے گھیردیاگیاہے۔

استلام: حجراسودکوبوسہ دینا،ہاتھ یاکسی لکڑی سے چھوکرہاتھ یالکڑی چومنا۔

حلق: بال منڈوانا۔

قصر: بال ترشوانا۔

مقام ابراہیم: خانۂ کعبہ کے دروازے کے سامنے شیشے کے فریم میں ایک پتھر ہے جس پہ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں قدموں کے گہرے نشانات ہیں۔

میلین اخضرین: صفا ومروہ نام کی دو مقدس پہاڑیوں کے درمیان دو سبز پتھر نصب تھے اب ان مقامات پہ سبز روشنی (GREEN LIGHT) کا انتظام ہے انہیں میلین اخضرین کہتے ہیں۔

منیٰ: مکہ مکرمہ سے ۸ رکلومیٹر کی دوری پر پہاڑوں سے گھرا ہوا ایک میدانی خطہ۔

جمرات: منیٰ کے آخری حصے میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پتھر سے بنے ہوئے تین ستون ہیں۔

رمی: جمرات پہ کنکریاں مارنا۔

عرفات: منیٰ سے تقریباً ۱۶ رکلومیٹر کے فاصلے پر ایک وسیع وعریض مقدس میدان۔

مسجد نمرہ: عرفات میں واقع مسجد۔

جبل رحمت: عرفات میں واقع ایک پہاڑ۔

مزدلفہ: عرفات سے ۹ رکلومیٹر کی دوری پر واقع ایک میدانی علاقہ۔

وادی محسر: مزدلفہ سے ملا ہوا ایک مقام جہاں سے تیزی کے ساتھ گزرنے کا حکم ہے حاجی وہاں ٹھہرے نہیں۔

بطن عرنہ: عرفات کے قریب مسجد نمرہ سے متصل ایک جنگل جہاں رکنا درست نہیں اور وقوف بھی کرنے کا حکم نہیں۔

تلبیہ: لَبَّيْكَ، اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

ملتزم: خانۂ کعبہ کے دروازے اور رکن اسود کے درمیان کی دیوار۔

رکن یمانی: یہ یمن کی جانب مغربی گوشہ ہے۔

مسجد خیف: منیٰ میں واقع مسجد۔

مختلف مقامات کی دعائیں:

نیت کے کلمات: مفرد نیت یوں کرے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَ تَقَبَّلْہُ مِنِّیْ نَوَیْتُ الْحَجَّ وَاَحْرَمْتُ بِہٖ مُخْلِصاً لِلّٰہِ تَعَالیٰ۔

متمتع عمرے کی نیت یوں کرے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھَا لِیْ وَ تَقَبَّلْھَا مِنِّیْ نَوَیْتُ الْعُمْرَۃَ وَاَحْرَمْتُ بِھَا مُخْلِصاً لِلّٰہِ تَعَالیٰ۔

متمتع حج کے لیے مفرد کی طرح نیت کرے:

قارن نیت یوں کرے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ وَالْحَجَّ فَیَسِّرْ ھُمَا لِیْ وَ تَقَبَّلْھُمَا مِنِّیْ نَوَیْتُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ وَاَحْرَمْتُ بِھِمَا مُخْلِصاً لِلّٰہِ تَعَالیٰ۔

طواف کی نیت: اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اُرِیْدُ طَوَافَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَ تَقَبَّلْہُ مِنِّیْ۔

سعی کی نیت: اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اُرِیْدُ السَّعِیَ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَ تَقَبَّلْہُ مِنِّیْ۔

حج بدل کرنے والا نیت میں ہر مقام پہ مِنِّیْ کی جگہ پر مِنْ کے بعد اس کا نام لے جس کی طرف سے وہ حج بدل کر رہا ہے۔

ہدایت: نیت دل کے ارادے کا نام ہے تاہم زبان سے نیت کے الفاظ کہہ دیے جائیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ نیت کے الفاظ عربی زبان میں کہے جائیں آپ اپنی زبان میں بھی نیت کے الفاظ کہہ سکتے ہیں۔ عربی میں نیت کریں تو ضروری ہے کہ نیت کے کلمات کا مفہوم ذہن میں رہے۔

حج کی نیت کر لینے کے بعد پہلی مرتبہ تلبیہ کہنے کے بعد کی دعا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَسْئَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّۃَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَضَبِ النَّارِ۔

اولین داخلے کے وقت جب مکہ مکرمہ پر نظر پڑے: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِّیْ بِھَا قَرَاً

رَاَوَّ ارْزُقْنِیْ فِیْهَا رِزْقاً حَلَالاً۔

دخول مکہ کی دعا: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ وَ اَنَا عَبْدُكَ وَالْبَلَدُ بَلَدُكَ جِئْتُكَ هَارِباً مِنْكَ اِلَیْكَ لَاُ وَدِّیَ فَرِ آئِضَكَ وَ اَطْلُبُ رَحْمَتَكَ وَاَلْتَمِسُ رِضْوَانَكَ اَسْئَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمُضْطَرِّ یْنَ اِلَیْكَ الْخَائِفِیْنَ عُقُوْ بَتَكَ اَسْئَلُكَ اَنْ تَقَبَّلَنِیَ الْیَوْمَ بِعَفْوِكَ وَ تُدْ خِلَنِیْ فِیْ رَحْمَتِكَ وَتَجَاوَزْ عَنِّیْ بِمَغْفِرَتِكَ وَتُعِیْنَنِیْ عَلٰی اَدَآءِ فَرَآئِضِكَ اَللّٰهُمَّ نَجِّنِیْ مِنْ عَذَابِكَ اِفْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَادْخِلْنِیْ فِیْهَا وَاَعِذْنِیْ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔

مدعیٰ پہنچے تو یہ دعا پڑھے: رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِیْ الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَا سَئَلَكَ مِنْهُ نَبِیُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ وَ اَعُوْ ذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ كَ مِنْهُ نَبِیُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ۔

اس میں یہ دعا بھی شامل کرلے: اَللّٰهُمَّ اِیْمَاناً بِكَ وَ تَصْدِیْقاً بِکِتَابِكَ وَوَفَآءً بِعَهْدِكَ وَاِتِّبَاعاً لِسُنَّةِ نَبِیِّكَ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَا نَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ اَللّٰهُمَّ زِدْ بَیْتِكَ هٰذاَ تَعْظِیْماً وَّ تَشْرِ یْفاً وَمَهَابَةً وَّ زِدْ مِنْ تَعْظِیْمِه وَتَشْرِ یْفِه مَنْ حَجَّهٗ وَاعْتَمَرَهٗ تَعْظِیْماً وَّتَشْرِ یْفاً وَّ مَهَابَةً۔

نیز یہ دعا کم از کم تین مرتبہ پڑھے: اَللّٰهُمَّ هٰذاَ بَیْتُكَ وَاَنَا عَبْدُكَ اسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰ خِرَةِ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِاُسْتَاذِیْ وَلِشَیْخِیْ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتْ۔

مسجد الحرام میں باب السلام سے داخل ہونے کے وقت یہ دعا پڑھے: اَعُوْذُبِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ وَبِوَ جْهِه الْكَرِیْمِ وَسُلْطَانِه الْقَدِیْمِ مِنَ الشَّیْطَا نِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَاَ مُحَمَّدٍوَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَاَ مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاَ جِ سَیِّدِنَاَ مُحَمَّدٍ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْ بِیْ

وَافۡتَحۡ لِیۡ اَبۡوَابَ رَحۡمَتِكَ۔

نیز یہ بھی شامل کرلیں: اَللّٰهُمَّ اَنۡتَ السَّلَامُ وَمِنۡكَ السَّلَامُ وَاِلَيۡكَ يَرۡجِعُ السَّلَامُ حَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدۡخِلۡنَا دَارَالسَّلَامِ تَبَارَكۡتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيۡتَ يَا ذَاالۡجَلَالِ وَالۡاِكۡرَامِ اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا حَرَمُكَ وَمَوۡضِعُ اَمۡنِكَ فَحَرِّمۡ لَحۡمِیۡ وَبَشَرِیۡ وَدَمِیۡ وَمُخِّیۡ وَعِظَامِیۡ عَلَی النَّارِ۔

کعبہ معظّمہ پہ نظر پڑے تو تین مرتبہ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكۡبَرُ کہے۔ اس کے بعد درود شریف پھر یہ دعا پڑھے: رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّ فِی الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

حجر اسود کے قریب پہنچ کر یہ دعا پڑھے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ صَدَقَ وَعۡدَهٗ وَنَصَرَ عَبۡدَهٗ وَهَزَمَ الۡاَحۡزَابَ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ لَهُ الۡمُلۡكُ وَلَهُ الۡحَمۡدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِيۡرٌ۔

استلام سے پہلے یہ دعا پڑھے: بِسۡمِ اللّٰهِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ اَكۡبَرُ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِ اللّٰهِ۔

استلام کے بعد یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ اغۡفِرۡ لِیۡ ذُنُوۡبِیۡ وَطَهِّرۡ لِیۡ قَلۡبِیۡ وَاشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ وَيَسِّرۡ لِیۡ اَمۡرِیۡ وَعَافِنِیۡ فِیۡ مَنۡ عَافَيۡتَ ايمانابِكَ وَتَصۡدِيۡقًا بِكِتَابِكَ وَوَفَاءً بِعَهۡدِكَ وَاِتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اَشۡهَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ وَاَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ اٰمَنۡتُ بِاللّٰهِ وَكَفَرۡتُ بِالۡجِبۡتِ وَالطَّاغُوۡتِ۔

ملتزم کے سامنے آئے تو یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ هٰذَا الۡبَيۡتُ بَيۡتُكَ وَالۡحَرَمُ حَرَمُكَ وَالۡاَمۡنُ اَمۡنُكَ وَهٰذَا مَقَامُ الۡعَائِذِ بِكَ مِنَ النَّارِ فَاَجِرۡنِیۡ مِنَ النَّارِ اَللّٰهُمَّ قَنِّعۡنِیۡ بِمَا رَزَقۡتَنِیۡ وَبَارِكۡ فِيۡهِ وَاخۡلُفۡ عَلٰی كُلِّ غَائِبَةٍ بِخَيۡرٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ لَهُ الۡمُلۡكُ وَلَهُ الۡحَمۡدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِيۡرٌ۔

رکن عراقی کے سامنے پہنچے تو یہ دعا پڑھے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّكِّ وَالشِّرْكِ وَالشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ وَ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِ وَالْوَالِدِ۔

میزاب رحمت کے سامنے یہ دعا پڑھے: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُوْرًا وَّسَعْیًا مَشْكُوْرًا وَّذَنْبًا مَغْفُوْرًا وَّ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ یَا عَالِمَ مَا فِی الصُّدُوْرِ اَخْرِجْنِیْ مِنَ الظُّلُمٰتِ۔

رکن یمانی کے پاس آئے تو اسے دونوں ہاتھوں سے یا داہنے ہاتھ سے چھوئے چاہے تو بوسہ بھی دے دے اور یہ دعا پڑھے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔

مستجاب پہ بھی یہی دعا پڑھے:

مقام ابراہیم پہ دو رکعت نماز طواف پڑھ کر یہ دعا پڑھے: اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِیَتِیْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِیْ وَتَعْلَمُ حَاجَتِیْ فَاَعْطِنِیْ سُؤْلِیْ وَتَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اِیْمَانًا یُّبَاشِرُ قَلْبِیْ وَیَقِیْنًا صَادِقًا اَعْلَمُ اِنَّهٗ لَا یُصِیْبُنِیْ اِلَّا مَا كَتَبْتَ لِیْ وَرِضًی مِنَ الْمَعِیْشَةِ بِمَا قَسَمْتَ لِیْ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

زم زم پینے کے وقت کی دعا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّرِزْقًا وَّاسِعًا وَّعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا وَّشِفَآءً مِّنْ كُلِّ دَآءٍ۔

صفا کی سیڑھی پہ چڑھنے سے پہلے یہ دعا پڑھے: اَبْدَءُ بِمَا بَدَاءَ اللهُ بِهٖ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَاِنَّ اللهَ شَاكِرٌ عَلِیْمٌ۔

منیٰ دکھائی دے تو یہ دعا پڑھے: اَللّٰھُمَّ ھٰذَا مِنًی فَامْنُنْ عَلَیَّ بِمَا مَنَنْتَ بِهٖ عَلٰی اَوْلِیَآءِكَ۔

مزدلفہ میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھے: اَللّٰھُمَّ ھٰذَا جَمْعٌ نَسْئَلُكَ

الْعَفْوَوَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

مزدلفہ سے منٰی کو جاتے ہوئے جب جب وادی محصر پہنچے تو وہاں رکے نہیں بلکہ بہت تیزی کے ساتھ یہ دعا پڑھتا ہوا نکل جائے: اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ۔

رمی جمار کرتے وقت یہ دعا پڑھے: بِسْمِ اللهِ اللهُ اَكْبَرُ رَغْماً لِلشَّيْطَانِ رِضاً لِلرَّحْمٰنِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُوْراً وَّسَعْياً مَشْكُوْراً وَّذَنْباً مَغْفُوْراً۔

حلق یا قصر کراتے وقت کی دعا: اَللهُ اَكْبَرُ اَللهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ اَللهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

نیز یہ دعا پڑھے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَا هَدَانَا وَاَنْعَمَ عَلَيْنَا وَقَضٰى عَنَّا نُسُكَنَا اَللّٰهُمَّ هٰذِهِ نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ فَاجْعَلْ لِيْ بِكُلِّ شَعْرَةٍ نُوْراً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَامْحُ عَنِّيْ بِهَا سَيِّئَةً وَارْفَعْ لِيْ بِهَا دَرَجَةً فِي الْجَنَّةِ الْعَالِيَةِ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْ نَفْسِيْ وَتَقَبَّلْ مِنِّيْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَلِلْمُحَلِّقِيْنَ وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَا وَاسِعَ الْمَغْفِرَةِ۔ اَلسَّآئِلُ بِبَابِكَ يَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ وَمَعْرُوْفِكَ وَيَرْجُوْا رَحْمَتَكَ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللهُ اَللّٰهُمَّ فَكَمَا هَدَيْتَنَا لِهٰذَا فَتَقَبَّلْهُ مِنَّا وَلَا تَجْعَلْ هٰذَا اٰخِرَ الْعَهْدِ مِنْ بَيْتِكَ الْحَرَامِ وَارْزُقْنِيْ الْعَوْدَ اِلَيْهِ حَتّٰى تَرْضٰى بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَصَلَّى اللهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

يَا يَمِيْنَ اللهِ فِيْ اَرْضِهٖ اِنِّيْ اُشْهِدُكَ وَكَفٰى بِاللهِ شَهِيْداً اِنِّيْ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللهِ وَاَنَا اُوَدِّعُكَ هٰذِهِ الشَّهَادَةَ لِتَشْهَدَ لِيْ بِهَا عِنْدَ اللهِ تَعَالٰى فِيْ يَوْمِ الْقِيَامَةِ يَوْمَ الْفَزَعِ الْاَكْبَرِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُشْهِدُكَ عَلٰى ذٰلِكَ وَاُشْهِدُ مَلٰئِكَتَكَ الْكِرَامِ وَصَلَّى اللهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

چند مقدس زیارت گاہیں

جبل احد: مسجد نبوی شریف سے اس کا فاصلہ چار کلومیٹر ہے۔ اسے دیکھ کر آقائے کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے۔ ایک مرتبہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ اس پہ تشریف فرما تھے کہ یہ ہلنے لگا۔ آقا نے ایک ٹھوکر ماری اور ارشاد فرمایا پہاڑ ٹھہر جا تجھ پر ایک نبی ایک صدیق دو شہید ہیں فوراً پہاڑ تھم گیا۔

جبل الرماد: یہ جبل احد سے ۸۱۵ میٹر کے فاصلے پہ واقع ہے اور شہدائے احد کے مزارات سے اس کا فاصلہ ۸۷ میٹر ہے۔ اس پہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جبیر کی قیادت میں ۵۰ تیر انداز صحابۂ کرام کی صف بندی فرمائی اس ہدایت کے ساتھ کہ دشمن سواروں کو پیچھے سے حملہ آور ہونے سے روکنا اور ہماری حفاظت کرنا۔ جنگ کے نتائج جو بھی ہو تمہیں یہاں سے نہیں کھسکنا ہے۔ مشرکین کو جب ناکامی ہوئی تو اکثر صحابہ کو خیال ہوا کہ اب جنگ ختم ہوگئی لہٰذا وہ مال غنیمت کی طرف متوجہ ہوگئے اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مشرکین نے پیچھے سے حملہ کر دیا جس کے سبب بہت سارے اصحاب کرام شہید ہوگئے۔ اس پہاڑی کے مشرقی دامن میں وحشی کافر نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔

جبل احد کے دامن میں حضرت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر آئے یہاں پہاڑ کا ایک

بہت بڑا ٹکڑا لڑھک کے نیچے آیا تا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پر سایہ فگن ہو سکے۔ جب وہ ٹکڑا تیزی سے نیچے کی طرف آ رہا تھا تو حضرت علی نے اپنے پنجے سے اسے روک لیا۔ حضرت علی کے پنجے کا نشان اس پہ موجود ہے۔ لیکن نجدی حکومت نے اس پر سمنٹ پوت ڈالی العیاذ باللہ دشمنوں نے وہاں پہنچ کر آپ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی تو احد کا دوسرا حصہ درمیان سے شق ہو گیا اور آواز آئی سرکار یہاں تشریف لے آئیں۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے جلو میں وہاں تشریف فرما ہوئے۔

بیئر عثمان: مسجد نبوی شریف سے ۳ کلو میٹر کی دوری پر ہے مسجد قبلتین سے (۱) کلو میٹر کے فاصلے پر وادی عتیق کے کنارے واقع ہے۔ ہجرت کے بعد جب آقائے کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جاں نثار صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو یہاں شیریں پانی کے لیے یہی ایک کنواں تھا جو ایک یہودی کی ملکیت تھا۔ یہودی اس کا پانی گراں قیمت پر فروخت کرتا تھا۔ مسلمانوں کی پریشانی کا احساس فرماتے ہوئے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودی سے اس کا سودا کرلیا۔ لیکن قیمت کی فراہمی ایک مسئلہ تھا۔ آقائے کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو بیئر رومہ خریدے گا اسے جنت میں بہترین انعام سے سرفراز کیا جائے گا۔ پھر کیا تھا حضرت عثمان غنی کی سخاوت نے پیش قدمی کرتے ہوئے آقا کی بارگاہ میں اس کی قیمت پیش کر کے نصف کنواں مسلمانوں کے لیے خرید کر وقف کر دیا۔ معاہدہ یہ طے پایا کہ ایک دن اس سے یہودی پانی بھریں گے ایک دن مسلمان۔ چنانچہ اس معاہدے کے تحت عمل ہوتا رہا۔ مسلمان اپنی باری کے دن میں دونوں دنوں کے پانی بھر لیتے یہودی کو اپنے کاروبار میں نقصان نظر آیا تو آقائے کائنات نے آدھے حصے کا بھی سودا فرما لیا اور قیمت حضرت عثمان نے ادا فرما کر کنویں کے عوض دو مرتبہ جنت خریدنے کی سعادت حاصل کرلی۔ اسی نسبت سے بیئر رومہ بیئر عثمان سے موسوم ہو گیا۔ یہیں پر حضرت عثمان کا بہت بڑا باغ ہے جس میں کھجوروں کے بہت سارے درخت لگے ہوئے ہیں جن کی آبیاری اسی کنویں کے پانی سے آج بھی جاری ہے۔

وادی عقیق: یہ بہت لمبی وادی طائف سے شروع ہو کر مدینہ منورہ سے گزر کر وادی

بطحان اور وادی قناۃ میں مل جاتی ہے۔ یہ وادی شیریں چشمے نرم وخنک آب وہوا اور زرخیز مٹی کے سبب بہت اہم تصور کی جاتی ہے۔قرن اول میں بہت سارے صحابہ کے مکانات وباغات یہاں تھے۔ یہ وادی اپنے آپ میں بہت مقدس ہے اس کے تقدس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے میرے پروردگار نے اس مقدس وادی میں نماز ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ بیئر غرس یہیں ہے جس میں ایک ساحرہ نے جادو کر کے سوئی ڈالی تھی۔ وادی بطحان یہ وہ مقام ہے جہاں کی مٹی خاک شفا کہلاتی ہے سرکار سلمان فارسی کا باغ بھی یہیں ہے۔

جبل سلع: اسے غار سجدہ بھی کہتے ہیں یہی وہ مقدس پہاڑ ہے جب حضرت جبرئیل نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے آپ کی امت کو بھی دوزخ میں دیکھا ہے تو امت کے غم میں آپ زار وقطار رونے لگے اور مدینہ منورہ کی آبادی سے باہر نکل کر اسی غار میں تین دنوں تک سجدے میں پڑے رہے اور اپنی امت کے لیے جہنم سے آزادی کی درخواست گزارتے رہے صحابہ آپ کو غیر حاضر پا کر آپ کی تلاش میں نکل پڑے جب اس پہاڑ کے قریب پہنچے تو ایک چرواہے نے کسی کے رونے کی اطلاع دی صحابہ کرام کو سمجھنے میں دیر نہ لگی اور پوری جماعت نے اپنے رسول رحمت کے قدموں میں حاضری دے کر مدینہ شریف چلنے کی درخواست گزاری مگر رسول کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل امت کے غم میں آنسو بہاتے رہے صحابہ کے ہزار اصرار کے باوجود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدے سے سر نہ اٹھایا۔ آخر مجبور ہو کر صحابہ کرام مدینہ واپس چلے گئے اور آپ کی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو صورت حال کی جانکاری دی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا خود بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اب تو سجدے سے سر اٹھایئے نبی رحمت نے غمناک آنکھوں کے ساتھ سجدے سے سر اٹھایا اور مدینہ شریف واپس ہوئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا مکان: اب یہ مسجد جابر کے نام سے موسوم ہے۔ اسی مکان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے غزوۂ خندق کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے

اصحاب کی دعوت فرمائی تھی ایک سیر جو کا آٹا اور ایک چھوٹی سی بکری کے گوشت سے تقریباً ایک ہزار صحابہ نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا اور سب کے کھا لینے کے بعد بھی کچھ روٹیاں اور سالن بچ گئے۔

مسجد غمامہ: ایک سال مدینہ منورہ میں سخت گرمی کے سبب قحط پڑا۔ جانور چرند اور پرند ہلاک ہونے لگے تو جمعہ کے دن عین خطبے کے وقت جب آقائے کونین ﷺ منبر شریف پہ رونق افروز تھے تو ایک صحابی رسول نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! بارش نہ ہونے کے سبب ہم لوگ ہلاک ہو گئے۔ نبی رحمت نے فوراً دعا کے لیے دست رحمت بلند کیا اور دست اقدس دعاء کے لیے اٹھے اور باب اجابت سے شرف قبول ملا اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اور مسلسل ایک ہفتہ بارش ہوتی رہی مدینہ شریف کی پوری آبادی بارش کے سبب جل تھل ہو گئی پھر دوسرے جمعہ کو خطبے کے دوران وہی صحابی رسول کھڑے ہو کر عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ! بارش کی کثرت سے ہم ہلاک ہوئے آقائے رحمت نے پھر دست کرم بلند کیا اور فوراً بارش تھم گئی اسی دن سے اس مسجد کا نام مسجد غمامہ ہو گیا۔ سرکار دو عالم ﷺ کی حیاتِ ظاہری شریف میں اسی مسجد میں نماز عیدین ادا کی جاتی تھی۔ عید کے دن جس یتیم بچے کو آقائے کائنات نے سینے سے لگایا، دست شفقت پھیرا گھر لائے نہلایا نئے کپڑے عطا فرمائے عطر و عنبر میں بسا کر اپنے ہمراہ عیدگاہ لے کر گئے، یہ واقعہ اسی مسجد غمامہ سے متعلق ہے جہاں بیچ راستے میں یتیم بچہ دوسرے بچوں کو نئے کپڑوں میں ملبوس دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

مسجد اجابہ: یہ جنت البقیع سے ۳۸۵ میٹر دور شارع فیصل کے کنارے واقع ہے۔ یہ مسجد مسجد بنو معاویہ کے نام سے جانی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ آقائے کونین ﷺ اپنے جاں نثار اصحاب کرام کے ساتھ گزر رہے تھے تو اس میں دو رکعتیں نماز ادا فرمائی تھیں بعد نماز سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے رب سے تین دعائیں مانگی تھیں۔ پہلی دعا یہ کہ میری امت قحط سالی کی وجہ سے تباہ نہ ہو، دوسری دعا میری امت غرق ہو کر تباہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دونوں دعائیں قبول فرما لیں لیکن جب آقائے کائنات ﷺ نے تیسری دعا فرمائی کہ میری امت لڑائی جھگڑے سے محفوظ رہے تو پروردگار کی جانب سے یہ حکم صادر ہوا کہ اے میرے محبوب!

یہ دعا نہ مانگیں۔دعاؤں کی قبولیت کے سبب اس مسجد کا نام مسجد اجابہ قرار پایا۔

مسجد ابوذر غفاری: مسجد نبوی شریف سے اس کی مسافت ۹۰۰ میٹر ہے۔جانب شمال واقع ہے اس کا تاریخی نام مسجد سجدہ ہے۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے کہ نبی کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المال کے ایک باغ میں تشریف لے گئے وضو فرمایا اور دو رکعتیں نماز ادا فرمائیں اور ایک طویل سجدہ فرمایا سجدۂ طویل سے میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آپ دنیا سے تشریف تو نہیں لے گئے۔جب آپ نے سجدے سے سر اٹھایا تو فرمایا کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ نے اتنا لمبا سجدہ فرمایا کہ میں ڈر گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس تو نہیں بلالیا۔آپ نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام لے کر آئے کہ اے اللہ کے نبی! جو آپ پر درود وسلام بھیجے گا پروردگار اس پر رحمتیں نازل فرمائے گا اپنے رب کے اس فرمان مقدس پہ میں نے سجدۂ شکر ادا کیا۔

اس کے علاوہ مسجد بلال، مسجد ابوبکر، مسجد عمر، مسجد علی، مسجد شمس، مسجد بخاری بھی وہاں کی اہم زیارت گاہوں میں ہیں۔

بئر حساء: یہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب ہے۔اس کنویں کے قریب آپ کا بہت بڑا کھجوروں کا باغ تھا جو مسجد نبوی شریف سے قریب تھا۔شاہ فہد کے زمانے میں جب مسجد نبوی کی توسیع ہوئی تو باغ کے درخت کاٹ دیے گئے اور کنواں اب بھی مسجد نبوی شریف کے تہ خانے میں موجود ہے اور اس کا پانی بھی استعمال میں ہے یہ کنواں باب مجیدی سے پہلے باب ملک فہد گیٹ (۲۱) سے داخل ہوتے وقت چند میٹر کے فاصلے پر بائیں سمت واقع ہے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں اکثر جلوہ فرما ہوتے اور اس کنویں کا پانی نوش فرماتے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو یہ کنواں بہت محبوب تھا لیکن جب آیت قرآنیہ لن تنالو البر حتی تنفقو امما تحبون نازل ہوئی تو انہوں نے یہ کنواں راہ خدا میں صدقہ فرما دیا۔

□□□□□

مکہ مکرمہ کے گمشدہ تبرکات

حضرت علامہ مولانا محمد میاں کامل سہسرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کاروان عقیدت کی پیہم جستجو کے باوجود متاع عشق محبت کا نام ونشان نہیں ملتا۔

جدار طائف، ریاض، دمام، اور مکہ کی صاف ستھری چوڑی کشادہ اور چکنی سڑکوں پر دندناتی ہوئی صبارفتار کاریں، کاروں میں قیمتی قالینوں کے کارپٹ، جدید طرز کے مکان، سربفلک ایرکنڈیشن عمارتیں، عمارتوں کے اندر ٹیلی ویزن، ریفریجریٹر شاندار صوفے، ایرانی قالین اور آسائش وآرام کی تمام جدید چیزیں اس بات کا اعلان کررہی ہیں کہ تیل کی بے اندازہ دولت نے ان عربوں کی زندگی اور رہائش کو بے حد شاہانہ اور شہروں کو بہت ہی ترقی یافتہ بنادیا ہے۔ایک سیاح جب ان سڑکوں سے گذرتا ہے تو کچھ دیر ٹھہر کر یہ ضرور سوچتا ہے کہ یہ ریگستان عرب کا کوئی حصہ ہے یا یورپ کے جدید ترین شہر کا کوئی خطہ!

بے پناہ دولت کے مالک سعودی حکمران جہاں اپنے ملک کی مادی ترقی اور عوام کے طرز معاشرت اور انداز زندگی کو مغربی ممالک کے دوش بدوش اور شانہ بشانہ کرنے کی جدوجہد میں پیہم و مسلسل مصروف عمل ہیں۔وہیں یہ حکمران موسم حج کی سہولت زائرین کی راحت، اور ہر سال آنے والے حاجیوں کے آرام کے خیال سے بھی غافل نہیں۔اونٹوں کے زمانہ کے سفر اور آج کے سفر میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔آج سفر کی تمام تر سہولتیں محض دولت ہی کی

نہیں بلکہ حکمرانوں کی بھی رہین منت ہیں۔

جدہ میں وسیع ترین مدینۃ الحجاج کی تعمیر کمشنر کی تیز رفتار کارکردگی میٹھے پانی کی فراوانی، سواریوں کی سہولتیں، ہر قسم کی تیز رفتار گاڑیاں، پھر مکہ معظّمہ میں حرم کعبہ کی توسیع جدید انداز کی بے حد خوبصورت اور پر شکوہ تعمیر، سہ منزلہ عمارت، بلند مینار، جابجا قالینوں کے فرش، تیز روشنی کے ان گنت بلب، ہر لمحہ صفائی کا التزام، تقریباً ہر دروازے کے قریب زمین دوز وضوخانے، انہی سے متصل سیکڑوں استنجا خانہ اور بیت الخلاء، صفا اور مروہ کے ربع ربع میل کے طویل راستہ پر کشادہ اور حسین ترہال کی تعمیر آنے جانے کی الگ الگ راہیں پھر اس میں ضعیف، کمزور اور مجبور حجاج کا جداگانہ راستہ، منیٰ اور عرفات تک جانے والے راستے میں متعدد کشادہ سڑکیں قدم قدم پر شفاخانے، بارونق گلیاری قابل دید بازار، اور اس طرح کی دوسری بہت ساری سہولتوں اور حسن انتظام پر سعودی حکومت یقینا لائق تحسین ہے، ہفتوں کا تھکا ہارا مسافر جب اپنے لیے اتنی ساری سہولتوں اور روحرم کی جدید ترین تعمیر کو دیکھتا ہے تو سفر کی کلفتوں کو بھول جاتا ہے۔

زیارت بیت اللہ، طواف کعبہ اور دیگر ارکان زیارت سے شادکام ہونے والے خوش نصیب زائر کی نگاہ چمن زار عقیدت کو تلاش کرتی ہے۔ شام روح خوشبوئے وفا کی جستجو کرتی ہے دل کی دنیا متاع گراں مار کے دیدار کی تمنا کرتی ہے اور جذبۂ عشق یوسف گم گشتہ کا متلاشی ہوتا ہے، نگاہوں کی عقیدتیں اپنے اس انمول سرمائے کو کشادہ سڑکوں پر بارونق بازاروں میں حسین گلیوں میں سر بفلک عمارتوں میں اور ایک ایک مقام پر ڈھونڈتی ہیں لیکن حیف صد حیف کہ تمام تر تلاش ساری جستجو اور غریب الوطن عقیدتوں کی آبلہ پائی کے باوجود وہ متاع گم شدہ، وہ سرمایۂ عقیدت، وہ مرکز احترام جس کا براہ راست تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات گرامی سے تھا، نہیں ملتا۔ جسمانی آرام وآسائش کا اہتما کرنے والی حکومت سے عقیدتیں ہر سال سوال کرتی ہیں اور قیامت کی صبح تک سوال کریں گی کہ آخر وہ متاع عقیدت کہاں گئی۔

وہ سرمایۂ محبت کیا ہوا؟ کیا ہوا ان نایاب تبرکات کا؟ مولدالنبی کہاں گیا، مولد فاطمہ کہاں گیا؟ تبرکات کی دنیا کیسے ختم ہوگئی۔ کہاں غائب ہوگئی، اور کیسے مٹادی گئی؟ مکہ کے بازارو تم بتاؤ، بلند عمارتوں تم کچھ کہو، حرم کی دیوارو تمہیں کوئی نشاندہی کرو، ذمہ دار حکمرانوں تم ہی کچھ بولو عشق وایمان کی امانتوں میں کس نے خیانت کی ہے؟ کس نے کی ہے یہ خیانت؟ لیکن افسوس کہ عقیدتوں کی پکار اور محبتوں کی دریافت پر خاموش مایوسیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا۔ جانے والے خوش نصیب حاجیو! اگر ہوسکے تو اس یوسف گم شدہ کو تم بھی تلاش کرنا۔ اور اگر کہیں مل جائے تو تشنہ کامان زیارت کی جانب سے عقیدتوں کی نذر اور محبتوں کا سلام پیش کرنا۔ لیکن پتا بتانے کے باوجود یقین ہے کہ تمہاری تلاش و جستجو بھی کامیاب نہ ہوسکے گی۔

مولدالنبی: وہ مقدس مقام و بابرکت مکان جہاں فخر آدم، تاجدار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت طیبہ ہوئی تھی۔ جہاں فرشتے اور سید الملائکہ دست بستہ اولین سلامی کو آئے تھے، جہاں حوران بہشتی خدمات پر مامور کی گئی تھیں۔ جہاں حضرت مریم، آسیہ، وہاجرہ مبارک وسلامت کے لیے آئی تھیں جہاں نبی کریم نے شیرخوارگی کے چند دن گذارے تھے۔ جہاں سے ان کے عہد طفولیت کی بہت ساری یادگاریں وابستہ ہیں جس زمین نے بچپنے کے ننھے ننھے قدم نازک کو چومے جن درودیوار نے ان کے دست کرم کا شرف حاصل کیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ مقدس مکان شعب بنی عامر میں واقع تھا جو حرم شریف سے دوسو قدم کے فاصلے پر واقع ہے تین کمروں پر مشتمل یہ مکان زمین سے ڈیڑھ میٹر کی بلندی پر واقع تھا۔ جس میں چند زینوں پر چڑھ کر اندر داخل ہوا جاتا تھا۔ مکان کے ایک کمرے میں بطور نشان ایک قبہ اور کمرے کے واسط میں ذراسی گہرائی تھی یہی وہ مقام تھا جہاں آفتاب نبوت طلوع ہوا تھا۔ لیکن آج مولد پاک اور اس مقدس زیارت گاہ کے دیدار کے لیے ترستی ہوئی نگاہوں کو مایوسیوں کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اگر کوئی خوش بخت تلاش و جستجو اور رہبری ورہنمائی کے سہارے اس سرزمین تک پہنچنے میں کامیاب بھی ہوگیا تو وہاں کوڑے کرکٹ کے سوا اور کچھ نہیں ملتا۔

مولد فاطمہ: یہ مکان حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا تھا یہ وہ مقدس اور باعظمت مکان تھا جس میں نزول وحی کے بعد سب سے پہلے سرکار تشریف لائے تھے اور کمبل اوڑھانے کی فرمائش کی تھی۔ یہیں سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کمرے میں عبادت فرمایا کرتے تھے۔ یہیں قرآن کی آیتیں نازل ہوتی تھیں۔ یہیں جبریل امیں سلامی کو حاضر ہوا کرتے تھے۔ یہیں سیدہ خاتون جنت پیدا ہوئی تھیں۔ یہیں ایک الماری میں ان کی چکی بطور تبرک کبھی موجود تھی۔ یہی گھر اسلام کی ابتدائی تبلیغ کا مرکز تھا سو سال پہلے کی تاریخ آج بھی پکار کر کہہ رہی ہے کہ محلہ دار الحج کے نشیب میں چار کمروں پر مشتمل خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا بابرکت مکان مرجع خلائق تھا۔ جس کی دیوار پر سنگ مرمر کی لگی تختی پر مندرجہ ذیل عبارت کندہ تھی:

> ''حضرت فاطمہ زہرا بتول سیدۃ نساء العالمین بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیر کا حکم سیدنا مولانا مفروض الطاعت امیر المؤمنین ناصر الدین نے اس کے منافع اور پیداوار کو پہلے اس کے مصالح پر پھر اس مقام نبوی کے مصالح پر حسب رائے متولی ونگرانی کا رخالصۃً لوجہ اللہ متصف کیا جو شخص اس میں تغیر وتبدل کرے اس پر خدا کی لعنت اور کرنے والوں کی لعنت قیامت تک ہو۔ سنہ ۶۰۴ھ کتابت۔ (عربی عبارت کا ترجمہ)

اس عظیم تاریخی تبرک کو تلاش کرنے والے مکہ کی ایک ایک گلی میں تلاش کرتے ہیں لیکن اس بابرکت مکان کا ملنا تو کجا کوئی اس کا پتا ونشان بتانے والا نہیں ملتا۔

دار ارقم: یہ محترم مکان حضرت ارقم مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا۔ جو تاریخی روایت کی بنیاد پر کوہ صفا کی بائیں جانب محلہ دار الخیز ران کی ایک گلی میں واقع تھا یہ وہ زیارت گاہ تھی جس میں کفاران مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر سرکار نے اقامت فرمائی تھی۔ یہیں سے اسلام کی خموش تبلیغ کا کام ہوا کرتا تھا یہی وہ زمین تھی جس پر بندگان خدا ظالموں کے شر سے چھپ کر خدائے واحد کا سجدہ کیا کرتے تھے۔

قتل رسول پر آمادہ عمر کو اسی مکان میں دولت ایمان کا لازوال خزانہ ملا تھا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور یہیں سے اہل حق کا قافلہ خانہ کعبہ کی زمین پر سجود نیاز کی نذر پیش کرنے گیا تھا، اور ڈنکے کی چوٹ پر نماز باجماعت کی ابتدا ہوئی تھی۔ اس مرکز عقیدت کو دریافت کرنے والوں کی زبان میں کانٹے پڑ جاتے ہیں لیکن کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں ملتا اور حد یہ ہے کہ مکہ کے جغرافیہ تک میں اس مکان کے وجود کا نشان نہیں ملتا۔ حالانکہ تاریخ کے صفحات پکار رہے ہیں کہ دارُ الخیز ران میں حضرت ارقم کا وہ مکان تھا جس کی مشرقی دیوار پر مندرجہ ذیل عبارت کا کتبہ تھا۔

''بسم اللہ۔۔۔۔۔ ان گھروں میں جن کے۔۔۔۔ متعلق خدا نے یہ حکم دیا ہے کہ وہ بلند کیے جائیں گے ان میں خدا کا نام لیا جائے اور صبح وشام ان میں خدا کی تسبیح پڑھی جائے یہ رسول اللہ کے چھپنے کی جگہ اور خزران کا مکان ہے۔ اسلام کی ابتدا یہیں سے ہوئی اس کی تجدید عمارت کا حکم امین الملک مصلح نے خدا اور رسول کے ثواب حاصل کرنے کے لیے دیا اور خدا نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ (ترجمہ)

قبہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: مکہ کا قبرستان جس کا نام جنۃ المعلیٰ ہے۔ اس کے مشرقی دروازے کے قریب ام المومنین زوجہ سید المرسلین کی قبر انور اور قبر انور پر ایک مختصر لیکن خوبصورت سا قبہ تھا۔ ہم سارے مسلمانوں پر تو اسلام کا احسان ہے لیکن بلاشبہ اسلام پر سیدہ خدیجہ کا احسان ہے یہ وہ طیبہ طاہرہ خاتون تھیں جن کو بیوگی کے باوجود میرے سرکار نے اپنی زوجیت کا شرف عطا فرمایا تھا۔ نزول وحی کے بعد جنہوں نے سب سے پہلے سرکار کی زیارت فرمائی کمبل اوڑھایا اور تسکین کی باتیں کہیں سب سے پہلے حضور کی رسالت پر ایمان لا کر عورتوں میں اولین اسلامی خاتون کا اعزاز حاصل کیا۔ جن کی بے شمار دولت کی ایک ایک پائی اسلام کے لیے وقف ہوئی اور جن کا سرمایہ آڑے وقتوں پر اسلام کے بے حد کام آیا۔ جن کے شوہر رسول خدا، جن کی صاحبزادی فاطمہ زہرا جن کے داماد شیر خدا جن کے نواسے حسن مجتبیٰ اور حسین شہید کربلا تھے۔ حیف! کہ آج ان کی مقدس قبر کا پتا و نشان نہیں ملتا۔ جنت

المعلیٰ کے مشرقی حصے میں منہدم شدہ قبے کا ڈھیر ملتا ہے۔توڑ پھوڑ کا مزاج نظر آتا ہے، عظمت وتقدیس کی دھجیاں دکھائی دیتی ہیں۔لیکن اس عظیم المرتبت خاتون جن کے تلوؤں کی دھول مل جائے تو گنہ گاروں کی نجات ہوجائے، ان کی قبر کے نشانات نہیں ملتے، اور مشتاق زیارت ترستی ہوئی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کے سائے میں فاتحہ پڑھ کر زخمی جذبات کے ساتھ واپس ہونے پر مجبور ہوتا ہے۔

باب ام ہانی: دنیا جانتی ہے کہ معراج کی رات سید عالم ﷺ حضرت ام ہانی کے گھر تشریف فرما تھے۔یہیں جبریل امین نے حاضر بارگاہ ہوکر سلام کے بعد دیدار الٰہی یا معراج کا مژدہ سنایا اور چلنے کی درخواست کی، حضور یہاں سے حرم شریف تشریف لائے پھر شق صدر وغیرہ کے بعد حضور ستر ہزار فرشتوں کے جلو میں حرم کعبہ سے مسجد اقصیٰ کے لیے روانہ ہوئے خانہ ام ہانی سے چل کر جس دروازے کے ذریعہ حضور نے حرم پاک میں قدم رکھا۔اس دروازے کا نام اسی مناسبت سے باب ام ہانی رکھ دیا گیا۔تاکہ عقیدت مند نظر جب اس پر پڑے تو واقعہ معراج کی یاد تازہ ہو۔حضرت ام ہانی کی عظمت وتکریم سے دل معمور ہو۔اور عقیدت ومحبت کا چمن زار ایک نئی بہار سے ہمکنار ہو،لیکن نیاز مند آنکھیں حرم پاک کے ایک ایک دروازے کو دیکھتی ہیں۔اس پر لکھی عبارتوں کو بار بار پڑھتی ہیں لیکن کسی دروازے پر باب ام ہانی لکھا نہیں ملتا۔پیہم تلاش وجستجو اور دریافت کے بعد پتا چلتا ہے کہ وہ دروازہ جس پر باب عبدالعزیز لکھا ہے وہی دراصل کبھی باب ام ہانی تھا۔اگر انصاف دنیا سے ختم نہیں ہوگیا اور ضمیر مردہ نہیں ہوگیا تو میں پوچھنا چاہتا ہوں اور عوامی عدالت میں استغاثہ پیش کر کے فیصلۂ قلب کرنا چاہتا ہوں کہ ایک زائر کا قدم جب حرم کی سرزمین پر پڑتا ہے تو اس کی نگاہ شوق عشق وایمان کے مرکزوں کو تلاش کرتی ہے اسلاف کی یادگاروں کو ڈھونڈتی ہے یا کسی عبدالعزیز کو؟ کاروان محبت ہر قدم پر اپنے مقدس محبوبوں کی نشانیوں کو تلاش کرتا ہے یا پھر ان کے چہیتوں کی یادگاروں کو اور جب صورت حال یہ ہے تو پھر فیصلہ دیجئے کہ یہ سب کچھ آباء

پرستی کی بدترین بدعت کے سوا کچھ نہیں۔ اس طرح کی اور بہت سی یادگاریں اورنشانیاں ہیں جو تاریخ کے صفحات پر تو ملتی ہیں لیکن مکہ معظّمہ کی سرزمین پر ان کا نام ونشان نہیں ملتا۔

مکہ کے بارونق بازاروں میں دنیا کے ہر ملک کی چیزیں بکتی ہیں۔ ہر قسم کا سامان ملتا ہے، لیکن نہیں ملتا تو مولدالنبی نہیں ملتا۔ اور تہذیب کی چمک تمدن کی روشنی اور دولت کی فراوانی میں یہ یادگاریں اس طرح دبائی گئی ہیں جیسے واقعات کی دنیا میں ان کا کوئی وجود تھا ہی نہیں۔ آج عقیدتوں کی دنیا سوالیہ نشان بنی ہوئی ہے کہ کیا مولدالنبی کی دیواریں لائق توقیر نہ تھیں، اس کی زمین محبتوں کی بوسہ گاہ نہ تھی۔ مولد فاطمہ کے بام ودر قابل تکریم نہ تھے، خدا کے آخری نبی کا عبادت خانہ اور وحی الٰہی کا مقام نزول باعث عزت نہ تھا۔ کیا اسلام کی اولین خاتون کا قبہ قابل تکریم نہ تھا، کیا ام ہانی کا نام لائق التفات نہ تھا؟ اگر تھا اور یقیناً تھا تو ان مقامات مقدسہ کی بقا اور تحفظ کا معقول ومناسب انتظام کیوں نہیں کیا گیا۔ حرم کی توسیع پر کروڑوں اور اربوں خرچ کر نے والوں سے کوئی دریافت کرے کہ وہ عمارتیں کیوں منہدم ہوئیں؟ وہ نشانیاں کیوں زمیں بوس ہوئیں؟ وہ مآثر کیوں بے نام ونشان ہوئے؟ کیا ان یادگاروں کا تحفظ ممکن نہ تھا۔ کیا ان کی خمیدہ دیواروں کو چند ریال کے سہارے کھڑا نہیں کیا جاسکتا تھا کیا منہدم کھنڈرات کو چہار دیواریوں کے ذریعہ محفوظ نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ کیا چودہ سوسال پرانی دھول مٹیوں کو دبیز شیشوں سے ڈھانک کر محافظت کا حق ادا نہ کیا جاسکتا تھا۔ خدارا ارباب حکومت اور اصحاب دولت سے کوئی پوچھے کہ یہ نشانیاں آخر کیوں بے نام ونشان ہوئیں؟ کیوں بے نام ونشان ہوئیں یہ نشانیاں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ دولت کی فراوانی نے عقیدتوں میں افلاس پیدا کر دیا ہے۔ شاہراہوں کی کشادگی نے دلوں میں تنگی پیدا کردی ہے۔ عمارتوں کی بلندی نے عقیدتوں میں پستی پیدا کردی ہے۔ ایئر کنڈیشن مکانات کی اقامت نے ان مکان کی عظمت وتقدیس ختم کردی ہے، بجلیوں کے رنگین تیز بلبل نے محبتوں کی دنیا کو تاریخ کر دیا ہے امپالا کاروں کی صبارفتاری نے ایمان کے جذبات کو سست کر دیا ہے اور وسعت حرم کی مہم نے صاحب حرم کی

عظمت ومحبت کو پس پشت ڈال دیا ہے، اگر ایسا ہے تو دنیا کان کھول کر سن لے کہ ان کے گناہ گار غلاموں کو پرشکوہ عمارت نہیں، ان کے قدموں سے لگا ہوا کھنڈر چاہیے صاف شفاف سڑکیں نہیں ان کے قدموں کی دھول اور خاک رہ گذر چاہیے۔ صفا ومروہ کا سائبان نہیں اسلام کی اولین خاتون کے مزار اقدس کے قبۂ پاک کا سایہ چاہیے، تیز بلب نہیں سیدہ فاطمہ کی مقدس چکی کا ٹکڑا چاہیے، کوئی عبدالعزیز نہیں ام ہانی کے نام کی عظمت چاہیے، خدا کے لیے اپنی تمام مادی آسائش وسہولتیں لے لو۔ ہماری روحانی یادگاریں اور ایمانی نشانیاں دے دو۔

وہ اندھیرا ہی بھلا تھا کہ قدم راہ پہ تھے
روشنی لائی ہے منزل سے بہت دور ہمیں

□□□□□

مناجات

یاالٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل شہِ مشکل کشا کا ساتھ ہو

یاالٰہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو
شادیٔ دیدار حُسنِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

یاالٰہی گورِ تیرہ کی جب آئے سخت رات
ان کے پیارے منہ کی صبحِ جانفزا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب پڑے محشر میں شورِ دارو گیر
امن دینے والے پیارے پیشوا کا ساتھ ہو

یاالٰہی جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے
صاحبِ کوثر شہِ جود و عطا کا ساتھ ہو

یا الٰہی سرد مہری پر ہو جب خورشیدِ حشر
سیّدِ بے سایہ کے ظلِّ لِوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی گرمیٔ محشر سے جب بھڑکے بدن
دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی نامۂ اعمال جب کھلنے لگے
عیب پوشِ خلق ستارِ خطا کا ساتھ ہو

یاالٰہی جب بہیں آنکھیں حسابِ جرم میں
اُن تبسم ریز ہونٹوں کی دعا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب حسابِ خندۂ بیجا رلائے
چشمِ گریانِ شفیعِ مرتجیٰ کا ساتھ ہو

یاالٰہی رنگ لائیں جب مِری بے باکیاں
ان کی نیچی نیچی نظروں کی حیا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب چلوں تاریک راہِ پُل صراط
آفتابِ ہاشمی نور الہدیٰ کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے
رَبِّ سَلِّم کہنے والے غمزُدا کا ساتھ ہو

یاالٰہی جو دعائے نیک میں تجھ سے کروں
قدسیوں کے لب پہ آمیں ربّنا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب رضاؔ خوابِ گراں سے سر اٹھائے
دولتِ بیدار عشقِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

لاکھوں سلام

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

شہر یارِ ارم تاجدارِ حرم
نوبہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں
ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

کل جہاں مِلک اور جو کی روٹی غذا
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

غوثِ اعظم امام التقیٰ والنقیٰ
جلوۂ شانِ قدرت پہ لاکھوں سلام

شافعی مالک احمد امامِ حنیف
چار باغِ امامت پہ لاکھوں سلام

کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور
بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضاؔ
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام